1194

# سیرۃ الرسول

یعنی

حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانحعمری

## دوسری جلد

مرتبہ میرزا حیرت مترجم قرآن مجید و مصنف

مقدمہ تفسیر الفرقان وغیرہ وغیرہ

[illegible]

مطبوعہ کرزن پریس دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# سیرۃ الرسول صلعم



یعنی حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانحعمری

## دوسری جلد



## پہلا باب

### مخالفت کی آگ

جب اسلام کی اشاعت شروع ہوئی اور لوگ جوق جوق اسلام قبول کرنے لگے تو مشرکین مکہ چونکے کہ اُن کے دستی خداؤں کی بے حرمتی کا زمانہ شروع ہو گیا اور اُن کا آبائی مذہب تنزل پذیر ہونے لگا اس خیال سے اُن کے دل میں مسلمانوں اور حضرت... کی طرف سے سخت غصہ پیدا ہوا اور آپ وہ دستی خداؤں کی حفاظت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے بجائے اسکے کہ اُن کے آبائی معبود اُنکی حفاظت کرتے خود اُنھیں اُن کی حفاظت کرنی پڑی اور چونکہ ان کی قوۃ زیادہ تھی اس لئے اُنھوں نے یہ تدبیر اختیار کی کہ نو مسلمان کی جماعۃ کو کچل ڈالیں اور اُن پر اس قدر سختیاں توڑیں کہ پھر دوسروں کو مسلمان ہونے کی ہمت نہ پڑے مخالفت کی ایک آگ تھی جو اس کونہ سے اُس کونہ تک بھڑک اُٹھی اور کل مشرک مرد و زن ان مٹھی بھر مسلمانوں کو تیز تیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ یہ وقت واقعی بہت سخت آزمائش کا تھا اور اس وقت خداوند تعالےٰ کو یہ ثابت کرنا تھا کہ حق کو تمام دنیا کی متشکلہ قوۃ بھی نہیں روک سکتی اور جس امر کا تقدیر الہی رونا... سے فیصلہ کر چکی ہے وہ ہو کے رہتا ہے۔

زمانہ نبوۃ کو تین چار سال گزر چکے تھے اور ابھی تک علانیہ تلقین دین اسلام نہ کی گئی تھی۔ مگر اب وہ وقت نہیں رہا تھا۔ اس بات کا موقع آگیا تھا کہ آخر الزماں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت دلیری سے عام لوگوں کے سامنے احکام خدا لیکے پیش ہوں اور اُنھیں ان کے فاسد عقائد پر تنبیہ کرکے راہ مستقیم کی طرف توجہ دلائیں۔

ابھی تک جو کچھ حضور انور نے کیا تھا بالکل خفیہ تھا اور ابھی تک جس قدر مسلمان ہوئے تھے نہایت خاموشی سے مسلمان ہوئے تھے مگر جب تلقین مذہب کا فوارہ نبوت کے قلب سے اُچھلنے لگا تو آسمان سے روح القدس کے ذریعہ سے یہ ندا آئی "فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین" اس آسمانی آواز کی گرج کرہ باد میں بھر گئی۔ نبوۃ کی صبح صادق کا نور مبارک حجرہ سے طلوع ہوا۔ اور حضور انور بڑی سرگرمی سے تن تنہا خداوند تعالی کے سرکش بندوں کے سامنے پیش ہوئے جو ایک برگزیدہ خدا کے نیک کاموں پر دانت پیس رہے تھے اور اُن کی تاریک آنکھوں میں دین حق کی مخالفت کے لال لال ڈورے چمک دے رہے تھے۔

اُس کے بعد اور ایک آسمانی آواز آئی اور وہ یہ تھی "وانذر عشیرتک الاقربین و اخفض جناحک لمن اتبعک من المؤمنین" یہ آواز قلب نبوۃ پر محیط ہوگئی اور حضرت خاتم الانبیا وسید اصفیا کوہ صفا پر تشریف لیگئے۔ غول کے غول حضرت ختمی پناہی کے ہمرکاب تھے اور حضور کو دیکھ کے یہ الفاظ کہتے جاتے تھے "عبدالمطلب کے خاندان کا ایک شخص جاتا ہے تاکہ خدا کی باتیں لوگوں کو سنائے" جب کل لوگ جمع ہوگئے تو حضرت رسالت پناہی نے یہ فرمایا اے معشر قریش اگر میں تمہیں اس امر کی خبر دوں کہ ایک لشکر عقبہ کے پیچھے تاک لگائے ہوئے کھڑا ہے اور بیخبری میں تم پر تاخت کرنا چاہتا ہے کیا تم اس خبر میں میری تصدیق کروگے اور مجھے جھوٹا نہ سمجھوگے قریش نے جواب دیا کہ تم جھوٹے نہیں ہو اور آج تک جھوٹ کی تہمت تم پر نہیں لگائی گئی سوائے راستی اور صدق کے ہم نے آپ سے کوئی بات مشاہدہ نہیں کی۔ یہ سنکے حبیب ملک منان اور رحمتِ عالمین نے فرمایا کہ میں تمہیں سخت عذاب سے

اس پر ابو لہب آپ کے چچا اور عبد المطلب کے بیٹے نے یہ جواب دیا "تبالك سائر اليوم الهذا جمعتنا" روایت ہے کہ سورۂ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی جس میں ابو لہب کی سخت کلامی کا جواب ہے اور جس کا مضمون یہ ہے۔

ابو لہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو جائیں اور وہ (خود بھی) ہلاک ہو جائے نہ اُس کا مال اُس کے کام آئے گا اور نہ اُسکے اعمال عنقریب وہ شعلہ دار آگ میں پڑے گا اور اُس کی عورت (بھی) جو لکڑیوں کی اُٹھانے والی ہے اسکی گردن میں چھوارے کی چھال کی رسّی ہو گی۔

بعض روایتوں میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت مقدس نبوی کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور آل قریش جمع ہو گئے تو آپ نے روئے مبارک لوگوں کیطرف کر کے یہ فرمایا۔

هل عرفتمونی بالکذب فیکم قالوا لا قال فاعلموا ان الله بعثنی الیکم رسولاً وقراٴ علیهم یا ایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعاً۔

یعنی کیا تم نے مجھے اپنے درمیان میں جھوٹ بولنے کے ساتھ (موصوف) جانا ہے۔ بولے کہ نہیں آپ نے فرمایا تو یقین کرو کہ بے شک اللہ نے مجھے تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور آپ نے اُن کے سامنے یہ آیت پڑھی کہ اے لوگو بے شک میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں۔

اس پر ابو لہب نے یہ کہا کہ میرے بھائی کا بیٹا (معاذ اللہ) دیوانہ ہو گیا ہے تم لوگ اسکی بات نہ سنو۔ یہ سنتے ہی لوگ تتر بتر ہو گئے اس پر سورۂ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی۔

بعض روایتوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ لوگ ... ابو طالب سے کہتے جاتے تھے آپ نے اپنے بھتیجے کی کارروائی دیکھ لی وہ سب پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور سب کی بزرگی اور یہ عبد المطلب کے بیٹے کا فرزند ہے کہ آسمان کی خبر دیتا ہے اور ہے۔

عالم بالا کے مقیم اس کے ساتھ باتیں کرتے ہیں۔ بس گویا اسی پُرجوش وعظ سے جس میں اصنام قریش کو بے حقیقت اور لاشے محض ثابت کیا گیا تھا مخالفت بلکہ تلخ تر دشمنی کی ابتدا ہوئی۔ کوہ صفا سے گویا علانیہ تبلیغ کا آغاز ہوا اور اسی مقدس پہاڑ سے اسلام کی عمارت کی بنیاد پڑگئی۔ اسلام میں پہاڑ کی سی صلابت کا ہونا قدرۃً لازمی قرار پایا اور کل چشمے اسی کوہ صفا سے آئندہ نکلے جنہوں نے مشرق و مغرب سب کو سیراب کر دیا۔

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم علانیہ ایک بار کوہ صفا پر ظاہر ہو چکے اور کلمہ حق قریش کے آگے بیان فرما دیا تو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ آپ اپنے ہموطنوں اور رشتہ داروں کی مخالفت سے چپکے ہو بیٹھتے۔ حق کا نور چمک چکا تھا اور توحید کی بت پرستی کی آگ پائے تخت مکہ میں لگ چکی تھی اب اس کا بجھنا محال عقل تھا۔

آپ بازاروں میں علی الاعلان یہ کہتے پھرتے تھے کہ اگر فلاح چاہتے ہو تو پڑھو۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ آپ کو اپنے مخالفین کی کچھ پروا نہ تھی اور آپکی غیر معمولی آمادگی سے یہ پایا جاتا تھا کہ حضور انور ہی کی ذات سے ایک دن زمانہ ادھر سے اُدھر پھر جائے گا۔

ابتدائی مخالفت تو ابو لہب اور عتبہ بن مغیرہ سے ہوئی سب سے پہلے یہی حضور انور کے تلخ تر دشمن بن گئے اور ایسے دشمن بنے کہ سب کام چھوڑ چھاڑ کے حضور کے پیچھے ہو لئے۔ ان کے دل میں دشمنی کی آگ بھڑک اُٹھی۔ اپنے بتوں کی عزت رہنے کے خیال نے جہان اُن کی آنکھوں میں تیرہ و تار کر دیا۔ یہ دونوں شرارت پیشہ اشخاص نہ صرف زبانی مخالفت کرتے تھے بلکہ ہاتھ پیروں سے بھی انھیں عذر نہ تھا۔ غلاظت۔ اونٹ کی اوجھڑیاں اور کانٹے حضور پر پھینکتے تھے مگر انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ اس خس و خاشاک سے تبلیغ اسلام کا دریا نہیں رُک سکتا۔ جب یہ اشرار رسالت پناہی کو بہت دق کرتے تھے تو بیساختہ اس شہنشاہ بحر و بر اور خیر الانام کی زبان مبارک سے محض تقاضائے انسانیت اور ہمدردی یہ کلمے نکل جاتے تھے۔ ای بنی عبد مناف یہی ہمسائیگی ہے جو تم میرے ساتھ برت رہے ہو۔

طارق بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے رسول اللہ کو سوق ذی المجاز میں دیکھا کہ آپ بلند آواز سے یہ فرما رہے تھے کہ لوگو لا اللہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہو تاکہ تمہاری فلاح ہو یہ سنکے ایک شخص آپ کے پیچھے لپکا اور ایک پتھر حضور انور کی پیٹھ پر مار کے کہا، کہ اس کذاب کی باتوں کو ہرگز نہ سننا۔ (معاذ اللہ) میں نے دریافت کیا کہ یہ شخص کون ہے جو لوگوں کو توحید کی طرف بلاتا ہے جواب ملا محمد بن عبداللہ ہے پھر میں نے دریافت کیا کہ یہ شخص کون ہے جو اُسے پتھر مار رہا ہے کہا اُس کا چچا عبدالعزیٰ یعنے ابولہب ہے۔

أَقَارِبُ كَالْعَقَارِبِ فِي الْأَذَاءِ
عزیز لوگ تکلیف دینے میں مثل بچھوؤں کے ہیں

فَلَا تَفْرَحْ بِعَمٍّ أَوْ بِخَالٍ
پس تو چچا یا ماموں پر مت اترا

فَكَمْ عَمٍّ يَكُونُ الْغَمُّ مِنْهُ
اسلئے کہ بہت سے چچا ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے رنج پہنچتا ہے

وَكَمْ خَالٍ عَنِ الْاِحْسَانِ خَالٍ
اور بہت سے ماموں ایسے ہوتے ہیں جو احسان سے خالی ہیں

یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی اچھے اچھے جری آدمیوں کا کلیجہ پانی ہو جاتا ہے۔ ابھی مخالفت کا آغاز ہی تھا جس میں راستہ چلنا دشوار ہو گیا تھا۔ پتھر اور گالیاں کھانی اس شخص کے دلپر زیادہ اثر کرتی ہیں جو سچا ہو اور مخلوق کی بھلائی کا خیال رکھتا ہو۔

## مسلمانوں اور مشرکین مکہ کی لڑائی

قریش نہ صرف حضور انور ہی کے پیچھے پڑے ہوئے تھے بلکہ مسلمانوں پر بھی دانت پیس رہے تھے اور سب نے ارادہ کر لیا تھا کہ جہاں مسلمان کو پاؤ مارو۔ ایکدن سعد چند مسلمانوں کے ساتھ مکہ کی ایک قریب پہاڑی میں نماز پڑھ رہا تھا کہ چند ہمسایے قریشوں کا گزر ہوا۔ مشرک دیکھتے ہی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے خوب مُشت مُشت ہوتی رہی اور لکڑی چلتی رہی یہاں تک کہ سعد نے اونٹ کی ہڈی سے ایک مشرک قریش کا سر پھوڑ ڈالا۔ آخر مخالف بھاگ گئے اور مسلمان اپنے گھر چلے آئے۔ اس روایت کو ابن [illegible] اپنی تاریخ کے صفحہ ۷۰ میں اور طبری نے صفحہ ۱۱۴۸ میں تحریر کیا ہے

مگر واقدی خاموش ہے۔ اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ سعد کون سا شخص ہے آیا سعد بن ابی وقاص فاتح میدان قادسیہ ہے یا کوئی اور سعد ہے۔ کیونکہ فاتح قادسیہ تو بعد میں مسلمان ہوا تھا غالباً یہ کوئی اور سعد ہے جس کا نام و پتہ درج نہیں کیا گیا۔ اور اگر درج کیا گیا ہے تو اُس کے باپ کے نام لکھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ واقدی نے سرے سے یہ روایت ہی بیان نہیں کی جس سے یہ نتیجہ تو نہیں نکل سکتا کہ واقدی کے بیان نہ کرنے سے اس روایت کو غیر معتبر ٹھیرایا جائے بلکہ یہ بات ضرور ہے کہ ابن ہشام اور طبری کے نام میں ضرور غلطی ہوئی ہے۔

## ارقم کا گھر

حج بیت اللہ کا زمانہ قریب آگیا اور ہزاروں عرب جوق جوق مکہ معظمہ میں آنے لگے حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سخت بے چینی ہوئی کہ سر راہ کوئی مکان ایسی حفاظت کا مل جائے کہ وعظ بھی اچھی طرح ہو سکے اور مسلمان لوگ بھی امن سے ہوں۔ آپ نے اکثر لوگوں سے کہا کہ مجھے کوئی جگہ ایسی قدم ٹکانے کو دیدی جائے جہاں میں دعوۃ اسلام کروں مگر کوئی نہیں سنتا تھا بلکہ الٹا مخالفت کرتے تھے آخر صفا کی بلندی پر ارقم[1] کے مکان میں حضور انور نے قیام فرمایا جو حضور کے مکان کے جانب جنوب اور کعبہ کے مشرق میں واقع تھا۔ اس لئے جو حج کرنے والے صفا اور مروہ میں جاتے تھے

---

[1] اس کی نسبت واقدی یہ لکھتا ہے۔ وکانت دار بمکۃ علی الصفا وھی الدار التی کان النبی فیھا فی اول الاسلام وفیھا دعا الناس الی الاسلام واسلم فیھا قوم کثیر" یعنی ارقم کا گھر (جو) صفا پر (واقع) تھا یہی وہ گھر تھا (جہاں) حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آغاز اسلام میں قیام کیا تھا یہاں آپ نے دعوت اسلام فرمائی اور ایک گروہ کثیر لوگوں کا مسلمان ہوا تھا۔ (صفحہ ۲۲۶) پھر واقدی لکھتا ہے "وھی تسمیت دار الارقم دار الاسلام وتصدق بھا الارقم علی ولدہ فقرأت نسخۃ صدقۃ الارقم

وہ ضرور اس مکان کے سامنے ہو کے گزرتے تھے اور اُنھیں حضور انور کی زبان مبارک سے خداوند تعالیٰ کے مقدس الفاظ سننے کا موقع ملتا تھا۔ قرآن مجید کی آیتیں حضور انور ہر آنے والے کو پڑھ کے سُناتے تھے اور پھر اصول اسلام کی تعلیم دیتے تھے اُس کے بعد جب وہ مسلمان ہو جاتا تھا تو خاموشی سے اپنے گھر چلا جاتا تھا۔

قبیلہ خطاب کے چار شخص جن میں حضرت فاروق[1] اعظم بھی تھے۔ سب سے پہلے اس مقام محمود میں مسلمان ہوئے موسیٰ بن عمر ہاشم کے پڑپوتے کے مسلمان ہونے کی روایت بہت دلچسپ ہے اور اس واقعہ نے کچھ عرصہ تک اسلام قبول کرنے والوں کی راہ میں مزاحمت پیدا کر دی تھی۔ اس نومسلم کی بیوی عبید اللہ کی بہن تھی۔ جب یہ شخص یعنی موسیٰ ابن عمر مسلمان ہو گیا تو اپنے خاندان کے خوف سے اس نے کچھ عرصہ تک اپنا جدید مذہب

---

[1] فاروق اعظم کے مسلمان ہونیکی کیفیت قرآن مجید کے ایک حیرت انگیز معجزہ کی شہادت دیتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں ایک خاص زندہ معجزہ ہے جسکی نظیر اور الہامی کتب میں نہیں ملتی۔ کیونکہ اور الہامی کتب کے مقابلہ میں صرف قرآن مجید ہی ایک آسمانی کتاب ہے جو اس بات کا دعویٰ کرتی ہے کہ میرے الفاظ بھی خدا ہی کی طرف سے ہیں (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۰)۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ھذا ما قضیٰ الارقم فی ربعہ ما جاز الصفا انہا محرمہ بمکانہا من الحرم لا تباع ولا تورث" یعنی ارقم کا گھر اسلام کا گھر مشہور ہو گیا تھا۔ اور ارقم نے اس گھر کو خدا کے نام پر وقف کر دیا تھا اور اپنے بچوں کے لئے اس کو مصدق ٹھیرایا تھا۔ واقدی نے بچشم خود اس دستاویز کو دیکھا ہے جو ارقم نے اس کے گھر کے وقف ہونیکی نسبت لکھی تھی چنانچہ وہ دستاویز یہ ہے) اللہ رحمن اور رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں کہ میرا یہ گھر جو صفا پہ واقع ہے اسلام کے نیک کام کے لئے میں نے وقف کیا نہ یہ بیچا جائیگا اور نہ وراثت میں تقسیم ہوگا اسپر ہشام بن العاص کی شہادت ہے۔

مگر اس پر بھی ارقم کی اولاد ابو جعفر کی خلافت تک اسپر قابض رہی کبھی کرایہ لیتی رہی اور کبھی خود ہی۔ ابن حسن کے پوتے محمد نے مدینہ میں بغاوت کی تو عبد اللہ ارقم کے بڑے پوتے نے اس کی

ظاہر نہیں کیا کیونکہ اس کی ماں اور اس کے کل دور و نزدیک کے رشتہ دار حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف تھے۔ اس بیچارے نے ہر چند اپنے مذہب کو چھپایا لیکن آخر یہ بات کب چھپ سکتی ہے۔

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

جب اسکی ماں اور کل رشتہ داروں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص مسلمان ہو گیا ہے تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸) طرفداری میں تلوار اٹھائی لڑائی ہونے کے بعد محمد کو شکست ملی اور ابو جعفر نے اسکو گرفتار کر کے قید کر دیا اس کے بعد خلیفہ نے ایک خط عبد اللہ کو بھیجا جسکی عمر اس وقت اسی برس سے تجاوز کر گئی تھی جسکا مضمون یہ تھا کہ اگر تو ارقم کا گھر میرے ہاتھ فروخت کر ڈالیگا تو میں تیرا قصور معاف کر دونگا۔ عبد اللہ نے انکار کیا اور جواب لکھا کہ یہ گھر وقف ہے اسلئے وقف شدہ چیز فروخت نہیں ہوسکتی۔ خلیفہ ابو جعفر نے اس کا جواب الجواب لکھا خیر بڑی قیل و قال کے بعد عبد اللہ نے اپنا حصہ سترہ ہزار دینار کو فروخت کر ڈالا اسی طرح اسکی دیکھا دیکھی اور حصہ داروں اور وارثوں نے اپنے اپنے حصے ابو جعفر خلیفہ کے ہاتھ فروخت کر ڈالے۔

اس کل مقدس مکان کو خرید کر ابو جعفر نے اپنی حرم یعنی موسیٰ اور ہارون کی ماں کو یہ مکان بخش دیا جس نے اس مکان کو بڑی وسعت دی۔ اور آخر میں یہ مکان اسی حرم کے نام سے مشہور ہو گیا حضور انور نے اس مکان کا انتخاب محض اس لئے کیا تھا کہ کچھ تو قریشیوں کی آزار رسانی سے نجات ملتی تھی اور کچھ تنہائی اور موقع اس قسم کا تھا کہ نہ زیادہ مجمع ہوسکتا تھا اور نہ مخالف اپنے جور و تعدی کا ہاتھ وہاں تک پہنچا سکتے تھے اور سب سے زیادہ یہ کہ دعوت اسلام بہت سہولیت سے ہوتی تھی۔ علاوہ اور لوگوں کے جو یہاں آ کے مسلمان ہوئے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی ہیں جنہوں نے اسی مکان میں شرف اسلام حاصل کیا۔ تبلیغ رسالت کا چھٹا سال ختم ہو چکا تھا جب آپ مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ چالیس مسلمان مرد اس مکان میں رہتے تھے اور انکا باہر نکلنا اور پھرنا بند تھا۔ مگر جب حضرت عمر مسلمان ہوئے تو آپ جرأت اور شجاعت سے خود بھی باہر نکلے اور انھیں بھی نکال لائے اور اب مسلمان اس تاریخ سے مکہ کی شاہراہوں میں علانیہ پھرنے لگے

انھوں نے اُسے پکڑ لیا اور اُسپر سختیاں توڑنی شروع کیں مگر اسلام کی محبت کی آگ دل میں بھڑک چکی تھی وہ کبھی ان سختیوں اور جسمانی تکالیف کے عرق سے بجھنے والی نہ تھی" آتش عشق تیز تر گردد" کا مضمون تھا۔ آخر بہزار مشکل کسی ترکیب سے ستم رسیدہ موسے نے اپنی جان بچائی اور ان مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کر گیا جو حبشہ چلے گئے تھے۔ جب یہ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸) کہ میرے الفاظ بھی خدا ہی کی طرف سے ہیں۔ قصہ مختصر اشہری کی روایت کے بموجب حضرت فاروق اعظم کے مسلمان ہونے کی یہ کیفیت ہے کہ جب آیہ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم انتم لہا واردون۔ نازل ہوئی اور عام طور پر قریشیوں میں اس کا غل مچا تو ابوجہل نے قریشوں کا ایک جلسہ منعقد کیا اور اس جلسہ میں خود یہ بیان کرنے کھڑا ہوا کہ اے لوگو محمدؐ نے طعن کی زبان ہمارے اور تمہارے خداؤں پر کھولی ہے اور تمہارے عقلمندوں کو علانیہ بیوقوف کہتا ہے اور اسکا بیان ہے کہ تمہارے باپ دادا اور تمہارے معبود دوزخ کے ایندھن ہیں اب تم آگاہ ہو جاؤ کہ جو کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دے گا اس کو میں ایک ہزار ناقہ احمر اور ایک ہزار اوقیہ سونا دوں گا دوسری روایت کے بموجب اس نے سو سرخ اونٹ سیاہ آنکھ والے اور ہزار اوقیہ چاندی دینے کا وعدہ کیا یہ سنکر اس مجلس میں سے حضرت عمر بن خطاب اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا اے ابا الحکم جو تو وعدہ کر رہا ہے اسکی ضمانت کیا ہے ابوجہل نے جواب دیا کہ جب میں بلا تامل تسلیم کرتا ہوں اور اتنے آدمیوں کے سامنے بیان کر رہا ہوں پھر اور ضمانت کی کیا ضرورت ہے حضرت عمر نے کہا میں لات عزیٰ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ تیرا دل اور زبان یکساں ہے اس پر ابوجہل نے بھی قسم کھائی اور کہا بلاشک میں اپنے قول میں سچا ہوں پھر حضرت عمر اسکو اطمینان دینے کے لئے خانہ کعبہ میں لے گئے اور قریشوں کے سب سے بڑے بت ہبل نامی کے آگے جا کے حسب طریقہ قریش اس کو اس معاملہ پر گواہ کیا اس کے بعد حضرت عمر تلوار ننگی کر کے حضور انور کے قتل کرنے کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں نعیم بن عبداللہ حضرت عمر سے ملے اور دو چار باتیں کرنے کے بعد کہا کہ تمہاری بہن اور تمہارا بہنوئی سعید بن زید مسلمان ہو گیا ہے دوسری روایت یہ ہے کہ سعد بن ابی وقاص

ینک دل حبشہ سے واپس آیا تو حضور انور نے اپنی نبوۃ کے اخیر زمانہ میں اسکو اور صحابہ کے ساتھ نومسلموں کی تعلیم و تلقین کے لئے مدینہ میں مقرر کر دیا تھا۔ جب یہ ایک جماعۃ واعظین کے ساتھ مکہ معظمہ آیا اور اس کی ماں کو خبر ہوئی تو اُس نے کہلا کے بھیجا،، آہ میرے نافرمان فرزند تو ایسے شہر میں داخل ہو جہاں تیری ماں رہتی ہو اور پھر تو اس سے ملنے نہ آئے ،،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰) حضرت عمر سے راستہ میں ملا اور دریافت کیا کہ کہاں جاتے ہو کہا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جاتا ہوں سعد نے کہا کہ تجھے بنی عبد مناف کا خوف نہیں ہے تو محمد کو قتل کر کے کس طرح بے خوف رہ سکتا ہے حضرت عمر نے جواب دیا کہ میں قتل تو کر دوں کہ جس سے مذہب قریش میں ایک تبدیلی واقع ہو رہی ہے اسکے بعد دیکھا جائیگا سعد نے کہا کہ پہلے تم مجھسے تو دو دو ہاتھ کر لو اسکے بعد حضور انور کے قتل کرنے کی جرأت کرنا یہ سنتے ہی حضرت عمر کو غصہ آگیا اور اُدھر سعد نے بھی تلوار کھینچ لی اسوقت مسلمانوں کی حالت بہت ہی نازک تھی وہ مشرکین قریش کے مارے اِدھر اُدھر چھپتے پھرتے تھے جب بالکل تلوار چلنے کو ہوئی تو سعد نے کہا کہ تم مجھسے کیوں لڑتے ہو پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کو تو قتل کرو جو مسلمان ہو گئے ہیں تاکہ تمہاری دلیری معلوم ہو حضرت عمر نے کہا کہ اسکا ثبوت کیا ہے سعد نے جواب دیا کہ ادنے ثبوت یہ ہے کہ تمہارا ذبیحہ وہ نہیں کہاتے یہ سنتے ہی حضرت عمر سعد کو چھوڑ کے اپنی بہن کے گھر کی طرف گئے اتفاق سے اسوقت سعد بن زید اور اسکی بیوی اور خباب بن ارت کی بہن گھر میں موجود تھیں اور سورۂ طٰہٰ پڑھ رہی تھیں حضرت عمر کو دیکھتے ہی اُنہوں نے لکھی ہوئی سورہ طٰہٰ کو چھپا لیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ تم کیا پڑھ رہی تہیں انہوں نے کہا کہ ہم تو باہم باتیں کر رہے تھے پھر حضرت عمر نے ایک دنبہ اپنے ہاتھ سے ذبح کر کے بہن سے کہا کہ اسکو پکاؤ جب وہ پک کے تیار ہو گیا تو کہا آؤ ہم ملکر کہائیں بہن نے اور گھر کے باقی لوگوں نے انکار کر دیا اسپر حضرت عمر کو سعد بن وقاص کا کہنا یقین آگیا اور آپ کو اسقدر غصہ آیا کہ اپنے بہنوئی کی ڈاڑہی پکڑ کے زمین پر گرا دیا اور سینے پر چڑھ بیٹھے بہن نے اپنے شوہر کو چھڑانا چاہا حضرت عمر نے بہن کو ایسا تھپڑ مارا کہ منہ لہولہان ہو گیا اسپر بہن نے کہا کہ تو ہم پر اسلئے ظلم کر رہا ہے کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں حضرت عمر نے کہا ہاں اسپر (منہ) کی بہن کو جوش آیا اور کہا ہاں ہم دونوں مسلمان ہیں بیشک ہم نے

اس دلدادہ اور سچے عاشقِ رسولؐ نے یہ جواب دیا، "میری ماں سے کہدو کہ میں رسول مقبول کے گھر کے سوا اور کسی گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا"۔ اسکے بعد حضور انور کی اجازت سے وہ اپنی ماں سے ملنے آیا جس نے اس طرح خطاب کرکے کہا، "اے بیٹا تجھے کیا ہو گیا ہے تو نے یہ حالت اپنی کیوں بنالی ہے"۔ بیٹے نے جواب دیا، "میں خدا کے برحق نبی اور سچے اسلام کے راستہ پر چلتا ہوں"۔ ماں نے آہ سرد بھر کے جواب دیا، "اے بیٹا جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) اور تیرے اس جور و ظلم پر بھی ہم کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں جو تیرا جی چاہے کر اور اپنا جو کرنا ہے کرلے کچھ کسر نہ رکھیو ہم کبھی بھی دین اسلام کو نہیں چھوڑنے کے حضرت عمر نے اپنی بہن کو خون آلودہ دیکھا تو آپ کے دل میں ایک رقت سی پیدا ہو گئی آپ اپنے بہنوئی کی چھاتی پر سے اتر آئے اور علیحدہ بیٹھ کے کہا کہ وہ صحیفہ جو تم پڑھ رہی تھیں مجھے دکھاؤ بہن نے کہا کہ خداوند تعالیٰ کا حکم ہے کہ سوائے پاک آدمیوں کے اسے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا تم اٹھو اور نہاؤ جب تم نہا لوگے تو میں تمہارے ہاتھ میں دیدوں گی حضرت عمر یہ سن کے نہانے کے لئے باہر گئے اتنے میں خبابؓ کوٹھری میں چھپے ہوئے باہر نکل آئے اور حضرت عمر کی بہن سے کہا کہ تو کافر کے ہاتھ میں صحیفہ قرآنی مت دے حضرت عمر کی بہن نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ بھائی مسلمان ہو جائیں گے اتنے میں حضرت عمر نہا دھو کر گھر میں آئے بہن نے وہ صحیفہ آپ کے ہاتھ میں دیدیا پڑھتے پڑھتے جب اس آیہ پر پہنچے لہ ما فی السموات وما فی الارض وما بینهما وما تحت الثری تو بیساختہ حضرت عمر کی زبان سے یہ نکل گیا کہ جو شخص یہ بات سنے اُسے کبھی یہ سزاوار نہیں ہے کہ وہ غیر خدا کی پرستش کرے۔ اور جب پڑھتے پڑھتے اس آیہ پر پہنچے کہ ان تجھر بالقول فانہ یعلم السر واخفی اللہ لا الہ الا ہو لہ الاسماء الحسنیٰ۔ تو کل شبہات رفع ہو گئے اور آپ کا سینہ انوار اسلام سے منور ہو گیا آپ نے فوراً کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا جب خبابؓ ارت نے دیکھا کہ حضرت عمر مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ کوٹھری سے نکل آئے اور کہا اے عمر تجھے بشارت ہو کہ حضور انور کی دعا تیرے حق میں قبول ہو گئی کل شب کو آپ فرما رہے تھے اللھم اعز الاسلام بابی جہل بن ہشام او بعمر بن الخطاب حضرت عمر نے خبابؓ سے کہا کہ تم مجھے رسول کریمؐ کے پاس لیجلو

مصیبتیں کہ سفر حبشہ اور شرب میں رکھے تو اٹھا چکا ہے کیا اسی سے تیرا دل مطمئن ہے اور تجھے تیرے اعمال کی ابھی سزا نہیں ملی ہے۔ بیٹا یہ سمجھا کہ شاید ماں مجھے پھر شش سابق کے قید کرنا چاہتی ہے۔ نہایت مستعد ہوکے جواب دیا اماں جان کیا تم مجھ پر جبر کرکے میرے دین سے دست بردار کرانا چاہتی ہو اگر میرے گرفتار کرنے کا پھر خیال ہوا تو یہ سمجھ لینا جس نے مجھ پر ہاتھ ڈالا میں سب سے پہلے اسکی گردن اڑا دونگا اسکا جواب ماں نے یہ دیا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲) چنانچہ دونوں حضور انور کے مکان پر پہنچے دروازہ بند تھا۔ صحابہ میں سے ایک صحابی نے ایک مقام سے حضرت عمر کو برہنہ شمشیر ہاتھ میں لئے دروازے کے پاس کھڑا دیکھا اور یہ کیفیت کل لوگوں سے بیان کر دی کسی کو خوف کے مارے دروازہ کھولنے کی جرأت نہیں ہوئی حضرت حمزہ نے حضور انور کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ آپ حکم دیں تو دروازہ کھول دیا جائے اگر عمر خیر سے آئے ہیں تو فبہا ورنہ اس تلوار سے اسکی گردن اڑا دوں گا حکم ہوا کہ دروازہ کھول دو۔ جوں ہی حضور انور نے حضرت عمر کی صورت دیکھی آپ استقبال کے لئے اٹھے

گر در رہ عاشقی قدم راست نہی
معشوقہ بادل خدمت پیش آید

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت مقدس نبوی نے فاروق اعظم کا بازو پکڑ کے بلایا اور فرمایا کہ اے عمر کہہ اگر صلح کے ساتھ آیا ہے تو میں تجھے ہاتھ اٹھاؤں اور اگر جنگ کے لئے آیا ہے تو تلوار میان سے نکالی جائے۔ حضرت عمر کے تن پر لرزہ آگیا آپ نے اسی کپکپاتے لہجہ میں یہ کہا میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ حضور انور نے ارشاد کیا کہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ حضرت عمر نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا حضور رسالت پناہی نے تکبیر کہی اور صحابہ نے بھی بآواز بلند شوق بشاشت سے تکبیر کہی اور اتنا غل مچا کہ قریشیوں کے مکانوں میں اسکی آواز پہنچی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے یہ عرض کیا یارسول اللہ مناسب نہیں ہے کہ مشرک تو علانیہ لات وعزیٰ کی پرستش کریں اور مسلمان گھروں میں چھپے ہوئے خالق کون ومکاں کی عبادت کریں۔ حضور اس سچی ملت کا اظہار فرمائیں حضور ختمی پناہی نے منظور فرما لیا اور سب ملکے باہر نکلے کہ خانہ کعبہ کا طواف کریں حضور کے گرد اپنی طرف

اب تو میرے آگے سے چلا جا۔ یہ کہکے ماں رونے لگی۔ بیٹے نے چلتے ہوئے کہا اے مادر مہربان محض محبت کی وجہ سے میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کو ایک جان اور اسکے صادق رسول پر ایمان لا۔ بدنصیب ماں بولی چمکتے ہوئے ستاروں کی قسم میں تیرے دین میں داخل ہوکے اپنے کو بیوقوف نہیں بناتی۔ اور میں تازیست اپنے عقاید پر ثابت اور برقرار رہوں گی۔

اس کے بعد ایک اور نوجوان قوم قریش سے مشرف باسلام ہوئے۔ ان کا نام طلیب تھا اور یہ رشتہ میں حضور انور کے ماموں ہوتے تھے ارقم کے گھر میں آکے مشرف باسلام ہوئے اور پھر اپنی ماں سے کہا کہ میں خدا اور اسکے برگزیدہ رسول پر ایمان لے آیا۔ ماں نے جواب دیا بیٹا تو نے بہت اچھا کیا خدا تجھے یہ برگزیدہ دین مبارک کرے۔ خدا کی قسم اگر مجھ میں مثل مردوں کے قوۃ ہوتی تو میں پیغمبر آخر الزماں کی مدد کرتی اور اس ذات اطہر و اقدس کو حوادث زمانہ سے بچاتی۔ نوجوان بیٹے نے کہا اے مادر مہربان جب تیرے یہ خیالات ہیں پھر تجھے کونسی بات علانیہ اسلام قبول کرنے سے روکتی ہے جبکہ تیرا بھائی حمزہ مسلمان ہو چکا ہے ماں نے جواب دیا کہ یہ تو سچ ہے مگر میں اپنی بہنوں کا انتظار کر رہی ہوں۔ اخیر یہی ہوا یہ نیک بخت خاتون مسلمان ہو گئی اور اس نے جو کچھ اسلام کی مدد کی وہ تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھی ہوئی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) حضرت ابو بکر صدیق تھے اور یسار پر حمزہ و علی۔ حضرت حمزہ تلوار حمائل کئے ہوئے کبھی آگے ہو جاتے تھے اور کبھی حضرت عمر اور کل صحابہ پیچھے پیچھے تھے ادھر قریش حجر و نمیں بیٹھے ہوئے اسبات کا انتظار کر رہے تھے کہ اب عمر حبشی پرناہی کا سر لیکے آتے ہونگے مگر جب انکی نظریں حضرت عمر پر پڑیں جو شاداں و فرحاں آگے آگے برہنہ تلوار کے ساتھ آرہے تھے دریافت کیا اے عمر تمہارے پیچھے کون ہے۔ کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ یاد رکھنا اگر تم میں سے کسی نے بھی خلاف ادب کوئی حرکت کی تو تلوار سے اسکی گردن اُڑا دونگا۔ مشرک حیران ہو گئے کہ عمر کو بھیجا کس لئے تھا اور آپ آئے کس طرح رنگ سے۔ حضرت ... مشرک دوڑ پڑے آپنے حوالی کعبہ سے سبکو دھکے دیکے نکالدیا حضور انور نے بیت العتیق میں داخل ہو نماز پڑھی

# نومسلم غلام

حضور انور کو ارقم کے مکان میں رہتے ہوئے چند ہی روز گزرے تھے کہ چند غلام مشرف باسلام ہوئے ایک ان میں سے حضرموت کا رہنے والا عیسائی تھا۔ اور دوسرا ابو فقیہا کے نام سے مشہور تھا لیکن دونوں کی وفات سنہ ہجری کے آغاز پر یا اس سے پہلے ہو چکی تھی اسکی بیٹی فقیہا نامی کی شادی حطاب ایک نومسلم سے ہوئی تھی جو شخص حبش کے مہاجرین میں تھا تھا ان کے بعد صہیبؓ پسر سینا مشرف باسلام ہوا۔ یہ شخص یونانی الاصل موصل کا رہنے والا تھا۔ جو عراق عرب کا ایک قصبہ ہے۔ اور اس کا باپ یا چچا حکومت کسریٰ کی طرف سے ابلہ کا گورنر تھا ایک یونانی ڈاکوؤں کے دستے نے عراق عرب پر تاخت کی اور صہیب کو شام اور اس کے بعد قسطنطنیہ لے گیا پھر اس کے بعد گردش زمانہ سے وہ قبیلہ کلاب کے ہاتھ پڑا اور اس قبیلہ نے مکہ میں لاکے اُسے عبد اللہ ابن جدعان کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ جس نے خریداری کے بعد اس کو آزاد کر دیا مگر تو بھی اپنی حفاظت میں رکھنے کی ذمہ داری کی۔

---

ف اس مسئلہ میں بھی سر ولیم میور نے غلطی کی ہے۔ صہیب کو وہ اپنی سخت غلطی سے معلم ٹھیرانا ہے اور اس آیت کا شان نزول " ولقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ بشر لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی وھذا لسان عربی مبین۔ (سورۃ نحل پارہ ۱۴) ترجمہ اور بے شک یقیناً ہم جانتے ہیں کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ اس (نبی) کو ایک بشر (قرآنی عبارتیں) سکھاتا ہے (حالانکہ) جس کی طرف یہ (سکھا دینے کا خیال کرتے ہیں وہ عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی زبان ہے؛

حضرت صہیب کو کہتا ہے حالانکہ تفسیر فتح البیان میں یہ لکھا ہے۔ وقد اختلف اهل العلم في تعيين هذا البشر الذي زعموا عليه ما زعموا فقيل هو غلام الفاكه بن مغيرة واسمه جبر كان نصرانيا جداً روميا فاسلم وكان قريش اذا سمعوا من النبي صلى الله عليه وآله وسلم اخبار القرون الاولى مع كونه اميا قالوا انما يعلمه جبر وقيل اسمه عائش او يعيش عبد لبني

الحضرمی

یہ نہایت خوبصورت اور سرخ و سفید رنگت کا تھا جس سے اس کا شمالی باشندہ ہونا پایا جاتا تھا عربی ٹوٹی پھوٹی بولتا تھا مگر یونانی خوب جانتا تھا۔ تجارت نے اس کے بکثرت

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) وکان یقرأ الکتاب الاعجمیة وقیل غلام لبنی عامر بن لوی وقیل عنوا سلمان الفارسی وقیل عنوا نصرانیا بمکة اسمه بلعام وکان یقرأ التوراة وقیل عنوا رجلا نصرانیا کان اسمه ابا میسرة یتکلم بالرومیة وفی روایة اسمه عداس وقیل ارادوا بالبشر غلامین اسم احدهما یسار واسم الآخر جبر

ترجمہ۔ اہل علم نے اس شخص کی تعیین میں جسپر مشرکین نے یہ خیال کیا تھا اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ فاکہ بن مغیرہ کا غلام تھا اسکا نام جبر تھا اور وہ نصرانی لوہار تھا روم کا باشندہ اسلام لے آیا تھا اور قریش جب نبی صلی اللہ و آلہ وسلم سے باوجود آپ کے امی ہونے کے گزشتہ زمانہ کی خبریں سنتے تو کہتے کہ یہ باتیں جبر انہیں تعلیم کرتا ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اس کا نام عایش یا یعیش تھا بنی حضرمی کا غلام اور وہ عجمی کتابیں پڑھا کرتا تھا۔ بعض کہتے ہیں وہ بنی عامر بن لوی کا غلام تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ سلمان فارسی کی طرف سے ارشاد کرتے تھے بعض کہتے ہیں کہ مکہ کے ایک نصرانی کی طرف اشارہ ہے جس کا نام بلعام تھا وہ توریت پڑھا کرتا تھا۔ بعض کہتے ہیں ایک نصرانی شخص کی طرف اشارہ ہے جسکا نام میسرہ تھا وہ رومی زبان میں گفتگو کیا کرتا تھا اور بعض روایات میں ہے کہ اس کا نام عداس تھا اور بعض کہتے ہیں کہ دو آدمی مراد ہیں دونوں غلام تھے ایک کا نام یسار تھا دوسرے کا نام جبر تفسیر جلد ۵ صفحہ ۷۷ و ۷۸ (۲) مخالفوں کا قاعدہ ہے کہ الزام قایم کرنے کے لئے وہ باتیں ایجاد کرتے ہیں جو بالکل بے بنیاد ہوتی ہیں ان مختلف غلاموں کے اسلام لانے سے انہیں اور کوئی الزام تو بن نہ آیا یہی بات بنا دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان سے دین مسیح کی بابت دریافت کرتے ہیں اسکا جواب قرآن مجید میں بہت معقول دیا گیا کہ قرآن تو صاف زبان عربی میں ہے اور وہ لوگ جنکی طرف اشارہ ہے عجمی ہیں پھر کیونکر ایک فہمیدہ آدمی سمجھ سکتا ہے کہ عجمی ایسی شستہ عربی لکھ سکیگا جسکے لکھنے میں اہل زبان بھی قاصر ہیں مگر ہمیں تو یہاں یہ بحث ہے کہ سر ولیم میور نے کیوں صرف صہیب پر اشارہ دیا جبکہ اسکا نام ہم بسوا ایسے اور ناموں کے کسی معتبر تفسیر میں نظر نہیں پڑا ہمیں اسکی تحقیق ہے جس پر اسکے دشمن اہل وطن آنکھ بند کرکے ہوتے ہیں اور سا نہیں میور کے بیانات میں رد و قدح کرنیکا [illegible]

روپیہ جمع کر لیا تھا۔ اسی اثناء میں یہ مسلمان ہو گیا۔ عبداللہ کی زندگی میں تو اس سے کوئی آنکھ نہ ملا سکا لیکن اس کے مُربّی عبداللہ کی وفات پر مشرکین عرب بہت سخت تکلیف دینے لگے۔

سر ولیم میور صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ اسی شخص سے عیسائیت کے متعلق آنحضرت نے بہت کچھ علم حاصل کیا مگر کوئی سند پیش نہیں کرتے۔ جیسا کہ ان کا قاعدہ ہے کہ اعتراضات کرنے اور الزام رکھنے کے لئے وہ خیالی باتیں گڑھ لیتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی اپنے خیالات کی روانی انھوں نے دکھادی۔

جب حضور انور ہجرت کرنے لگے تو آپ کے ساتھ لوگوں نے ہجرت کا سامان کیا تو اہل مکہ نے صہیب کو ہجرت کرنے سے روکنا چاہا لیکن صُہیب نے یہ کہا اگر تم مجھے جانے دو تو میں یہ کل سامان تمہارے حوالہ کر دیتا ہوں۔ حضور انور نے سن کے فرمایا صہیب نے کیا خوب سودا کیا ہے"

---

(۱) جب حضرت صہیب مکہ سے ہجرت کرنے لگے تو اہل مکہ نے صہیب سے یہ کہا" تو ایک مفلس اور گداگر بن کے یہاں آیا لیکن ہمارے ساتھ رہکے تیری حالت سنبھل گئی اور اب تو موجودہ ترقی پر پہنچ گیا اور اتنا بڑا دولتمند ہو گیا۔ اب تو مع سامان واسباب کے ہم سے جدا ہوتا ہے۔ خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہوگا اس پر حضرت صہیب عاشق رسول مقبول نے جواب دیا اگر میں اپنی کل دولت یہاں چھوڑ دوں پھر تم مجھے جانے دوگے۔ اہل مکہ نے کہا ہاں۔ چنانچہ اس نے کل مال ومتاع اُن کے سپرد کر دیا دوسری روایت یہ ہے کہ جب حضرت صہیب رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہجرت کرنے لگے اور اونٹ پر مکہ سے بہت دور نکل گئے تو مشرکین قریش نے تعاقب کرکے انھیں جالیا انھوں نے اپنے اونٹ کو اُن کی طرف پھیر کے کہا کہ اگر تم اپنی زندگی چاہتے ہو تو چلے جاؤ ورنہ ایک ایک کو تیروں سے چھید دوں گا اور جب تیر ترکش میں ہو چکیں گے تو پھر شمشیر آبدار سے خبر لوں گا۔ چونکہ حضرت صہیب اعلیٰ درجہ کے تیر انداز مشہور تھے اس لئے قریش خوف کے مارے واپس چلے گئے اور مزید مزاحمت نہیں کی۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸ پر دیکھو)

دوسرا آزاد کردہ غلام عمار تھا جو صہیب کے ساتھ ارقم کے مکان میں آکے مشرف باسلام ہوا تھا۔ اسکا باپ یاسر یمن کا رہنے والا تھا اور اسکی ماں سُمیّہ اور اُسکا بھائی عبداللہ بھی مسلمان ہوگئے تھے۔ خدا نے وہ بزرگی اور عظمت عطا کی کہ آج تا جدار اور کروڑوں آدمیوں کے عالم اُنکا نام تعظیم سے لیتے ہیں۔

یاسر یمن کے ایک قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے آپ اپنے دو بھائیوں کے ساتھ مکہ میں آئے تاکہ اپنے ماموں اور خالاؤں وغیرہ سے ملیں۔ لیکن بجائے یمن واپس جانے کے آپ اپنے سرپرست اور مربی ابوحذیفہ کے پاس رہ گئے جنہوں نے اپنی لونڈی سُمیّہ سے ان کا نکاح کر دیا اس بی بی سے عمار پیدا ہوئے اور دوسرے عبداللہ۔

یاسر کے فوت ہونے کے بعد سُمیّہ نے ارزق سے نکاح کر لیا جو ایک یونانی غلام تھے اور جن کا تعلق ایک شخص باشندہ طایف سے تھا۔ اس نکاح ثانی پر سُمیّہ کے ہاں سلمہ پیدا ہوا۔ کاتب الواقدی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ابوجہل کے ہاتھ سے بی بی سُمیّہ آخر شہید ہوگئیں اور وہ روایت یہ ہے "فلما کان العشیی جاء ابوجهل فجعل یشتمہ سمیة ویرفث ثم طعنہا فقتلہا فہی اول شہید استشہد فی الاسلام" یعنے ایک دن کے جبر و تعدی کے بعد شام کے وقت ابوجہل آیا اور اُس نے سُمیّہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷) صہیب کی طبیعت میں مذاق بھی تھا جب آپ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ میں آئے تو کھجوروں کا موسم تھا آپ بہت بھوکے اور تھکے ہوئے تھے کھجوریں خوب پیٹ بھر کے کھائیں کہیں ایک آنکھ آپ کی دکھنے آگئی جب آپ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے ارشاد کیا تم نے کھجوریں کیوں کھائیں کہ تمہاری آنکھ دکھنے آگئی جب انھوں نے تمہیں نقصان کیا تو اب نہ کھانا۔ اس پر حضرت صہیب نے جواب دیا، حضور میں اب کبھی ان کھجوروں کو دکھتی ہوئی آنکھ کے جبڑے سے نہیں کھانے کا بلکہ اس جبڑے سے کھاونگا جسکی آنکھ اچھی ہے۔ یہ سُن کے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسکرانے لگے صہیب ستر سال کی عمر میں ہوکے ۳۳ھ ہجری میں فوت ہوئے اور مدینہ کے گورستان جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

پر لعنت ملامت کرنی شروع کی اور فحش الفاظ کا استعمال کیا اور پھر حربہ کر کے اس کو شہید کر دیا۔ سُمیہ اسلام میں پہلی شہید ہوئی ہے۔

سُمیہ کی شہادت کی نسبت ولیم میور کو شبہہ ہے اور وہ تسلیم نہیں کرتے کہ ابوجہل نے ایسا کیا ہو یہ تو ممکن ہو کہ یہ روایت صحیح نہو مگر میور نے جو یہ اعتراض کیا ہو کہ مسلمان مؤرخوں اور راویوں نے ان تکالیف اور مصائب کو مبالغہ سے بیان کیا ہے جو مشرکین قریش سے مسلمانوں کو پہنچیں اس لئے یہ شہادت سُمیہ کا الزام بھی ابوجہل کے سر تھوپ دیا ہے یہ میور کی خام خیالی ہے ایک معمولی عقل کا آدمی بھی جانتا ہے کہ عرب انتہا درجہ کے تند مزاج اور سخت طبیعت تھے کہ اپنی نوپیدا لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور اسی طرح ان کی سختی کی بہت سی باتیں مشہور عام ہیں۔ اور

---

ایک عجیب اور حیرت انگیز استدلال ایک واقعہ سے فاضل ولیم میور نے کیا ہے جو اسی زمانہ کا واقعہ ہے اور بہت ہی عجیب وغریب ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سرداران قریش کے مسلمان کرنے کا بہت ہی خیال تھا اور آپ اسی ادھیڑبن میں رہتے تھے اور اسی وجہ سے اُس اندھے پر آپ نے کچھ توجہ نہیں کی جو نہایت صدق دل سے آپکے پاس آیا تھا اور جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔

یہ ایک نرالا استدلال ہے جو ولیم میور نے عبداللہ ابن اُمّ مکتوم کے معاملہ میں کیا ہو کسی خاص شخص کی طرف ایک وقت توجہ نہونی اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ توجہ نہ کرنیوالا شخص اس شخص سے نفرت رکھتا ہے اور اُس کا رجحان طبیعت خاص دوسرے اشخاص کی طرف ہے۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر ہے اور اُسکے ذکر میں قرآن مجید کا طرز بیان سخت تنبیہی ہے جس کو ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰے الخ (ترجمہ) (محمدؐ) ترش رو ہو گئے اور مُنہ پھیر لیا اس بات سے کہ ان کے پاس نابینا آیا اور (اے نبی) تم کیا جانتے ہو شاید وہ (اسوقت تمہاری تعلیم سے) پاکیزہ ہو جاتا یا نصیحت مانتا اور نصیحت ماننا (اسوقت) اسکو فایدہ دیتا۔ لیکن جو بے پرواہ ہے تم اُس کی

ابتک صحرا نورد عربوں بلکہ حجازی عربوں میں بھی پائی جاتی ہیں پھر بلا وجہ مسلمان راویوں پر مبالغہ آمیزی کا الزام لگانا میور جیسے محقق کو شایاں نہیں ہو اگر ان مظالم کی داستانیں غلط ہیں تو جو مظالم یہودیوں کے انجیلوں میں حضرت مسیح پر بیان کئے گئے ہیں وہ بھی محض غلط ہونگے سر پر کانٹوں کا تاج رکھنا۔ مونہ پر تھوکنا۔ بلا وجہ سولی دیدینا یہ ساری باتیں خلاف قیاس ہیں جو انجیلوں کی ترتیب دینے والوں نے یہودیوں کے خلاف گھڑلی ہیں

## عمار بن یاسر

حضرت عمار بن یاسر کے معاملہ میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کا تو یہ قول ہے کہ ہجرت حبشہ میں آپ بھی شریک تھے۔ بعض اس میں مذبذب ہیں کہتے ہیں آپ ۲۳ سنہ ہجری کو

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹) (ہدایت کے) درپے ہو حالانکہ تم پر کچھ گناہ اس بات کا نہیں ہے کہ وہ پاکیزہ نہ ہو۔ اور لیکن جو شخص تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ (خدا سے) ڈر رہا ہے تو تم اس سے غفلت کرتے ہو (کچھ خوف کی بات) نہیں۔ بیشک یہ تو ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اسے یاد کرلے بزرگ بلند (مرتبہ) پاکیزہ ورقوں میں (لکھا ہوا) ہے بزرگ نیکو کار لکھنے والوں کے ہاتھ میں ہلاک کر دیا جائے انسان کہ وہ کیسا ناشکر ہے (آخر تک)

جس قصہ کی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہے اُسکی اصلیت یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعظ و نصیحت فرما رہے تھے اور ہمہ تن انکی ہدایت کی طرف مصروف تھے اسی اثنا میں عبد اللہ ابن مکتوم نابینا آگئے اور انہوں نے حضور انور سے ایک آیت دریافت کی آپکو کچھ توجہ نہوئی انہوں نے دوبارہ سہ بارہ دریافت کیا آپ کو ناگوار گذرا اور آپکے چہرۂ مبارک پر شکن آگئی جب آپ اُن کفار کے وعظ و نصیحت سے فارغ ہوئے تو فوراً یہ آیتیں اتریں اور یہ عتاب آمیز خطاب صادر ہوا۔ اس واقعہ سے عجیب و غریب نتائج نکلتے ہیں جو سر ولیم میور نے نظر انداز کر دیئے۔

اوّل نتیجہ تو یہ نکلا کہ ہدایت یافتہ یا نیک دل شخص ان سرداروں سے جو ہدایت یافتہ

جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۹۱ یا ۹۴ سال کی تھی۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو گورنر کوفہ بھی بنا دیا تھا۔

## نومسلم غلاموں پر سختیاں

قریشیوں کے غصہ اور حسد کی آگ روز بروز زیادہ مشتعل ہونے لگی تھی کیونکہ نومسلموں کی تعداد بڑھتے بڑھتے پچاس تک پہنچ گئی تھی۔ اور جلیل القدر سرداروں پر جو مسلمان ہوئے تھے ان کا ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا مگر غلاموں پر انہوں نے پورا قبضہ پالیا اور ساتھ ہی ان کا دستِ ظلم اُن لوگوں پر بھی دراز ہوا جو پردیسی مسلمان تھے جنکا کوئی قبیلہ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰) نہیں ہیں زیادہ بزرگ ہے۔ دوسری نصیحت یہ ہو کہ خدا کا کلام سنانے والے کو نہ خفا ہونا چاہیئے۔ اور نہ دنیاوی مدارج کا امتیاز کرنا چاہیئے۔ اسمیں شبہ نہیں کہ حضور مشرک سرداروں کو خدا کا کلام سُنا رہے تھے ایسی حالت میں کسی شخص کا بات کاٹ کے بیچ میں بول اٹھنا انسانی طبیعت اور دنیاوی تہذیب کے لحاظ سے سخت معیوب اور بھڑکا دینے والا ہے۔ مگر آلہی تعلیم میں اس قسم کی تہذیب اور امتیاز یہ مدارج کو محض فضول خیال کیا گیا ہے دنیاوی لحاظ سے کیسا ہی اونچے درجہ کا شخص کیوں نہ ہو اگر ہدایت چاہتا ہے یا ہدایت یافتہ ہو تو ہزار ہا درجہ دنیاوی سرداروں اور دولتمندوں سے زیادہ بزرگ ہے۔

جیساکہ سر ولیم میور نے نتیجہ نکالا ہے ہمیشہ اس قسم کے واقعات نہیں ہوا کرتے تھے ایک دفعہ ایسا معاملہ پیش آیا جس کو میور صاحب نے آسمان پر پہنچا دیا قرآن مجید کا طرز ابتدا سے یہ واقع ہوئی ہے کہ جب خداوند تعالےٰ کو کسی اہم امر کی بابت کچھ تنبیہہ یا اپنی مخلوق کو نصیحت کرنی ہوتی ہے تو خطاب حضور انور سے کیا جاتا ہے اور حضور ہی کی ذات کو ذریعہ نصیحت و تنبیہہ بنایا جاتا ہے تاکہ امت پر زیادہ اثر پڑے اور لوگ سمجھیں کہ جب ان معاملات میں اپنے برحق نبی کے ساتھ یہ برتاؤ ہے تو ہم کس گنتی میں ہیں۔

خاندان مکہ میں تھا۔ ان لوگوں کو انہوں نے پکڑ کے قید کر دیا یا بعض کو مشکیں کس کے مکہ کی جلتی ہوئی زمین اور سخت دھوپ میں لٹا دیا۔ صرف لٹا دینے ہی پر اکتفا کیا جاتا تھا۔ بلکہ گرم لوہے سے اُن کے جسم داغے جاتے تھے۔ اور یہ کہہ دیا جاتا تھا کہ اگر نئے مذہب سے تم توبہ کرو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ ورنہ تم اسی تکلیف میں مر جاؤ گے۔

بعض نو مسلم غلام سخت جانکندنی کی حالت میں بت پرستی کی طرف پھر رجوع ہو گئے اگرچہ ان کا یہ رجوع ہونا محض اپنی جان کی حفاظت کے لئے تھا مگر حضرت بلالؓ جو اُن ہی تکلیف اٹھانے والوں میں تھے زبانی بھی بت پرستی کی طرف رجوع نہیں ہوئے اور جب مظالم کی انتہا ہو چکی تو انھوں نے صاف طور پر انقطائی لہجہ میں یہ کہا" احد احد احد "

کاتب الواقدی لکھتا ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپ بلال کے ظالم آقا کے پاس گئے اور کہا کہ کچھ لیکے اسے چھوڑ دو باہم اس کے متعلق گفتگو ہوئی آخر ایک تعداد درہموں کی دیکے حضرت ابو بکر نے بلال کی جان بچائی۔ (صفحہ ۲۳۴)

ہشامی اس واقعہ کی نسبت یہ لکھتا ہے کہ جب حضرت بلالؓ پر ظلم توڑے جا رہے تھے تو ورقہ کا اس طرف گذر ہوا ورقہ نے بلال کو خریدنا چاہا کہ اتنے میں حضرت ابو بکر بھی آگئے جو بلال کے ظالم آقا کے قریب ہی رہتے تھے اور اس سے خطاب کر کے کہا" کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا کہ اس غریب شخص کے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے۔ جواب دیا نہیں میں نہیں ڈرتا تو نے ہی میرے غلام کو بھکا کے اس پر یہ ظلم کروائے ہیں۔ اب تجھ ہی کو چاہیئے کہ تو ہی اس ظلم سے اس کو نجات بھی دلوائے۔ چنانچہ اس پر حضرت ابو بکر نے ایک اور غلام بلال کے عوض میں پیش کیا جو بلال سے قد اور جسم میں زیادہ تھا۔ (صفحہ ۸۹)

حضرت ابو بکر نے نہ صرف بلال کو آزاد کرایا بلکہ چھ عورتوں اور مردوں کو آزادی دلوائی جب حضرت ابو بکر کے والد نے یہ دیکھا تو اپنے بیٹے کو پاس بلا کے کہا کہ ان غریب اور بے بس لوگوں پر تو اپنا روپیہ کیوں خرچ کرتا ہے یہ تیز نہیں

بہت مدد نہیں کر سکتے اگر تو یہی روپیہ یہاں کے اعلےٰ درجہ کے خاندانی لوگوں میں صرف کرے تو اُن سے تجھے کتنی مدد مل سکتی ہے۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو یہ جواب دیا کہ جو کچھ میرا خدا دل میں ڈالتا ہے وہی میں کرتا ہوں۔

ان کے علاوہ پانچ اور اصحاب ہیں جن پر بھی اسی طرح سے سختیاں کی گئی ہیں مثلاً عامر بن فہیرہ ابو فقیہا۔ صہیب اور عمار کے والدین (کاتب الواقدی صفحہ ۲۲۷) جن لوگوں پر اتنی سختیاں کی گئیں اور پھر بھی وہ دین پر قایم رہے حضور انور نے ان کی تعریف کی اور ڈھارس بندھوائی۔ ایک دن حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر عمار پر ہوا حضور کی صورت دیکھ کر عمار رونے لگے۔ حضور نے دریافت کیا کیوں کیا بات ہے عمار نے عرض کیا یا رسول اللہ جب تک میں آپ کو برا بھلا نہ کہوں گا اور مشرکین کے دیوتی خداؤں کی تعریف نہ کروں گا ظالم مجھے خلاصی نہ دیں گے۔ حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد کیا تو اپنے دل کی کیفیت بیان کر کہ تیرا دل کیا کہتا ہے عمار نے عرض کیا کہ دل اسی طرح دین خدا پر قایم ہے اور ویسا ہی زبردست ہے تو آپ نے ارشاد کیا مشرکین کو سختیاں اور ظلم کرنے دے اور تو کلمہ طیبہ پڑھے جا

حضور انور اس وقت اپنے چچا ابو طالب کی حفاظت میں تھے اگرچہ آپ نے دین اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی قریشوں کے مقابلہ میں اپنے عزیز بھتیجے کی حفاظت اور حمایت مستعدی سے کر رہے تھے اسی طرح حضرت ابو بکر اور وہ لوگ جو مکہ کے زبردست قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے ذاتی آسیب سے بچے ہوئے تھے اور کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ ان میں سے ایک شخص پر بھی ہاتھ ڈال سکتا۔

جب مظالم کی انتہا ہو چکی اور پانی سر سے گذر چکا اور حضور انور نے ملاحظہ فرمایا کہ قریشوں کے ظلم روز بروز بڑھتے جاتے ہیں تو آپ نے اپنے اصحاب کو دوسری جگہ ہجرت کرنے اور پناہ لینے کا حکم دیا۔ مغرب کی جانب انگشت مبارک اٹھا کے ارشاد کیا کہ تم اس طرف ملک حبش چلے جاؤ جہاں تمہارے ساتھ انصاف کیا جائے گا اور وہاں اس وقت رہو جب خداوند تعالےٰ اپنی مرضی سے تمہارے آگے رستہ

کھولدے۔ اُس زمانہ میں اہل مکہ ملک حبش سے اچھی طرح واقف تھے کیونکہ عرب کا سامان تجارت بہت کثرت سے حبش کے بازاروں میں جاکے فروخت ہوتا تھا اور شاہ حبش کو عرب نجاشی کہا کرتے تھے۔ رجب کے مہینہ میں مطابق ماہ نومبر اور حضور انور کی نبوت کے پانچویں سال گیارہ آدمی کچھ سوار کچھ پاپیادہ اور چار اپنی بیوی بچوں کے ساتھ بندر شعیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ شعیبہ مکہ کا قدیم بندر تھا۔ اور جدہ سے اسکا بہت تھوڑا فاصلہ تھا۔ جس وقت مہاجرین بندر شعیبہ پر پہنچے تو دو کشتیاں تیار تھیں۔ ان پر سوار ہو گئے اور حبش چلے آئے۔ اہل مکہ نے ان لوگوں کا تعاقب کیا تھا۔ لیکن یہ اُن کی زد سے نکل چکے تھے۔ حبش میں مہاجرین کا زمانہ بہ اطمینان بسر ہوا۔

اس پہلی ہجرت کے بعد سورۂ النجم نازل ہوئی۔ اس سورۃ کے نازل ہوتے ہی حضور انور حرم میں تشریف لائے تاکہ مشرکین قریش کے مجمع میں پڑھ کے سنائیں اس سے پہلے مصلحت اور دور اندیشی کی وجہ سے آپ علانیہ وعظ نہ فرماتے تھے جب آپ نے بھری مجلس میں یہ سورۃ پڑھنی شروع کی تو ایک مشرک شیطان نے اس آیہ افرایتم اللات والعزیٰ ومنات الثالثۃ الاخریٰ کے بعد یہ عبارت بنا پڑھ دی کہ "تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی" اور قریشوں سے جاکے بیان کردیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) یہ کہہ رہے ہیں۔ حالانکہ لات وعزّیٰ کی شفاعت اور عظمت کا اشارہ تک اس سورت میں نہیں ہوا تھا۔ بیوقوف قریش یہ سمجھے کہ یہ کلمہ حضور انور ہی کی زبان سے نکلا ہے مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے اور جب بحکم الٰہی حضور انور نے سورۂ والنجم ختم کرنے کے بعد خدائے وحدہ لاشریک کو سجدہ کیا کل مشرک اپنی غلط فہمی سے آپ کے ساتھ سجدے میں گر پڑے مگر ولید جو سارے جلسہ میں بڑی عمر کا تھا ایک خاک کی مٹھی اُس نے اُٹھائی اور اپنی پیشانی کو اس پر ٹکایا مشرک خوشی خوشی اپنی غلط فہمی کے نشہ میں مجلس سے اُٹھے۔ اور آپس میں ذکر کرنے لگے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے جب ہمارے خداؤں کی نسبت اچھے الفاظ کا استعمال

کہا ہے تو ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم آپ کو ایذا دینے سے اپنا ہاتھ روک لیں۔ اسکے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر ہوئی۔ آپ یہ سُن کر بہت ہی غمگین ہوئے کہ ایک شیطان قریش نے غلط فہمی اپنے بھائیوں میں کس طرح پیدا کر دی جسوقت حضور انور اپنے مکان پر تشریف لائے تو فوراً یہ آیۃ نازل ہوئی۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنیٰ القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ واللہ علیم حکیم" قریش کو اس خبر کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت گھبرائے اور اُنہوں نے کہا کہ ہم نے جو اس بات کا عہد کیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مخالفت نہیں کرنے کے وہ عہد ہم نے توڑ ڈالا۔ اب ہم کھلّم کھلّا پھر اسی طرح آزار پہنچائیں گے۔

سورۂ والنجم اور اس کی ایک آیت میں ایک شریر قریش کے چند جملے شریک کر دینے کا اصل واقعہ یہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ جس کو مسیحی معترضوں نے بہت رنگ آمیزی کرکے بیان کیا ہے اور جسکی حقیقت دراصل کچھ بھی نہیں۔

## مشرکین قریش کا تعاقب

غرض جب مظلوم مسلمان ہجرت کر کے حبش چلے گئے تو عمرو عاص اور عمارہ بن ولید اور بہت سے قریش مسلمانوں کے تعاقب میں حبش پہنچے اور وزرائے سلطنت کو تحفہ تحایف دیکے اس بات پر راضی کر دیا کہ وہ اُنہیں شاہ حبش کے دربار میں پیش کر دے چنانچہ یہ قریش شاہ حبش کے دربار میں حاضر کئے گئے اور ان سب نے ملکی رسم کے بموجب شاہ حبش کو سجدہ کیا اور تحفے پیش کئے۔ اور عرض کیا کہ ہمارے گروہ میں سے چند نوجوانوں نے ایک ایسا دین اختیار کیا ہے جو تیرے اور ہمارے دونوں دینوں سے مخالف ہے اور وہ لوگ یہاں تیرے ملک میں آکے مطمئن ہو بیٹھے ہیں۔

اب ہماری التجا یہ ہے کہ ان لوگوں کو تو ہمارے سپرد کر دے تو ہم انہیں اپنے قبیلہ کے پاس لے جائیں۔ ایک وزیر طارقہ نامی جو اُن مشرکوں سے رشوت کھا چکا تھا

سفارش کرنے لگا کہ بے شک ان لوگوں کا حق ہے کہ وہ پناہ گزین ان کے سپرد کر دیئے جائیں یہ سُن کے نجاشی کو غصہ آیا اور اُس نے کہا خدا کی قسم میں ایسا نہیں کرنے کا۔ جس قوم کے لوگوں نے میرے ہاں پناہ لی ہے میں انہیں کیونکر اپنے گھر سے نکال سکتا ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں اُنہیں بلاتا ہوں اور ان سے دریافت کرتا ہوں دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک چوبدار مسلمانوں کے پاس آیا اور کہا کہ ہمارا بادشاہ تمہیں یاد کرتا ہے۔ مسلمان چلنے پر مستعد ہو گئے اور باہم مشورہ کرنے لگے کہ اگر اس نے ہمارے دین کے متعلق سوال کیا تو ہم کیا جواب دیں۔ حضرت جعفر طیار حضرت علی بن ابی طالب کے بھائی اس مجمع میں تھے۔ انہوں نے کہا کہ دین کی نسبت جو خدا رسول نے ہمیں بتایا ہے بے کم و کاست وہی کہنا چاہیئے اس پر سب مسلمان راضی ہو گئے اور حضرت جعفر کو اپنی طرف سے مختار بنا کے دربار میں آئے اور ملک کی رسم کے مطابق سجدہ نہیں کیا۔

اس پر ایک درباری نے ٹوکا تو حضرت جعفر نے فرمایا ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا ہے کہ سوائے خدا کے ہم کسی کو سجدہ نہ کریں اس لئے ہم نجاشی کو ہرگز سجدہ نہیں کرنے کے۔

یہ سُن کے نجاشی کے دل پر ایک ہیبت سی طاری ہو گئی اور اُس نے مسلمانوں کو سجدہ کرنے پر مجبور نہیں کیا، اور حضرت جعفر طیار سے خطاب کر کے کہا کہ تمہارے ہم وطن تمہیں مانگنے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں تمہیں اُن کے سپرد کر دوں حضرت جعفر نے جواب دیا اے نجاشی تو ان سے دریافت کر کہ کیا ہم ان کے غلام ہیں جو یہ ہم پر دعوے کرتے ہیں۔ ان سے دریافت کیا گیا تو ان میں سے عمرو نے جواب دیا۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں حاشا یہ لوگ آزاد اور قبیلہ میں بزرگ ہیں پھر حضرت جعفر نے کہا کہ کوئی خونبہا ان کا ہمارے ذمہ ہے عمرو نے انکار کیا۔ اسپر حضرت جعفر نے کہا کہ پھر یہ ہم سے کیا چاہتے ہیں اور ہم نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔ جب یہاں تک بات پہنچی تو عمرو بن العاص نے کہا کہ اے بادشاہ ان لوگوں نے

ہمارے اور ہمارے باپ دادا کے دین سے مخالفت کی ہے اور ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے نوجوان آدمیوں کے عقیدوں کو خراب کر دیں۔ اسی سبب سے ہماری جماعت میں پریشانی پیدا ہو گئی ہے تو انہیں مجبور کر کہ یہ پھر ہمارا دین اختیار کر لیں اس پر نجاشی نے حضرت جعفر کی طرف خطاب کر کے کہا کہ تم اس کا جواب دو کہ تم کیوں ان لوگوں سے مذہب میں مخالفت کرتے ہو نہ تم نے دین یہود اختیار کیا نہ دین نصاریٰ تم اسکا جواب مجھے دو اس پر حضرت جعفر نے فرمایا۔ ایھا الملک کنّا قوماً اھل جاھلیۃ نعبد الاصنام ونأکل المیتۃ ونأتی الفواحش ونسیئ الجوار ویأکل القوی منا الضعیف فکنا علی ذلک حتی بعث اللہ الینا رسولا منا نعرف نسبہ وصدقہ وامانتہ وعفافہ فدعانا الی اللہ لنوحدہ ونعبدہ ونخلع ما کنا نعبد نحن وآباءنا من دونہ من الحجارۃ والاوثان وامرنا ان نعبد اللہ وحدہ ولا نشرک بہ شیئا وامرنا بالصلوٰۃ والزکوٰۃ والصیام (فعدد علیہ امور الاسلام ثم قال) وامر بصدق الحدیث واداء الامانۃ وصلۃ الرحم وحسن الجوار والکف عن المحارم والدماء ونہانا عن الفواحش وقول الزور واکل مال الیتیم وقذف المحصنات فصدقناہ واتبعناہ علی ما جاء بہ من اللہ تعالیٰ فعبدنا اللہ تعالیٰ وحدہ ولا نشرک بہ شیئا وحرمنا ما حرم اللہ علینا واحللنا ما احل لنا فعدیٰ علینا قومنا فعذبونا وفتنونا عن دیننا لیردونا علی عبادۃ الاوثان من عبادۃ اللہ تعالیٰ وان نستحل ما کنا نستحل من الخبائث لما قہرونا وظلمونا وضیقوا علینا وحالوا بیننا وبین دیننا خرجنا الی بلادک واخترناک علی من سواک ورغبنا فی جوارک ورجونا ان لا نظلم عندک یا ایھا الملک۔"

(ترجمہ) اے بادشاہ ہم ایک جاہل اور گمراہ قوم تھے۔ بت پوجتے تھے۔ مردار گوشت کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں سے بدی پیش آتے تھے زبردست کمزور کا مال کھا جاتا تھا اور ایک مدت سے ہماری یہی حالت چلی آتی تھی یہاں تک کہ

خدا نے ہم ہی میں سے ہمارے پاس ایک پیغمبر بھیجا جس کی شرافت ـ نسب ـ راست بازی اور پاکدامنی سے ہم خوب واقف تھے ـ پس اُس نے ہم کو خدا کی طرف بلایا تاکہ ہم صرف اُسی ایک خدا کو خدا جانیں اور اُسی کی عبادت کریں ـ اور اُن بتوں اور پتھروں کی پرستش چھوڑ دیں جن کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اور حکم دیا کہ ہم صرف خدا ہی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو ذات اور صفات اور استحقاق عبادت میں اُسکے ساتھ شریک نکریں اور ہم کو پانچوں وقت نماز پڑھنے اور سال بھر بعد بقیہ مال کا چالیسواں حصّہ صدقہ دینے اور ماہ رمضان میں بیماری اور سفر کے سوا روزہ رکھنے کا حکم دیا (پھر ایک ایک کر کے تمام احکام اسلام اُس کے سامنے بیان کئے اور کہا کہ) اس پیغمبر نے ہم کو سچ بولنے اور امانت کو اس کے مالک کے پاس پہنچا دینے اور قرابت داروں سے رعایت و مُروّت کرنے اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے اور بُرے اور حرام کاموں اور خون خرابوں سے بچنے کا حکم دیا اور بدکاریوں اور جھوٹی گواہی دینے اور بن ماں باپ کے بچوں کا مال کھا لینے اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا ـ پس ہم نے اس کو سچا جانا اور جو احکام خدا کی طرف سے اُس نے پہنچائے ان سب کی پیروی اختیار کی ـ پس ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں ـ اور کسی چیز کو کسی بات میں بھی اس کے ساتھ شریک نہیں کرتے اور جو چیز خدا نے ہم پر حرام کر دی ہے اس کو حرام ـ اور جو حلال کر دی ہے اس کو حلال جانتے ہیں ـ پس اس بات پر ہماری قوم دشمن ہو گئی ـ اور طرح طرح سے ہم کو دُکھ دیا اور ہم کو ہمارے دین سے پھرانا چاہا کہ خدا کو چھوڑ کر پھر بت پوجنے لگیں اور جن بُری باتوں اور چیزوں کو ہم پہلے جائز سمجھتے تھے ان کو جائز جانیں ـ پس جبکہ اُنہوں نے ہم کو نہایت عاجز کر دیا ـ اور طرح طرح کے ظلم کئے اور نہایت تنگ و دق کیا ـ اور ہمارے دین میں ہمارے مزاحم ہوئے تو ہم اپنا وطن چھوڑ کر اور تجھ کو اور بادشاہوں کی بہ نسبت اچھا جانکر تیرے ملک میں چلے آئے ـ اور یہ امید کر کے کہ تیرے ہوتے کوئی شخص ہم پر ظلم

نہ کر سکے گا تیری پناہ اختیار کی۔

یہ سُن کے نجاشی بہت متاثر ہوا اور اس نے جعفر طیار سے خواہش کی کہ کیا آپ کوئی سورۃ اس کتاب کی پڑھ کے سنا سکتے ہیں جو آپ کے پیغمبر پر نازل ہو رہی ہے۔ حضرت جعفر طیار نے سورہ کٰھیٰعص پڑھنی شروع کی اور جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ فَکُلِی وَاشْرَبِی وَقَرِّی عَیْنًا" تو نجاشی رونے لگا اور اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اور اساقفہ جو اپنی آسمانی کتابیں کھولے بیٹھے تھے اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ بیساختہ نجاشی کی زبان سے یہ نکل گیا" ان ھذا الھو الحق" اور ایک دوسری روایت ہے کہ نجاشی نے قرآن مجید سن کے کہا خدا کی قسم جو کلام موسےٰ پر نازل ہوا تھا اور یہ کلام یکساں معلوم ہوتا ہے اس کے بعد شاہ حبش نے عمرو بن عاص اور عمارہ سے کہا کہ میں ان لوگوں کو کبھی تمہارے سپرد نہیں کرنے کا۔ ام سلمہ کا بیان ہے کہ جب قریش سخت مایوس ہوئے تو عمرو بن عاص نے ان کے آنسو پوچھے کہ دل شکستگی کی کوئی وجہ نہیں ہے کل میں پھر نجاشی کے پاس جاؤں گا اور اس کو ایسا مجبور کرونگا کہ وہ ان لوگوں کو قطعی ہمارے حوالہ کر دے گا مگر عبداللہ بن ربیعہ نے سر ہلایا اور کہا کہ کامیابی ممکن نہیں معلوم ہوتی کیوں خواہ مخواہ اور ذلّت گوارا کی مگر عمرو عاص نے نہیں مانا اور وہ ھند کا پورا دوسرے روز پھر نجاشی کے دربار میں پہنچا۔ مختلف باتیں ہونے کے بعد عمرو عاص کہنے لگا کہ یہ گروہ جس پر آپ نے اتنی مہربانی کی ہے حضرت عیسےٰ کی نسبت اچھے خیالات نہیں رکھتا۔ حضور کا عقیدہ ہے کہ عیسےٰ خدا کا بیٹا ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ عیسےٰؑ خدا کا بندہ ہے۔ نجاشی نے یہ سُن کے پھر مسلمانوں کو طلب کیا اور سوال کیا کہ عیسےٰؑ کی نسبت تمہارا کیسا خیال ہے حضرت جعفر نے جواب دیا کہ جو کچھ خداوند تعالےٰ نے حضرت عیسےٰ کی نسبت فیصلہ کیا ہے وہی ہم لوگ بھی کہتے ہیں چنانچہ خداوند تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ ھو عبد اللہ ورسولہ وکلمتہ القھا الی مریم وروحہ منہ یہ سنتے ہی نجاشی نے چوب پارہ زمین سے اُٹھا لی اور کہا ہم میں اور تم میں کچھ فرق نہیں ہے۔ مرحبا تمہیں اور اُس

شخص کو جس کے پاس سے تم آئے ہو۔ میں علانیہ شہادت دیتا ہوں کہ بے شک محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق نبی ہیں اور آپ وہی نبی ہیں جن کی حضرت عیسےٰ نے بشارت دی ہے اور ہم نے اپنی آنکھوں سے انجیل میں آپ کی صفت مشاہدہ کی ہے۔ تم فارغ البال میرے ملک میں رہو کوئی تمہیں آنکھ بھر کے نہیں دیکھ سکتا۔ اور اگر ذرا بھی کسی نے چھیڑ چھاڑ کی تو میں اُسے کافی سزا دونگا۔ وہ اگر مجھے رشوت میں روپیہ بھی دیں گے جب بھی میں تم میں سے ایک کو بھی اُن کے حوالہ نہیں کرنے کا کیونکہ خداوند تعالےٰ نے اس ملک کو بغیر رشوت کے مجھے عنایت کیا ہے۔ میں کبھی رشوت نہیں لینے کا اور نہ تمہارے خلاف کسی کی بات سنوں گا یہ کہہ کے اُس نے اپنے وزرا کو حکم دیا کہ قریشیوں کے ہدیہ کی چیزیں واپس کر دو۔ ہجرت حبشہ کے متعلق یہ بات فروگذاشت نہیں کی جاسکتی کہ مہاجرین میں سے بعض اشخاص یہ غلط افواہ سُن کر کہ قریش نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کر لی ہے تخمیناً تین مہینے بعد مکہ کو واپس چلے آئے تھے۔ مگر قریب پہنچکر اس خبر کی غلطی معلوم ہوئی تو بہ مجبوری کوئی مخفی طور پر اور کوئی اپنے کسی رشتہ دار وغیرہ کی پناہ لے کر شہر میں آگیا۔ مگر اللہ رے حمیت اسلام و توکل بخدا کہ عثمان بن مظعون کو معاً یہ خیال آیا کہ کیا خدائے عزوجل کو چھوڑ کر میں ایک ذلیل مشرک کی پناہ لوں۔ بس اس پاک اعتقاد نے فوراً ولید بن مغیرہ کو جو ان کی محافظت کا ذمہ دار بنا تھا جاکر کہدیا کہ مجھ کو تیری پناہ کی حاجت نہیں اس اثنا میں ایک مشہور و معروف شاعر نے جسکا نام لبید تھا ایک روز قریش کے مجمع میں اپنا یہ شعر پڑھا ؎

اَلَا کُلُّ شَیْئٍ مَاخَلَا اللّٰہِ بَاطِلٌ ۔ وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَامَحَالَۃَ زَائِلٌ

یعنے آگاہ ہو کہ خدا کے سوا ہر ایک شے باطل ہے اور ہر ایک نعمت بے شبہ زوال پذیر ہے پس عثمان نے پہلے مصرع کو سُن کر کہا "صَدَقْتَ" یعنے تو نے سچ کہا ہے۔ مگر جب دوسرا مصرع پڑھا تو کہا "کَذَبْتَ" یعنے تو جھوٹ کہتا ہے۔ نعمائے جنت دائمی اور لازوال ہیں اس سے لبید کو بہت رنج ہوا۔ اور اُس نے اہل مجلس کو کہا کہ تمہارے

مجالس کا تو یہ ڈھنگ نہ تھا اور نہ تمسخر کرنا ہی تمہاری شان سے تھا۔ پس ان میں سے ایک نے اُٹھ کر عثمانؓ کے مونہہ پر ایسے زور سے تھپڑ مارا کہ اُن کی آنکھ کو سخت صدمہ پہنچا اور ولید نے طنزاً کہا کہ کیوں؟ میری پناہ ترک کرنے کا مزا دیکھا؟ جس کا بزرگوار نے یہ ایمان و ایقان سے بھرا ہوا جواب دیا کہ میری دوسری آنکھ بھی خدا کے راہ میں طمانچہ کھانے کو حاضر ہے اور خدا کے سوا میں کسی کی پناہ کا محتاج نہیں ہے[1] اور اپنے اس نہایت صابرانہ چلن سے اُس نصیحت کی تعمیل گویا آنکھوں سے کر دکھائی جو جناب مسیح نے اپنے مریدوں کو کی تھی کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دینا۔

یہ تھا جوش اسلام اور یہ تھی صبر کی قوت جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی ہر مسلمان کے اقوال اعمال۔ اور نشست برخاست جزوی اور کلی معاشرت سے اسلام کی صداقت تاباں تھی۔ بچّے سے لے کے بوڑھے تک اور فقیر سے لے کے دولت مند تک جو ایک دفعہ دایرۂ اسلام میں آگیا اس نے پھر دوسری طرف کا رخ نہیں کیا۔

## مہاجرین حبشہ کی واپسی

دو مہینے کے بعد حبشہ میں یہ غلط خبر پہنچی کہ حضور انور اور قریش سے مصالحت ہوگئی ہے اس خبر کی دراصل کوئی بھی بنیاد نہ تھی صرف یہ بات دیکھنے کی ہے کہ حضور انور پر حرم کعبہ میں جو ایک بت پرست عرب نے طوفان اٹھایا تھا اور قرآن مجید کی عبارت کے ساتھ اپنا ایک جملہ لات و عزّیٰ کی تعریف کا ملا کے لوگوں میں یہ مشہور کر دیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ کہا ہے اور اس کی مفصل بحث ہم گزشتہ صفحوں میں کر چکے ہیں) اور اس سے مشرکین قریش کو ایک گونا طمانیت ہوگئی تھی۔ اس لئے یہ افواہ حبشہ تک پہنچی کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مشرکین قریش میں صلح ہوگئی۔ یہ سُن کے سب مہاجرین واپس چلے آئے۔ یہ لوگ ماہ رجب میں ہجرت

[1] تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۴۴) اور تاریخ ابن اثیر جلد دوم صفحہ (۳۱)

کر کے حبشہ چلے گئے تھے اور شعبان المکرم اور رمضان المبارک دو مہینے تک حبشہ میں رہے (حضور انور کی نبوت کا یہ پانچواں سال تھا) مگر جب مکہ کی حدود میں پہنچے۔ تو ایک قافلہ سے جو مکہ سے آرہا تھا۔ اُنہیں معلوم ہوا کہ صلح کی خبر غلط ہے۔ قریش مثل سابق کے آمادہ پر خاش ہیں۔ ان مہاجرین نے یہ سُن کے باہم مشورہ کیا اور آخر یہ طے پایا کہ جب اتنی دور سے آئے ہیں تو اپنے رشتہ داروں سے بھی مل لیں جو کرے سو ہو جائے۔ اس خیال سے وہ مکہ کے اندر داخل ہوئے۔ اور انہوں نے یہ بات طے کر لی تھی کہ اگر قریشوں کی مخالفت کی وہی کیفیت رہی تو ہم پھر حبشہ واپس چلے جائینگے مہاجرین کے احباب اور رشتہ داروں کو اس کی خبر ہو گئی تھی وہ استقبال کے لئے آگے گئے تھے۔ اس لئے ہر مہاجر اپنے رشتہ دار یا دوست کے ساتھ داخل مکہ ہوا۔

قریشوں کی سفارت حبشہ کی ناکامی اور مہاجرین کی خاطر مدارات کی خبروں نے مشرکین کے دلوں میں مخالفت اور غیظ و غضب کی نئی روح پھوک دی تھی اور وہ پہلے سے زیادہ ظلم کرنے لگے۔ جب مظالم کی انتہا ہو چکی تو مسلمانوں نے دوبارہ ہجرت کرنی چاہی چھٹے سال نبوت دوسری ہجرت کا آغاز ہوا۔ اور اس کے بعد کم وبیش دو دو چار چار مسلمان مع اپنے بیوی اور بچوں کے روانہ ہوتے رہے یہاں تک کہ ان کی تعداد مع بال بچوں کے ایک سو ایک تک پہنچ گئی۔ اس میں ۸۳ مرد تھے۔ عورتوں میں گیارہ تو قبیلہ قریش کی تھیں اور سات عورتیں دوسرے عربی قبایل سے تعلق رکھتی تھیں۔ مگر چند روز کے بعد ۳۳ مرد آٹھ عورتوں کے ساتھ پھر مکہ واپس چلے آئے ان میں حضرت عثمان غنیؓ اور آپ کی بی بی حضرت رقیہ بھی تھیں اور یہ مہاجر چند روز کے بعد مدینہ ہجرت کر کے چلے گئے تھے باقی مہاجر کئی سال تک حبشہ ہی میں رہے اور جب تک ہجرت کے ساتویں سال خیبر فتح نہ ہو گیا واپس نہیں آئے۔

### ابو طالب کو حضور انور کی حفاظت سے باز رکھنے کی کوشش

حضور انور کو اگرچہ ابھی ایسا مجبور نہیں کیا گیا تھا کہ آپ بھی اپنے متبعین کے ساتھ

ہجرت کرتے لیکن مخالفوں کی خون آلودہ آنکھیں آپ پر اٹھنے لگی تھیں اور قریش آمادۂ پیکار ہوتے جاتے تھے۔ ابوطالب کا قریشوں کو بہت خیال تھا اور وہ اُسی لئے آپ پر براہ راست ہاتھ ڈالتے ہوئے جھجکتے تھے۔ اخیر باہم مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ معززاور بڑی عمر والوں کی ایک سفارت ابوطالب کے پاس جائے اور اُنہیں آئندہ خطرے سے آگاہ کر دے پھر جو کچھ ہو کیا جائے۔ اس مشورہ ہونے کے بعد چند آدمیوں کی ایک سفارت ابوطالب کے پاس آئی۔ اس سفارت میں ولید بن المغیرہ۔ عتبہ بن ربیعہ۔ ابوجہل۔ ابوسفیان وغیرہ شریک تھے۔ اور ان لوگوں نے ابوطالب سے یہ کہا "تیرا بھتیجہ ہمارے معبودوں کو برملا بُرا بھلا کہتا ہے اور اُنہیں ہیچ بتاتا ہے۔ اور ہمیں اور ہمارے باپ دادؤں کو بیوقوف کہتا ہے۔ اب ہم اس سے پورا انتقام لیں گے۔ تجھے صرف اطلاع کرنے آئے ہیں کہ آیا تو اسکا انتظام کر دیتا ہے یا اسی کا ساتھ دیتا ہے" اس کا جواب ابوطالب نے بہت نرمی اور اخلاق سے بھرا ہوا دیا۔ جواب سُن کے وہ لوگ واپس چلے گئے۔ چند روز کے بعد وہ پھر ابوطالب کے پاس آگئے اور اب کے اُن کا غصہ بہت بڑھا ہوا تھا اور انھوں نے ابوطالب سے یہ کہا "اب ہم صبر نہیں کر سکتے پانی سر سے گذر چکا ہے ہم سے بُرا بھلا نہیں سنا جاتا کیا تو تو اُس سے علیحدہ ہو جا یا اسکی حمایت پر کمربستہ ہو جا اور پھر اس معاملہ کا فیصلہ بہت اچھی طرح ہو جائے گا" یہ کہہ کے واپس چلے گئے۔ اور اُنہوں نے اس کا کوئی جواب ابوطالب سے سُننا نہ چاہا۔

ابوطالب سخت پریشان ہوئے کہ کیا کریں اگر اپنے قبیلہ سے جدا ہوتے ہیں تو ہو نہیں سکتے اور ساتھ ہی محبت یہ گوارا نہیں کرتی کہ اپنے بھتیجہ کو تنہا چھوڑ دیں۔ ناچار اسی کشمکش میں انہوں نے حضور کو بلایا اور قریشوں کی ساری باتیں دوہرا کے یہ کہا "اب تم اپنے کو بھی اور مجھے بھی بچاؤ اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو مجھ سے اُٹھ نہ سکے" یہ جملہ ابوطالب کا بڑا غضبناک تھا اور اس سے

صاف پایا جاتا تھا کہ ابو طالب اپنے بھتیجے سے علیحدگی چاہتے ہیں۔ حضورِ انور کے لئے یہ وقت واقعی بہت نازک تھا کہ آپ کا چچا جس نے آپ کی پرورش کی اور ابھی تک حفاظت کرتا رہا۔ اب آپ سے جدا ہوتا ہے اور تنہا آپ کو کثیر تعداد دشمنوں کے مقابلہ میں چھوڑتا ہے اس سخت اور خطرناک موقع پر بھی آپ نے اپنے استقلال کو ہاتھ سے نہیں دیا اور آپ کے عالی ہمم ارادے جوں کے توں قایم رہے آپ نے نہایت پرزور لہجہ میں اپنے چچا کو یہ جواب دیا۔

"اگر مشرکین قریش کرۂ آفتاب کو میرے داہنے ہاتھ پہ اور"
"کرۂ ماہتاب کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں اور یہ کہیں"
"کہ جو کام میں کرتا ہوں اس سے دست بردار ہوجاؤں"
"تو وہ یاد رکھیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کام"
"نہ ہو جائے جس کے لئے خداوند تعالےٰ نے مجھے بھیجا"
"ہے یا میں اسی نیک کوشش میں ہلاک ہو جاؤں۔"

یہ زبردست اور مستحکم الفاظ سُن کے ابو طالب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور شفقت جوش میں آگئی پھر آپ زار زار رونے لگے۔ حضورِ انور کو جو جواب دیکے واپس جاتے تھے۔ بلایا اور کہا "اے میرے بھتیجے مجھ سے ناراض ہو کے نہ جا جو کچھ تیری خواہش ہو۔ کر۔ خدا کی قسم کسی صورت سے بھی میں تجھ سے جدا نہیں ہونے کا۔

حضرت ابو طالب کے پاس مشرکین قریش کی سفارت آنے کے متعلق اور بھی کئی مختلف روایتیں معتبر مورخین نے اپنی کتابوں میں درج کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب ابو طالب بیمار ہوئے اور آپ کی زندگی کی امید منقطع ہو گئی تو مشرکین قریش کی ایک جماعت بستر مرگ پر ابو طالب کے پاس آئی اور کہا کہ ہم ایک فیصلہ کرنا چاہتے ہیں اگر تمہاری موجودگی میں ہو جائے تو بہتر ہے۔ وہ یہ ہے کہ تم اپنے بھتیجے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے ہمارا یہ معاہدہ کرا دو کہ ہمارے

معبودوں کی نسبت سخت الفاظ استعمال نہ کریں اور نہ ہمارے مذہب پر حملے کریں ہم اس کے مقابل میں یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ان کی مخالفت سے دست بردار ہو جائیں گے اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ دیں گے اس سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ باہمی یکجہتی بنی رہے گی اور قبایل میں مخالفت نہ ہوگی۔ یہ سُن کے ابو طالب نے حضور انور کو بلایا اور قریشیوں کی اس خواہش کی اطلاع دی۔ حضور نے اس کا جواب یہ دیا کہ صرف ایک لفظ ہے اگر تم (قریشیوں کی طرف خطاب کرکے) زبان اور دل سے کہنے لگو تو کل عرب اور عجم کو فتح کر سکتے ہو۔ اس پر ابو جہل نے کہہ دیا "اگر یہ بات ہے تو ہم ایک لفظ نہیں بلکہ دس لفظ کہنے کے لیے موجود ہیں" یہ سُن کے حضور انور نے ارشاد کیا اچھا تو کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور چھوڑ دو جو کچھ تم اس ذات وحدہ لاشریک کے علاوہ پوجتے ہو۔ یہ سن کے وہ غصہ کے مارے کانپ اٹھے اور اُنہوں نے نہایت تلخ تر لہجہ میں یہ کہا "کیا تو چاہتا ہے کہ ہم کل معبودوں کے مقابلہ میں صرف ایک ہی معبود پر قناعت کرلیں یہ ایک عجیب بات ہے یہ کہہ کے اُنہوں نے باہم ایک دوسرے سے کہا اس شخص (یعنے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم) سے بات نہ کرو یہ اپنی بات پر قایم ہے اس سے کوئی معاہدہ ہونا ممکن نہیں چلو اور اپنے باپ دادا کے مذہب پر قایم رہو۔ ہمارا اس کا فیصلہ بہت جلد ہو جائے گا اور ہم اس سے سمجھ لیں گے" یہ کہہ کے وہ چلتے پھرتے نظر آئے۔ (ہشامی صفحہ ۱۳۶)

اسی کے متعلق ایک اور روایت بیان کی جاتی ہے کہ جس دن ابو طالب سے یہ جواب وسوال ہوئے تو حضور انور کہیں غائب ہو گئے اور ابو طالب نے ہر جگہ تلاش کرایا لیکن آپ کا پتہ نہ لگا اس پر ابو طالب سخت پریشان ہوئے اور آپ نے تلاش کرنے کے لیے ہاشمیوں میں سے چند نوجوان آدمیوں کو بھیجا کہ جہاں تک تم سے ممکن ہو تلاش کرو اور آپ کا پتہ لگاؤ۔ یہ گروہ روانہ ہوا اور راستہ میں اُسے پتہ لگا کہ حضور انور صفا کے مکان میں محفوظ موجود ہیں

چنانچہ آپ ہاشمیوں کے ساتھ اپنے مکان واپس چلے آئے۔ دوسرے دن ابو طالب کل ہاشمیوں کو جمع کرکے اپنے ساتھ حضور انور کو لے کے کعبہ پہنچے یہاں مشرکین قریش کا ایک گروہ موجود تھا۔ حضور انور کی صورت دیکھتے ہی کل قریشیوں نے تلواریں نکال لیں اور آپ کی طرف تیز تیز نظروں سے دیکھنے لگے اس پر ابو طالب نے جوش میں آکے یہ کہا "خدا کی قسم اگر تم اُسے (یعنے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کو) قتل کر ڈالو گے تو تم میں سے پھر ایک شخص بھی زندہ نہیں رہنے کا اور ہماری تمہاری لڑائی ٹھن جائے گی اور جب تک ہم میں سے ایک گروہ ناپید نہ ہو جائے ہم تلوار کو ہاتھ سے نہیں رکھنے کے۔ ان جوشیلے الفاظ سے قریشیوں پر کچھ ایسی ہیبت چھائی کہ وہ سب وہاں سے رفو چکر ہو گئے اور کسی کو حضور انور پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں پڑی۔ (کاتب الواقدی صفحہ ۳۸)

یہ روایت کچھ زیادہ قابل اعتبار نہیں معلوم ہوتی کیونکہ دوسرے معتبر مؤرخوں نے اُسے بیان نہیں کیا اگرچہ ایسا ہونا تعجب انگیز نہیں ہے لیکن اس روایت پر زیادہ اعتبار کرنے کی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

یہ صحیح ہے کہ جب تک ابو طالب زندہ رہے کسی مشرک قریش کو یہ جرأت نہیں پڑی کہ آپ پر تلوار سے حملہ کرتا کیونکہ اس بات کا ضرور خوف تھا کہ ہاشمیوں سے انقطاعی جنگ لڑنی پڑے گی۔ لیکن تو بھی آپ کو ستانے اور پریشان کرنے میں کوئی وقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا۔

ابو لہب جو آپ کے مکان کے پاس رہتا تھا آپ کا تلخ تر دشمن تھا وہ اکثر آپ پر دُنبے کی اوجھڑیاں نماز پڑھتے وقت پھینک دیتا تھا اور کھانا کھاتے وقت آپ کے کھانے میں ناپاکی ڈال دیتا تھا۔ ایک دن آپ پر دُنبے کی انتڑیاں پھینک دیں۔ ان ناپاک انتڑیوں کا ہار پہنے ہوئے آپ شاہراہ میں نکل آئے اور بآواز بلند کہا کہ ہمسائگی کا یہی حق ہے کہ ابولہب ادا کر رہا ہے اے عبد مناف کی اولاد کیا تمہارے اخلاق ایسے ردی ہو گئے کہ تمہیں ہمسائگی کا بھی پاس نہیں رہا۔

"دو تین صدی تک حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے مکان کے پاس ایک حجرہ پتھر کا ایسا بنا ہوا دکھائی دیتا تھا جہاں ہمسایوں کی زیادتی اور حملوں سے حضور انور آ کے پناہ لیتے تھے (طبری صفحہ ۶۷)

اس کے علاوہ ایک روایت میں یہ ہے اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے کہ ایک دن قریشوں نے جب آپ کعبہ میں آرہے تھے آپ پر حملہ کیا اور آپ کو لپٹ گئے اور آپ کی دستار مبارک پر ہاتھ ڈالا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق دلیری سے پاس آکر للکارے۔ افسوس ہے تم لوگوں پر کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ میرا مالک ہے یہ ایسا پُر اثر نعرہ تھا کہ قریش حضور انور کو چھوڑ کے چلد یئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر سے خوب لڑائی ہوئی اور آپکی ریش مبارک کی مشرکین نے سخت توہین کی اور آپ کو لہولہان کر دیا۔ ام کلثوم نے آپ کے سر پر لکڑی کا ایک گہرا زخم دیکھا جس سے خون بہ رہا تھا (ہشامی صفحہ ۷۷ طبری صفحہ ۱۳۱)

چھٹے سال نبوت حضرت امیر حمزہ آپ کے چچا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہو جانے سے مسلمانوں میں جان پڑ گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے متعلق ہم اپنی سیرت کے گذشتہ صفحوں میں لکھ چکے ہیں مگر یہاں حضرت امیر حمزہ کے اسلام لانے کے متعلق مختصر طور پر لکھا جاتا ہے"

## حضرت امیر حمزہ کا مسلمان ہونا

سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب کے ایمان لانے کی کیفیت راویوں نے متفق اللفظ یہ بیان کی ہے کہ ایک دن حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نامی کوہ صفا میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ابوجہل کا اس طرف گذر ہوا اس بدنصیب کے دل میں چونکہ شافع روز محشر کی طرف سے عداوت بھری ہوئی تھی اس لئے اس نے خواہ مخواہ گالیاں دینی شروع کیں مگر حضور انور نے اس کے سب دشنام پر مطلق توجہ نہ فرمائی اور آپ نہایت صبر سے

اس کی گالیاں سنتے رہے، یہ ساری کیفیت عبداللہ بن جدعان کی لونڈی کوہ صفا پر سے دیکھ رہی تھی۔ جب حضرت امیر حمزہ شکار سے واپس آکے (اور آپ کی یہ عادت تھی کہ شکار زیادہ کھیلا کرتے تھے اور شکار سے واپس آکے طواف کعبہ کیا کرتے تھے) کعبہ میں آئے تو جاریہ مذکور نے آپ سے یہ سرگذشت بیان کی۔ یہ سُن کے حضرت امیر حمزہ کو بہت غصہ آیا اور آپ سیدھے ابوجہل کی طرف روانہ ہوئے اور بآواز بلند کہا کہ مجھ پر کھانا پینا حرام ہے جب تک میں ابوجہل سے اس کی تعدی اور بدزبانی کا انتقام نہ لوں۔ مگر آپ پہلے حضرت خاتم النبیین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے محمد تمہارا چچا آیا ہے تاکہ تمہارے دشمن سے اس کے مظالم کا بدلہ لے حضور انور نے ارشاد کیا ایسے شخص سے کیوں سروکار رکھتے ہو جس کا نہ کوئی چچا ہے، نہ باپ نہ ماں، نہ معاون نہ نصیر نہ کارگذار نہ وزیر۔ اس پر امیر حمزہ نے لات وعزیٰ کی قسم کھاکے کہا میں تو صرف آپکی نصرت ومعاونت کے لئے آیا ہوں۔ حضور انور نے جواب دیا کہ اے چچا جان حمزہ اگر تم کافروں کو اسقدر قتل کرو کہ گھٹنوں گھٹنوں خون ہو جائے پھر بھی حضرت احدیت سے دور ہی رہے گی۔ جب تک تم دل اور زبان سے یہ نہ کہو۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہ سُن کے حضرت امیر حمزہ ایسے متاثر ہوئے کہ انہوں نے کلمہ طیبہ پڑھا اور وہاں سے مجمع قریش میں روانہ ہوئے ابوجہل بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا آپ غصہ سے اسپر جھپٹے اور ایسا حملہ کیا کہ سات جگہ سے اس کا سر پاش پاش ہوگیا اور علانیہ کہا کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ بعض روایتوں میں یہ لکھا ہے کہ اول ابوجہل کا سر توڑا اور پھر حضور انور کی خدمت میں آکے مشرف باسلام ہوئے۔ (ہشامی صفحہ ۱۸۷۔ طبری صفحہ ۵ ۱۳۱۔ کاتب الواقدی صفحہ ۱۷۹)

حضرت امیر حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے حضور انور اور جملہ مسلمین بہت خوش ہوئے۔ ان دونوں صحابہ میں جسمانی قوت کیساتھ درجہ دلیری اور قوت تھی اور انکا اثر ان کی بہادری اور بیجگری کی وجہ سے

مکہ میں بہت تھا۔ حضرت حمزہ نے مسلمان ہوکے وہ وہ شجاعت دکھائی کہ اسلامی مورخ یک زبان ہوکر آپ کو شیر خدا کا لقب دیتے ہیں۔ حضرت عمر ایسے چھپنیارے جوان تھے کہ جب آپ بھیڑ میں چلتے یا کھڑے ہوتے تو معلوم ہوتا تھا کہ آپ گھوڑے پر سوار ہیں۔ کیونکہ آپ کی گردن کل آدمیوں سے نکلی رہتی تھی۔ نہایت مضبوط ہاتھ پیر کے اور خوش رو جوان تھے۔ آپ کی رنگت سرخ وسفید تھی آپ ابتدا میں بہت تیز مزاج اور غصیلے تھے لیکن قرآن مجید کا کوئی جملہ سُن کے آناً فاناً میں آپ کا غصہ فرد ہوجاتا تھا۔ جب آپ مشرف باسلام ہوئے ہیں تو آپ کی عمر صرف ۲۶ سال کی تھی آپ جنگ الفجار سے چار برس پہلے پیدا ہوئے تھے اور حضور انور کی نبوت کے چھٹے سال بماہ ذی الحجہ آپ مسلمان ہوئے۔ کل مورخ یک زبان ہیں کہ اشاعت اسلام آپ ہی کے مسلمان ہونے سے شروع ہوئی اور اسلام کا وعظ علی الاعلان ہونے لگا۔ دنیا میں اسلام پھیلانے کے آپ ہی بہت بڑے مؤید ہیں اس وقت دنیا کی جو ⅓ آبادی میں اسلام پھیلا ہوا ہے یہ سب آپ ہی کا صدقہ ہے آپ کے مسلمان ہونے کے بعد حضور انور نے ارقم کے مکان کو چھوڑ دیا۔ ابھی تک مسلمان چھپ چھپ کے اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرتے تھے مگر فاروق اعظم کے مسلمان ہوتے ہی جماعت کے ساتھ کعبہ میں اور کعبہ کے باہر ڈھڑاکے سے نمازیں ہونے لگیں (کاتب الواقدی صفحہ ۲۳۲۔ ہشامی صفحات ۱۰۸ و ۱۰۵)

اس سے قریشیوں میں مزید بے چینی پیدا ہوگئی اور ان کے غصہ کی آگ اور زیادہ بھڑکنی شروع ہوئی۔ ان کا غصہ بھی ضرور بنیاد رکھتا تھا اول تو سفارت حبش کی ناکامی نے انہیں جلا کے خاک کر دیا تھا ان کا ہزارہا روپیہ کا مال جو بطور تحفہ شاہ حبش کو بھیجا گیا تھا وہ بالکل بیکار رہا۔ دوسرے مسلمانوں کی آؤ بھگت جو انھوں نے نجاشی کے دربار میں دیکھی اس سے اور بھی ان کا دل ٹوٹ گیا۔ انہیں یہ بھی خوف ہوا کہ اگر نجاشی نے فوج سے مسلمانوں کی مدد کی اور مکہ پر قبضہ کرلیا تو لات عزیٰ کی کیا گت بنے گی۔ دوسرے انہیں یہ دہشت تھی کہ آج تو مسلمانوں

گروہ بہت کمزور ہے اور جبکہ روز بروز یہ بڑھتا جاتا ہے اور با اثر شہری مسلمان ہوتے جاتے ہیں۔ قوت پکڑنے پر یہ کہیں مکہ پر خود تسلط نہ کر بیٹھیں آخر ان باتوں سے دہشت کھا کے اُنہوں نے پہلی ترکیب تو یہ کی کہ تمام تمدنی تعلقات مسلمانوں سے قطع کر دیئے۔ لین دین شادی بیاہ آمد و رفت سب چھوڑ دی۔ ابو طالب مع اپنے بھائیوں کے ابھی تک ابر حضور پُر نور (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ساتھ دیتے چلے جاتے تھے (صرف ابو لہب علیحدہ تھا) نہ صرف بھائی بلکہ ہاشم کے خاندان کا بچہ بچہ خواہ وہ مسلمان ہو یا نہ ہو کچھ نہ کچھ تائید حضور رسالت پناہی کی ضرور کرتا رہتا تھا۔ اب بنی ہاشم تو ایک طرف تھے اور باقی عربی قبایل ایک طرف (اس صورت سے تمدنی کشمکش دونوں میں پیدا ہوئی۔ آخر ایک دن سوائے بنی ہاشم کے کل قریش کعبہ میں جمع ہوئے۔ ایک طوفان خیز جلسہ میں یہ تجویزیں منظور کی گئیں "کہ نہ ہم بنی ہاشم کی لڑکیوں کو بیاہیں اور نہ اپنی لڑکیاں انہیں دیں نہ اُن کے ہاتھ چیز فروخت کریں اور نہ اُن سے خریدیں۔ غرض ہر قسم کا لین دین اور آمد و رفت ان سے مطلقاً بند کر دینی چاہیئے"۔ یہ پاس شدہ تجویزیں لکھ لی گئیں اور سب کی اُس پر مہریں ہو گئیں۔ پھر وہ نوشتہ کعبہ کے دروازہ پر لٹکایا گیا اور اس طرح ان قبائل کے عہد نامہ کی تعمیل ہوئی۔

یہ سُن کے حضرت ابو طالب نے بھی کل بنی ہاشم کو اپنے گھر میں مدعو کیا اور ان سے خطاب کر کے کہا کہ تمہارے بھائی محمد کے خلاف کل قریشوں نے اتفاق کر لیا ہے اب تم کیا کہتے ہو انہوں نے کہا ہم بدل وجان محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں اس پر ابو طالب نے خاندان بنی ہاشم کی تعریف میں ایک قصیدہ پڑھا جو ابن اسحاق نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے قصیدہ کا مختصر مضمون حضور انور کی شرافت نسبی اور حسبی اور عادات و اطوار کے بیان میں ہے اور ساتھ ہی خاندان کے متعلق کچھ تذکرہ ہے۔ خدا کی شان دیکھیئے جس شخص نے قبائل قریش کا عہد نامہ لکھا تھا کہ بنی ہاشم کے ساتھ داد و ستد بند کر دو اور اُسی سنہ سے عہد نامہ

کو کعبہ کے دروازہ پر آویزاں کیا تھا اس کا ہاتھ خشک ہو گیا ہشامی نے اس واقعہ کو قلمبند کیا ہے مگر واقدی لٹکانے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عہدنامہ ہوا اور اُس پر مہریں کی گئیں۔ مگر کعبہ کے دروازہ پر نہیں لٹکایا گیا بلکہ ابوجہل کی حفاظت میں رکھا گیا۔ یہ کچھ بڑا اختلاف نہیں ہے مگر تو بھی واقدی کی روایت کے متعلق کلام ہے کیونکہ اہل مکہ میں یہ دستور تھا کہ ہر ایک ایسی چیز کو جو دوسرے کے مقابلہ میں ہوتی تھی اور جس کا اشتہار دینا مقصود ہوتا تھا کعبہ کے دروازہ پر لٹکا دیا کرتے تھے جیسا کہ بعض قصاید کے آویزان کرنے سے پایا جاتا ہے اسلئے واقدی کی روایت زیادہ قابل وثوق نہیں معلوم ہوتی۔

## بنی ہاشم کی سراسیمگی

لاکھ کچھ بنی ہاشم نے قبایل قریش کے مقابل میں اتحاد قایم کر لیا لیکن پھر بھی وہ سخت خائف تھے۔ کیونکہ ان کی تعداد بہت کم تھی اور انہیں خوف تھا کہ مبادا کل حجاز ان کے خلاف جنگ کے لئے اُٹھ کھڑا ہو۔ کل تعلقات کے قطع ہو جانے سے دشمنی اور بھی بڑھ گئی تھی اور بنی ہاشم کو ہر وقت حملہ کا خوف رہنے لگا تھا۔ آخر سب نے متفق ہو کے شعب ابوطالب میں جاکے پناہ لی۔ اس مقام کے چاروں طرف پہاڑ تھے۔ اور مکہ کی مشرق کی جانب واقع تھا۔ یہاں سے شہر میں جانے کا راستہ ایسا تنگ تھا کہ ایک اونٹ بہ مشکل نکل سکتا تھا۔

نبوت کے ساتویں سال کے پہلے مہینہ اور پہلی شب میں بنی ہاشم حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابوطالب کی گھاٹی میں پناہ گزین ہوئے اسوقت عبدالمطلب کے خاندان کے کل لوگ ان کے ہمراہ تھے صرف ابولہب باقی رہگیا تھا جو فریق مخالف کے ساتھ رہا۔ اور بنی ہاشم کے ساتھ گھاٹی میں نہیں آیا۔ اسے تفریق کے معاہدہ پر بہت شدت سے عملدرآمد ہونے لگا۔ نبی کے ہاتھ غلہ اور زندگی کی دوسری چیزیں فروخت ہونی نور اً بند کر دی گئیں۔

اُن میں اتنی قوت نہ تھی کہ اپنا علیحدہ ایک کاروان بھیج کے دوسری جگہ سے چیزیں خرید واتے اس کے علاوہ قریشوں نے یہ ظلم کر رکھا تھا کہ باہر سے جو تاجر آتے تھے اُنہیں منع کر دیتے تھے کہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت نہ کرنا اور اگر بیچو بھی تو تگنی چوگنی قیمت پر فروخت کرنا ہے وہ نہ لے سکیں شعب میں سے ایک بچہ بھی باہر نہیں نکلتا تھا ہاں حج کے دنوں میں جبکہ کوئی جھگڑا فساد نہ ہوتا تھا یہ لوگ باہر نکلتے تھے اور حضور انورؐ اپنے صحابہ کے آزادی کے ساتھ اِدھر اُدھر تشریف لیجاتے تھے۔ دو تین سال تک یہی کیفیت رہی اور فریقین کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی۔ آخر ہوتے ہوتے بنی ہاشم کی حالت سخت زبوں ہوگئی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کے چیخنے اور رونے کی آوازیں گھاٹی میں سے سنائی دینے لگیں جو بھوک سے اپنی ماؤں کی گودیوں میں تڑپ تڑپ کے بلبلا رہے تھے۔ جب یہاں تک نوبت پہنچی تو عربوں کے سنگین دل بھی پسیجے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے کہ ان بیچارے بچوں نے کیا قصور کیا جو ان پر اتنی سختی کی جاتی ہے۔ جب یہ کیفیت ہوئی تو چند قریشوں نے چوری چھپے ان مصیبت زدہ پناہ گیروں کے لئے شعب ابو طالب میں کھانا وغیرہ پہنچانا شروع کیا اور ہشام بن عمرو نے تو کمال کیا کہ غلّہ کا ایک اونٹ بھرا ہوا گھاٹی کے اندر پہنچا دیا۔ اسی طرح حاکم خویلد کے پوتے نے بہت کچھ سامان خورونوش بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے لئے وقتاً فوقتاً روانہ کیا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ حاکم ایک بوری غلّہ کی غلام کے سر پر رکھے ہوئے شعب ابو طالب کی طرف جا رہا تھا کہ ابوجہل راستہ میں ملا۔ اور پوچھا یہ غلّہ کہاں لے جاتے ہو حاکم کچھ پس وپیش کرنے لگا اس پر ابوجہل نے غضبناک ہو کر کہا یاد رکھنا اگر تم نے ایسی حرکت کی تو مکّہ میں ہزار آدمیوں کے سامنے بے عزت کر دوں گا۔ اتنے میں ابوالبختری آگئے اور انہوں نے بمشکل ابوجہل کو ٹھنڈا کیا اور کہا تو نہیں سمجھتا کہ حاکم اور خدیجہ میں کیا رشتہ ہے قدرتی طور پر

اس کا فرض ہے کہ یہ خدیجہ کی مدد کرے کچھ دیر ابو جہل خاموش رہا مگر جب حاکم چلنے لگا تو اُسے پھر جذبہ آگیا وہ حاکم پر دوڑ پڑا اور دونوں کی چھینا جھپٹی ہونے لگی آخر گھونسے اور لاتیں مار کر ابوجہل کو بھگا دیا اور آپ سامان لے کے چلتا بنا (ہشامی صفحہ ۱۰۹)

اس پناہ گزینی کے زمانہ میں اشاعت اسلام کچھ بھی نہیں ہوئی اور ہو کیونکر سکتی جبکہ باہر نکلنا اور وعظ وپند سب بند ہو چکی تھی۔ ہاں یہ حضور انور ضرور کیا کرتے کہ جو لوگ وہاں موجود تھے اُن کے آگے روزمرہ وعظ فرما دیا کرتے تھے وہ پاک اور بے لوث نفس اس سختی میں بھی خدا کے کام میں ہمہ تن مصروف تھا اور کوئی لمحہ یاد خدا سے غافل نہ تھا۔ یہ سخت آزمایش کا وقت تھا اور ایسا وقت تھا کہ خیال کرنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں معصوم بچوں کا بھوک کے مارے تڑپنا بیکس عورتوں کا سخت مایوسی کے عالم میں اپنے بے پناہ اور مجبور شوہروں اور بھائیوں پر نظر ڈالنا ایک قہر آلودہ نقشہ تھا جو آنکھوں کے آگے کھنچ رہا تھا۔ اس پر بھی آپ کا ثابت قدم رہنا اور اپنا فرض نبوت ادا کرتے رہنا ایک عجیب معاملہ ہے جس کی تہ تک روحانی مبصر پہنچ سکتے ہیں۔

ہاں زمانۂ حج میں تلقین نبوت کرنے کے لئے حضور انور کے آگے میدان کھل جاتا تھا۔ قومی لڑائیاں اور جھگڑے سب بند ہو جاتے تھے اور کسی شخص میں کسی کی مخالفت کرنے کا یارا نہ ہوتا تھا۔ اس وقت آپ آزادی سے باہر نکلتے اور خوب وعظ فرماتے۔ نئے قبایل مکہ میں آتے تھے آپ انہیں آزادی سے خدا کا کلام سناتے تھے۔ مگر ابوجہل۔ نضر بن الحارث عاص بن وایل۔ عتبہ بن ابی معیط اور اسی طرح اور لوگ ساتھ ساتھ لگے رہتے تھے اور کہتے پھرتے تھے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بہکانے میں نہ آنا۔ ابوطالب ہر وقت اپنی شعب کی نگرانی میں مصروف رہتے تھے اور انہیں خوف تھا مبادا کسی وقت قریش اندر آ کے حملہ نہ کر دیں آپ یہ بھی کرتے تھے کہ جس جگہ

حضور انور آرام فرماتے تھے برہنہ تلوار سے شب کو پہرہ دیتے تھے کہ کوئی مشرک اندر آکے حملہ نہ کر بیٹھے۔

جب پانی سر سے گذر گیا اور مصیبت انتہا پر پہنچ گئی تو ہشام بن عمرو بن الحارث جس کا باپ اپنی ماں کی طرف سے فضل بن ہاشم بن عبد مناف تھا زہیر بن اُمیہ مخزومی کے پاس گیا اور کہا انسانیت کا یہی تقاضا ہے کہ تو تو لذیذ لذیذ کھانے کھائے اور خوشگوار ٹھنڈا پانی پیئے اور عیش سے اپنی زندگی بسر کرے اور تیرے بھائی بندفاقوں کی تکلیف سے تڑپیں اور دن رات آہ وزاری میں گذاردیں۔ تجھے تو یہ ہرگز شایاں نہیں ہے۔ زہیر نے جواب دیا میں تنہا عہدنامہ کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا ہاں دو شخص اور بھی میرے ساتھ ہو جائیں تو میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس عہدنامہ کو جو قریش میں ہوا ہے توڑ ڈالوں گا۔ ہشام نے کہا ایک شخص تو موجود ہے۔ زہیر نے کہا وہ کہاں ہے ہشام نے اپنی طرف اشارہ کیا زہیر نے کہا اچھا تیسرے شخص کو اور تلاش کر۔ یہ سُن کے ہشام مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف کے پاس آیا اور اُس سے کہا کہ تو اس بات سے راضی ہے کہ دو بطن بنی عبد مناف میں سے تو فاقہ کشی میں ہلاک ہوں اور تو آنکھوں سے دیکھے اور پھر اُن کی مخالفت میں قریشیوں کے ساتھ موافقت کئے جائے۔ مطعم نے جواب دیا کہ میں تنہا کیا کر سکتا ہوں ہشام نے کہا گھبراتا کیوں ہے میں اس کام میں تیرے ساتھ ہوں مطعم نے کہا ایک اور شخص کی بھی ضرورت ہے۔ ہشام بولا زہیر کو بھی اپنے ساتھ سمجھ مطعم نے پھر یہ کہا کہ چوتھا آدمی اور بھی ہونا چاہیئے۔ یہ سنتے ہی ہشام ابوالبختری کے پاس آیا اور اسی طرح کے غیرت دلانے والے کلمے اُس سے کہے۔ ابوالبختری نے دریافت کیا تیرا ہمزبان کون کون ہے۔ ہشام نے یہ سُن کے نام گنوا دیئے۔ اس پر اس نے کہا اور کوئی بھی اگر ہمارا شریک ہو جائے تو بہتر ہے۔ ہشام پھر ربیعہ بن اسود بن مُطلب بن عبد العزیٰ کے پاس گیا اور اسی قسم کی باتیں کیں۔ ربیعہ نے بھی یہی دریافت کیا کہ اور کوئی بھی ہمارے ساتھ اس معاملہ میں موافق ہے۔ ہشام نے

سب کے نام بتا دیئے۔ آخر یہ مشورہ ٹھیرا کہ شب کو سب ایک جگہ جمع ہوں اور نقض عہد کے لئے بیان کریں۔ یہ باتیں کرکے ہشام چلے آئے۔ شب کو پانچوں آدمی جمع ہوئے۔ بہت گفتگو کے بعد یہ طے پایا کہ علے الصباح وثیقہ قاطع کو قطع کر دینا چاہیئے زہیر نے کہا کہ قطع کرنے کی ترکیب یہ بہتر ہوگی کہ میں صبح کو مجلس قریش میں یہ ذکر چھیڑوں گا۔ اور پھر تم سب میری مدد کرنا اور فوراً تائید شروع کر دینا۔ یہ مشورہ کرکے سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

علے الصباح طواف کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد زہیر نے قریشیوں سے کہا اے اہل مکہ کیا یہ مناسب ہے کہ ہم فارغ البال زندگی بسر کریں۔ لذیذ لذیذ کھانے کھائیں۔ اچھے اچھے کپڑے پہنیں اور شربت کے قدحے اڑائیں اور ہمارے رشتہ دار نبی ہاشم اور نبی عبد المطلب اپنے بال بچوں کے ساتھ عسرت و ملال سے زندگانی گذرانیں اور گرسنگی کی شدت سے ہلاک ہوئے چلے جائیں۔ خدا کی قسم ہم نچلت ہوکے نہیں بیٹھنے کے۔ جب تک اس صحیفہ قاطعہ ظالمہ کے ٹکڑے ٹکڑے نہ اڑا دیں گے۔ زہیر یہ کہہ رہا تھا کہ مسجد الحرام کے گوشہ میں سے ابوجہل کڑک کے بولا تو جھوٹا ہے اور صحیفہ کو پارہ پارہ نہیں کر سکتا۔ یہ سنتے ہی ربیعہ بن الاسود بولا واللہ تو سب سے زیادہ جھوٹا ہے ہم تو اس صحیفہ کی تحریر کے وقت اسکے مضمون سے راضی نہیں تھے۔ پھر ابو البختری نے کہا خدا کی قسم کہ ربیعہ نے بالکل سچ کہا اسلیئے جو کچھ صحیفہ میں لکھا گیا ہے ہماری مرضی کے بالکل خلاف ہے اس پر مطعم بن عدی نے کہا کہ ربیعہ اور ابو البختری اپنے اپنے قول میں سچے ہیں اور جو شخص اس کے علاوہ کہے وہ بالکل جھوٹا ہے پھر ہشام بن عمرو نے اپنے دوستوں کے اقوال کی تصدیق کی پھر تو گیا تھا بہت سے قریش انکے جانب دار بن گئے۔ ابوجہل یہ کیفیت دیکھ کے گھبرایا اس نے کہا اچھا تو اس کا فیصلہ ہی کر لیا جائے۔

معتبر مورخوں کے بیان کے بموجب قریشیوں میں اس امر کے متعلق بار ہا

جھگڑا ہو گیا۔ حضرت ابو طالب نے یہ شور و غل شعب میں سے سنا آپ چند رشتہ داروں کے ساتھ قریشیوں کے مجمع میں چلے آئے۔ مشرکین قریش یہ سمجھے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی حمایت سے دل تنگ ہو کے یہ یہاں آئے ہیں۔ سب نے بہت تعظیم و تکریم کی اور کہنے لگے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا قتل کر ڈالنا بہتر ہے کیونکہ ہماری تمہاری خیر اسی میں ہے۔ ابو طالب نے جواب دیا کہ میں تو تمہارے پاس ایک خاص کام کے لئے آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جو صحیفہ ہماری مخالفت میں لکھا گیا ہے اُسے یہاں لے آؤ۔ ابو جہل سمجھا یہ صحیفہ اس لئے منگاتے ہیں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالہ کر کے اس جھگڑے کو چکا دیں گے۔ چنانچہ وہ صحیفہ لایا گیا۔ ابو طالب نے اس صحیفہ کے کھلنے سے پہلے یہ کہا کہ اے قوم یہ صحیفہ تمہارا مہری ہے جواب ملا ہاں ہمارا مہری ہے۔ ابو طالب کہنے لگے کہ خداوند تعالےٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ خبر دی ہے کہ جو کچھ جور و ستم و قطع صلہ رحم کے متعلق اس میں لکھا تھا اس کو تو سب جھینگر چاٹ گئے صرف اس میں خدا کا نام باقی رہ گیا ہے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس خبر میں سچے ہیں تو اُن کی تکذیب کرنے سے کیا حاصل اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ خبر صحیح نہیں دی تو میں اُنہیں تمہارے حوالہ کر دیتا ہوں جو تمہارا جی چاہے گا اُن کے ساتھ سلوک کرنا۔ یہ سُن کے قریش خوش ہو گئے اور اُنہوں نے کہا ہمیں منظور ہے۔ جب یہ طے پا گیا تو وہ صحیفہ کھولا گیا۔ اس میں سوائے کلمہ باسمک اللھم کے اور کچھ نہ تھا۔ یہ دیکھتے ہی قریش سخت شرمندہ ہوئے اور سب نے اپنے گریبان میں مُنھ ڈال دیا۔ مگر ابو جہل اس بین معجزہ پر بھی اسی طرح مخالفت کئے گیا اور اپنی سرکشی پر تُلا رہا۔ اس کے بعد ابو طالب کعبہ میں آئے اور مشرکین قریش پر لعنت ملامت کی اور کل رشتہ داروں کے ساتھ شعب میں چلے آئے۔ پھر کیا تھا ان پانچ آدمیوں کی بن آئی۔ جنہوں نے شب کو مشورہ کیا تھا۔ مطعم نے اس صحیفہ کو ہاتھ میں لیکر پھاڑ ڈالا اور کہا ہم تو اول ہی اس سے بیزار تھے۔ صحیفہ کے پارہ پارہ ہوتے ہی مخالف شعب میں آئے اور لوگوں کو انکے مکانوں پر جانیکی اجازت دی۔

# دوسرا باب

## نبوت کے دسویں سال سے ہجرت تک

## یعنی

## حضور انور کے پچاس سال کی عمر سے ترپن (۵۳) سال کی عمر تک کے حالات

جب قریشیوں کے معاہدہ کو دیمک کھا گئی اور قریش شرمندہ ہو گئے تو تمدنی تعلقات پھر جوں کے توں بن گئے اور اب حضور انور کے ساتھی بآرام اپنی زندگی گذارنے لگے حضور انور کو بھی گونا اطمینان ہوا کہ بھوکے بچوں کے غل اور شور کی آوازیں بند ہو گئیں، مگر قدرت ابھی اس سے بھی زیادہ شدید آزمائش کا سامان کر رہی تھی اور حضور انور عنقریب اس آزمائش میں آنے والے تھے آپ کی نبوت کا دسواں سال ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ آپ کی مددگار سچی رفیق اور چاہتی بی بی کی وفات ہو گئی اور پھر چند ہفتے کے بعد حضرت ابوطالب بھی دنیا سے سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان دونوں کی وفات کی تاریخ میں مورخوں کا اختلاف ہے۔

۱ کاتب الواقدی اپنی کتاب صفحہ ۲۳ میں لکھتے ہیں کہ ابوطالب کے ایک مہینہ اور پانچ دن بعد بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا انتقال ہوا۔ ایک اور مورخ نے بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کا مہینہ رمضان لکھا ہے۔ (دسمبر سنہ ۶۱۹ء) اور ابوطالب کی وفات شوال میں بیان کرتا ہے یوروپی مورخ اسپرینگر کو غلطی ہوئی ہے وہ کہتا ہے پہلے ابوطالب کا انتقال ہوا پھر خدیجہ کا۔

۲ کاتب الواقدی میں ابوطالب کے بیمار ہونے کا بیان ہے جو وسط شوال میں ہوئے تھے اور یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ گئی ہے کہ دونوں وفاتیں تین (?) دن کے عرصہ میں ظہور پذیر ہوئی تھیں۔

بلاشبہ حضرت بی بی خدیجہ کی وفات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم دل پر بہت صدمہ دیا اس بے نظیر اور محبتی بی بی نے پچیس سال تک

حضور انور اپنے شوہر کی معاونت کی اور ہر بات کی تائید کرتی رہیں اس وقت کوئی بھی معاون اور مددگار گھر میں نہ رہا تھا۔ زمین سچے ہمدرد سے خالی تھی مگر آسمان پر خالق ارض سما حضور انور کا حامی موجود تھا۔ حضرت بی بی فاطمہ کی عمر اس وقت بارہ تیرہ سال کی تھی۔ کہ آپ اپنی مادر مہربان سے جدا ہوئیں ایسے مصیبت کے وقت میں ماں کی آغوش محبت سے علیحدہ ہونا ایک قہرناک امر تھا۔ حضور انور نے چاہا کہ حضرت علی سے اپنی پیاری بیٹی کی شادی کر دیں وقت وفات بی بی خدیجہ کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔ حالانکہ عرب میں کثرت ازدواج کا قاعدہ جاری تھا لیکن حضور نے کبھی بی بی خدیجہ کی زندگی میں دوسرے نکاح کا نام نہیں لیا اُس وقت آپ کو دوسرے نکاح کی ضرورت تھی۔ کیونکہ نکاح کرنے کا کوئی سیاسی پہلو نہ تھا۔ مگر بعد ازاں جتنے نکاح آپ نے کئے وہ سب اصول سیاستہ پر مبنی تھے

ابو طالب کی اسی سال کی عمر تھی جب آپ کی وفات ہوئی ہے آپ نے بحالت کفر وفات پائی لیکن جس طرح مرتے دم تک آپ نے حضور انور کی مدد کی اُس کی مثال دنیا میں نہیں ہو۔ کاتب الواقدی نے اپنی کتاب صفحہ ۱۰۲ میں لکھا ہے کہ جس وقت ابو طالب کی وفات ہونے لگی ہے تو حضور انور آپکے پاس تشریف لائے اور کہا چچا جان اب اخیر وقت ہے آپ کلمہ طیبہ اسلام پڑھ لیں۔ اس کا جواب ابو طالب نے دیا کہ میں مسلمان تو کبھی کا ہو گیا ہوتا لیکن اپنے خاندان اور آبائی مذہب کی وجہ سے میں مسلمان نہیں ہوا۔ یہ سُن کے آپ خاموش ہو رہے یہ بات دیکھنے کی ہے کہ کوئی شخص اپنے سچے مربی کو بستر مرگ پر دیکھ کے اپنی حالت میں نہیں رہ سکتا مگر حضور انور کا استقلال اور شجاعت دیکھنی چاہیئے کہ ایسے نازک وقت میں تبلیغ اسلام سے درگزر نہ کی۔ اور آپ اپنا فرض نہایت سرگرمی سے ادا کرتے رہے۔ اس سے زیادہ صداقت کی دلیل اور ہو نہیں سکتی۔

شاباش ہے ابو طالب کو کہ مرتے دم بھی اپنے بھتیجہ کی حفاظت اور حمایت کا خیال نہ چھوڑا آپ نے اپنے رشتہ داروں کو بلایا اور اس بات کی سفارش کی

کہ جہاں تک تم سے ہو سکے میرے بھتیجہ کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرنا۔ بس یہی سفارش کرتے کرتے آپ کی روح پرواز کر گئی۔ دم نکلتے ہی آپ کے بستر کے گرد شور برپا ہوا حضور انور کی مبارک آنکھوں سے برابر آنسو ٹپک رہے تھے آپ نے اسی رقت کی حالت میں اپنے چچا کے لئے بخشش اور ابدی نجات کی دعا مانگی۔ مگر روح القدس نے خبر دی کہ آپ کی یہ دعا قبول نہیں ہونے کی۔ کیونکہ ابو طالب کی وفات حالت شرک میں ہوئی ہے۔

جب تک ابو طالب زندہ رہے کسی مشرک قریش کی یہ مجال نہ ہوئی کہ حضور انور پر دست درازی کرتا اگرچہ تکلیف دینے اور ستانے کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا مگر جان لینے کا خیال کسی کو نہیں آیا۔ اب کوئی ایسا معزز اور محترم محافظ نہ رہا تھا کہ آپکی حفاظت کرتا آپ کی تجہیز و تکفین حضور کی ہدایت کے بموجب حضرت علی نے کی۔ آپ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ تم اپنے ابا جان کو نہلاؤ۔ اور کفن دو۔ چنانچہ حضرت علی نے تعمیل ارشاد کی اور اُنہیں ایک کپڑے میں لپیٹ کے دفن کر دیا لیکن یہ روایت کچھ ضعیف سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ سمجھ میں نہیں آتا جس کا اتنا بڑا کنبہ ہو اور جسکے بکثرت بھائی بند موجود ہوں۔ وہاں صرف حضرت علی نہلانے دُھولانے اور کفنانے کے لئے چھوڑ دیے جائیں اور کوئی آ کے بات تک نہ پوچھے۔

غرض جب ابو طالب کی تجہیز و تکفین ہو چکی تو حضور اپنی قیام گاہ میں رہنے لگے اور اب آپ نے باہر نکلنا بھی بہت کم کر دیا۔ ابو لہب نے جب یہ دیکھا کہ بھتیجہ کو بہت صدمہ ہے اور اب کوئی اس کا محافظ نہیں رہا تو اُس کے دل پر اس کا اثر ہوا۔ وہ بھاگا ہوا حضور انور کے پاس آیا اور کہا " اگرچہ ابو طالب ہم میں نہیں ہیں لیکن تم یہ نہ خیال کرنا کہ کوئی تمہارا محافظ نہیں رہا۔ جس طرح تم ابو طالب کی زندگی میں بے خوف و مطمئن تھے اب بھی اسی طرح ہو۔ کسی کی مجال نہیں جو تمہاری طرف آنکھ بھر کے بھی دیکھ سکے۔ میں لات و عزیٰ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ تمہارا ساتھ نہیں چھوڑنے کا " ابو لہب یہ کہہ کے چلا گیا مگر بعد ازاں مشرکین قریش نے

زور سے وہ اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہا۔ اور اپنے معصوم بھتیجے کی اسی طرح مخالفت پر آمادہ ہوگیا۔

## حضور انور کے لئے بہت نازک زمانہ

اب حضور انور کی حالت روز بروز نازک ہوتی گئی۔ اور وہ وقت آگیا کہ کیا تو آپ اپنے دعوے نبوت سے دست بردار ہوں یا قریشوں کے ساتھ دست بدست جنگ کریں۔ اور اس جھگڑے میں کیا تو اسلام بت پرستی کی بیخ و بنیاد اکھیڑ کے پھینک دے۔ یا اسلام مغلوب ہو جائے اگرچہ آپ کے صحابہ ہر وقت آپ پر جان نثار کرنے کے لئے آمادہ تھے۔ لیکن ہزارہا جنگجو قریشوں کے مقابلہ میں مٹھی بھر آدمی کیا کر سکتے تھے۔ نئے مذہب نے مکّہ میں ابھی تک قدم نہیں جمائے تھے تین چار سال گزر چکے تھے کہ امیر حمزہ اور حضرتِ عمر فاروق کے مسلمان ہونے کے بعد ایک متنفس بھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ مایوسیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور ایک دیکھنے والا یہ کہہ سکتا تھا کہ بس اسلام اسی چار دیواری میں مٹ مٹا کے رہجائے گا۔

اب حضور انور (صلے اللہ علیہ وسلم) نے چاروں طرف نظر کی اور اپنی اور اپنے صحابہ کی حالت کو اچھی طرح دیکھا اور سب کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے اخیر یہ رائے طے پائی کہ طائف چلنا چاہیئے (اس کا فاصلہ جانب مشرق مکّہ سے ساٹھ یا ستر میل ہے) شاید مکّہ والوں کا دل میری غیر موجودگی میں کچھ پسیجے اور وہ سمجھیں کہ اُن کی مخالفت بے بنیاد ہے اس کے علاوہ جب اہل مکہ نے خدا کے کلام سننے سے انکار کر دیا تو اہل طایف کو کلام خدا کیوں نہ سنایا جائے۔ ممکن ہے کہ وہ ایمان لے آئیں یہ زبردست استقلال تھا جو روز ازل سے حضور انور (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طبیعت میں ودیعت ہوا تھا۔

ابو طالب کے انتقال کو زیادہ سے زیادہ پندرہ روز گذرے تھے کہ حضور انور

اپنے غلام زید کو ساتھ لے کے مکہ سے طائف کی طرف روانہ ہوئے۔ اب اس میں اختلاف ہے۔ ہشامی (صفحہ ۱۳۶) اور طبری (صفحہ ۱۱۴۹) کا تو یہ بیان ہے کہ آپ تنہا طایف تشریف لے گئے تھے۔ لیکن کاتب الواقدی (صفحہ ½ ۴۰) لکھتا ہے کہ نہیں آپ کے ہمراہ آپ کا غلام بھی تھا۔ آپ شوال کے آخری دنوں میں روانہ ہوئے تھے۔

حضور انور نے عرفات تک تو زائروں کے راستہ سے سفر طے کیا اور پھر آپ ویران چٹانوں سے نیچے اُتر کے قریب قریب پچاس میل بے آب و دانہ صحرا میں قدم زن ہوئے۔ آخر اتنی مسافت طے ہونے کے بعد طایف کے شاداب باغات نظر پڑے جن سے کسی قدر طبیعت کو تازگی ہوئی۔ رستہ میں آپ بنی بکر وایل قبایل کے پاس قیام کرتے گئے اور اُنہیں سچے دین کا وعظ سناتے گئے مگر ان قبیلوں میں سے ایک متنفس نے بھی اپنی خوش قسمتی کا اظہار نہ کیا۔ اور سچے دین کی دعوت قبول نہ کی حضور انور اپنا فرض پورا کرکے آگے بڑھے اور اہل طایف اور قبیلہ ثقیف کو اسلام کی دعوت دی۔

حضور انور جب طایف پہنچے ہیں تو آپ نے وہاں دس روز قیام فرمایا اکثر لوگ آپ کے پاس چلے آتے تھے مگر دعوت اسلام قبول کرنے میں عذر کرتے تھے آپ اُنہیں ہر چند نصیحت فرماتے تھے مگر سوائے انکار کے وہاں کچھ نہ تھا۔ اگرچہ لوگ حضور انور سے ناواقف نہ تھے اور مکہ میں زمانہ حج میں آپ کے وعظ وغیرہ سُن چکے تھے مگر اسلام کی طرف رجوع کرنا اپنے قومی غرور اور عظمت کے منافی خیال کرتے تھے۔ زمانہ دراز سے اہل طایف اور اہل قریش میں کشیدگی چلی آتی تھی۔ اہل طایف کے بُت کا نام لات تھا۔ جس کو وہ بڑی قدرت والا جانتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اہل قریش کے کل بتوں سے زیادہ قوی ہے اس کشش کی وجہ سے اہل طایف سمجھتے تھے کہ قریش کی قوم کا ایک شخص کیوں ہم سے اطاعت کرانی چاہتا ہے۔ اس لئے اُنہوں نے صاف انکار کر دیا کہ ایسے دین کو سلام ہے جس میں قریشوں کی اطاعت کرنی پڑے۔ حضور انور اب بھی

مایوس نہیں ہوئے اور آپ روسار قبیلہ ثقیف عبد ئالیل ومسعود وحبیب بن عمرو بن عمیر کے بیٹوں کے پاس تشریف لے گئے۔ اور انہیں سمجھایا کہ بُت پرستی ایک فضول چیز ہے اسے چھوڑ کے وحدہ لاشریک کی پرستش کرو۔ ان تین بھائیوں نے یہ سُن کے اونٹ پٹانگ سوالات کئے۔ ایک نے کہا کہ تجھ سے بہتر خدا تعالےٰ کو کوئی ملا ہی نہیں کہ تجھے نبی بنا کے بھیجا۔ ایک نے کہا کہ کعبہ کو یہاں منگوا دو۔ غرض ایسے ہی لغو اور بے بنیاد سوال جو دنیا کے حرام کار اور بدکار لوگ کیا کرتے ہیں حضور انور سے کئے۔ آپ اُن سوالوں کا جواب سوائے خاموشی کے اور کیا دیتے چُپ ہو رہے اور اُنہیں انکی حالت پر چھوڑ دیا (ہشامی صفحہ ۱۳۷)۔

جب اس کا چرچہ عام ہوا کہ حضور انور (صلے اللہ علیہ وسلم) یہ وعظ فرما رہے ہیں تو چند سرداران طایف حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عوام میں مخالفت بڑہتی جاتی ہے بہتر یہی ہے کہ آپ کہیں تشریف لے جائیں مبادا آپ کو چشم زخم پہنچے ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ یہ جملہ آپ کے نازک دل پر کسقدر با اثر ہوا ہوگا۔ ایک مقدس نفس جسے شب و روز اپنی قوم کی اصلاح کے سوا دوسرا خیال نہ ہوا اور جس کے صلہ میں ہموطنوں کی طرف سے تشدد اور مظالم کے سوا کچھ نہ ملا ہو جس کے مددگار اور دوست ہمیشہ کی نیند میں سو گئے ہوں اور جس کا کوئی نہ رہا ہو۔ اور وہ ایسی مجبوریوں کی حالت میں امید بھرے ہوئے دل سے شدید مسافت طے کرکے طایف پہنچا ہو اور یہاں اُس کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہو۔ سمجھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت دل کی کیا کیفیت ہوگی یا جس پر گذری ہے وہ پورا اندازہ کر سکتا ہے۔

آپ اہل طایف کی یہ باتیں سن کے خاموش ہو رہے اور مکہ واپس چلنے کا ارادہ کیا۔ زید آپ کا وفادار غلام آپ کے ساتھ تھا۔ آپ شہر کی شاہراہوں میں سے ہو کے نکلے چند بدمعاش اور ناخدا ترس شہریوں کا گروہ آپ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ کو بُرا بھلا کہا اور پتھر مارے یہاں تک کہ آپ زخمی ہوگئے۔ آپکی

دونوں مبارک ٹانگوں سے شرشر خون جاری تھا۔ جب پتھر زیادہ برسنے لگے تو زیدؓ نے آپ کو بچانا چاہا اس سے زید بھی بہت سخت مجروح ہو گیا۔ کیسا خونی اور دل دہلا دینے والا منظر تھا کہ فخر دو جہاں۔ پیغمبروں کا سردار اور خداوند تعالےٰ کا برگزیدہ صبر اور خاموشی کے ساتھ چلا جارہا تھا اور خدا کی ناواقف سنگدل مخلوق اس پر پتھر برسا رہی ہے اور وہ اپنے پروردگار کے راستہ میں لہولہان چل رہا ہے کہیں اُس کے پیروں سے خون جاری ہے اور کہیں اس کی مبارک پیشانی لہولہان ہو رہی ہے مگر شان نبوت دیکھئے کہ دم خم اب بھی وہی ہیں اور دین خدا کا وعظ کہنے کا جوش اب بھی جوں کا توں بنا ہوا ہے۔

ان آوارہ سنگدل بدمعاشوں نے حضور انور کا تین چار میل تک پیچھا لیا اور آپ کو اس ریتیلے میدان سے باہر کر دیا جو ان پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے جو شہر کے گرد کھڑی ہوئی ہیں۔ جب آپ اس حد تک پہنچے اور آوارہ گرد بدمعاشوں نے پیچھا چھوڑا تو آپ نے انگور کی بیل کے نیچے بیٹھ کے یہ دعا مانگی "بارخدایا میں اپنے ضعف قوت کا اعتراف کر کے تیرے دربار عزت میں شکایت لایا ہوں تیری بارگاہ عظمت میں قلت صبر کی حکایت کرتا ہوں اور اپنی ذلت و خواری کی طرف تیری توجہ مبذول کرتا ہوں اس لئے کہ تو ارحم الراحمین اور ضعیفوں کا پروردگار ہے اور میرا بھی پروردگار ہے۔ مجھے ایسے دوست سے بچا یو جو میری صورت دیکھتے ہی ترش رو ہو جائے اور ایسے دشمن سے جو میرے کاموں پر غلبہ پالے اگر تیری آزمائش غضب کے ساتھ نہیں ہے تو پھر مجھے کچھ فکر نہیں۔ میں نے تیرے نور اور حفاظت میں پناہ لی ہے تو میری تاریکیوں کو روشن کر دے اور میرے سارے کام سنوار دے۔

جب انگور کی بیل کے نیچے حضور انور (صلے اللہ علیہ وسلم) نے آرام لیا تھا وہاں ایک نہایت بارآور شاداب باغ تھا جس کے دو بھائی مالک تھے اور وہ گرمیوں کے موسم میں یہاں آکے رہا کرتے تھے تو اتفاق سے آج کل وہ یہاں

آئے ہوئے تھے۔ ایک کا نام عتبہ اور دوسرے کا نام شیبہ تھا وہ ایک بلند مقام سے یہ ساری کیفیت دیکھ رہے تھے کہ کس طرح لوگ آپ کو ستا رہے ہیں اور کیسا مجروح کر دیا ہے۔ اُنہیں سخت ترس آئی۔ اور اُنہوں نے ایسے ماندہ۔ خستہ بے بس اور مجروح مہمان کے لئے اپنے نصرانی غلام نینوائی عداس نامی کے ہاتھ کچھ تازہ انگور بھیجے۔ جب عداس انگور لے کے حضور انور (صلے اللہ علیہ وسلم) کے قریب پہنچا۔ آپ نے بسم اللہ کہہ کے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ عداس نے حضور انور کی مبارک صورت کی طرف نظر کرکے کہا کہ یہ کلام اس نواح میں میں نے کسی کی زبان سے نہیں سُنا ہے۔ حضور انور نے ارشاد کیا کہ تو کون ہے اور تیرا کیا مذہب ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے عرض کیا حضور میں نصرانی غلام نینوائی ہوں۔ حضور انور نے ارشاد کیا کہ اُسی شہر میں تو ایک نیک مرد یونس بن متی رہتا تھا۔ عداس نے حیران ہوکے پوچھا حضور یونس کو کیا جانیں۔ حضور نے جواب دیا وہ میرا بھائی ہے وہ بھی پیغمبر تھا اور میں بھی پیغمبر ہوں۔ عداس یہ سنتے ہی حضور انور کے قدموں پر گر پڑا۔ عتبہ اور شیبہ یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اُنہوں نے اپنے غلام کو آواز دے لی۔ اور کہا کہ یہ شخص (مراد حضور انور) تجھ سے کیا باتیں کر رہا تھا۔ اور تو کیوں اُس کے قدموں پر گر پڑا۔ عداس نے اپنے آقا سے کہا کہ اس نیک مرد نے مجھے ایسے امر کی خبر دی کہ سوائے انبیاء کے اُسے اور کوئی نہیں جانتا۔ عتبہ نے کہا تو غلطی پر ہے۔ تیرے دین کو برباد کرنے کے لئے تجھے فریب دیا گیا ہے تو ہرگز اس دھوکے میں نہ آئیو۔ عداس نے بمنت عرض کیا نہیں ایسا نہ کہیئے روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ ایسی مقدس ذات پر فریب کا الزام لگانا اپنے کو سخت بلا میں مبتلا کرنا ہے۔ یہ سُن کے وہ ہنسے اور خاموش ہو رہے۔

حضور انور (صلے اللہ علیہ وسلم) کچھ آرام لینے کے بعد وہاں سے آگے بڑھے اور نخلہ میں پہنچے یہاں سے مکّہ کی مسافت صرف ایک شب کی رہجاتی ہے آپ نے

اس آبادی میں قیام کیا۔ شب کو حضور انور (صلے اللہ علیہ وسلم) نماز میں آواز سے قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ سات نفر جن نصیبین کا اس طرف گذر ہوا۔ اُنہوں نے حضور انور کی آواز سُنی ٹھیر گئے اور غور سے سنتے رہے۔ جب حضور انور نماز پڑھ چکے تو وہ خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بطیب خاطر مشرف باسلام ہوئے۔ حضور انور (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد کیا کہ جب تم اپنی قوم میں جاؤ تو اُسے بھی اس ملت بیضا کی دعوت دینا۔ یہ سُن کے وہ چلے گئے اور انہوں نے اپنی قوم کے بہت سے افراد کو مسلمان بنایا۔ قرآن مجید میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہے۔

حضور انور (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نخلہ میں چند روز رہنے کے بعد مکّہ کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن محض اس خیال سے کہ مکّہ میں جانے سے پھر قریش ستائیں گے آپ شمالی راستہ سے نکل کوہ حرا پر مقیم ہوئے جو حضور انور کا قدیم مسکن تھا۔ قریشیوں کو خبر ہوگئی تھی کہ طایف نے بھی ہمارے ساتھ کلام خدا سننے سے انکار کردیا ہے اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو پتھروں کی بوچھاڑ کر کے نکالا ہے۔ اُنہوں نے بھی یہ ارادہ کرلیا تھا کہ اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مکّہ میں آئیں تو ہم بھی یہی سلوک کریں گے۔

اور آپ نے ایک شخص کو اخنس بن شریق کے پاس بھیجا کہ میں یہاں آگیا ہوں مجھے امید ہے کہ تو مجھے اپنی حفاظت میں لے گا اور اگر میں کعبہ میں آؤں تو تو میری نگرانی کرے گا اخنس نے انکار کردیا اور شافع روز محشر کی حفاظت سے روگردانی کی۔ وہ شخص مایوس ہو کے چلا آیا اور حضور انور کی خدمت میں عرض کر دیا۔ آپ نے اُسی شخص کو پھر سہیل بن عمرو مطعم کے پاس بھیجا۔ مطعم نے حضور کی حفاظت کی حامی بھرلی اور کہلا بھیجا حضور شوق سے تشریف لائیں میں ہر طرح حضور کی مدد کرنے کو موجود ہوں۔ دوسرے دن مطعم ہتیار بند ایک اونٹ پر سوار ہوکے اور اپنے خویش واقارب ہمراہ لے کے مسجد الحرام میں آئے اور بآواز بلند یہ کہا۔ اے قریشو! میں نے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنی

حفاظت میں لے لیا ہے تمہیں آگاہ کر دیا جاتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص آپ کی طرف آنکھ بھر کے نہ دیکھے" ابوجہل یہ سُن کے سخت سراسیمہ ہوا اور گھبرا کے بولا "تابعی یا مجیر" مطعم نے کہا ہاں میں مجیر ہوں۔ ابوجہل بولا جس شخص کو تو نے امان دی ہے۔ ہم بھی اُسے امان دیتے ہیں۔ اس کے بعد حضور انور مکہ میں تشریف لائے۔ کعبہ میں آ کے طواف کیا اور حجر اسود کو بوسہ دیا۔ دو رکعت نماز پڑھی اور پھر منزل ہمایوں میں آپ تشریف لے آئے۔

مطعم کی اس فیاضی اور ایمانداری پر مدینہ کے مشہور شاعر نے یہ برجستہ اشعار کہے جو برابر معتبر تاریخوں میں نقل ہوتے چلے آئے ہیں۔

الا عینی ابکی سید الناس السفحی　وان تک قد انزفته فاسکبی الدما

اے میری آنکھ آدمیوں کے سردار کو رو اور خوب آنسو بہا　اور اگر تو (رو رو کے) آنسوؤں کو خشک کر چکی ہو تو (بجائے آنسوؤں کے) خون

فلو کان مجد یخلد الدھر واحدا　من الناس ابقی مجدہ الیوم مطعما

پس اگر عزت و جاہ کسی شخص کو (اُسکی عمر طبعی سے زیادہ) کچھ زمانہ تک باقی رکھ سکتا + تو آج مطعم کو اُس کی عزت ضرور باقی رکھتی

اجرت رسول اللہ منہم فاصبحوا　عبیدک ما لبّی محل واحرما

تو نے (اے مطعم) رسول خدا کی مشرکوں سے حفاظت کی　لہذا جبتک حاجی لبیک پکارتے ہیں اور احرام باندھتے ہیں سب تیری

اسی زمانہ میں حضور انور نے بی بی سودہؓ سے نکاح کیا آپ بیوہ تھیں اور آپکا شوہر

---

آپؓ کے والد کا نام زمعہ اور ماں کا نام شموس بنت قیس تھا آپ کا پہلا نکاح سکران بن عمرو سے ہوا تھا اور اس سے ایک لڑکا عبدالرحمن پیدا ہوا۔ حضرت سودہ اور اُن کا لڑکا عبدالرحمن دونوں مسلمان ہو گئے تھے آپ کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ آپ اور آپ کا خاوند اور آپ کا بیٹا مسلمان ہو گیا تو مشرکین عرب نے آپ پر زیادتیاں کرنی اور آپ کو ستانا شروع کیا۔ اور اخیر یہاں تک نوبت پہنچی کہ آپ حبش چلی گئیں۔ آپ کا خاوند صرف اس جرم میں کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا قتل کر دیا گیا تھا۔ جب بی بی سودہ حبش سے واپس آئیں تو اُن کی حالت بہت ہی خراب تھی۔ ان پر بڑے بڑے مظالم ہو چکے تھے۔ اور اب انہیں کوئی پناہ دینے والا بھی نہ رہا تھا۔ روایتوں سے اگرچہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ

محض اس جرم میں کہ مسلمان ہو گیا تھا دشمنان خدا کے ہاتھوں شہید ہو چکا تھا۔ سوائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶) آپ کی عمر کتنی تھی لیکن اندازہ اور ٹھیک اندازہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ عمر میں آنحضرت سے بڑی تھیں۔ حضور انور کی عمر جب بی بی سودا سے نکاح کیا ہے پوری پچاس برس کی تھی اور بعد از وفات سرور کائنات ۲۳ھ ہجری میں بی بی سودا کی وفات ہوئی اور وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۰ سے بھی تجاوز کر چکی تھی۔

آپ کی نسبت بہت سی مختلف روایتیں مشہور ہیں اور بعض غلط روایتوں کی وجہ سے عام طور پر بہت کچھ دھوکا ہوا ہے۔ مگر ہم اسے بالکل روشنی میں لانا چاہتے ہیں۔ اور انشاء اللہ ہم اس نکاح پر ایک بسیط بحث کرینگے اول تو یہ دیکھنا ضرور ہے کہ حضرت بی بی سودا سے نکاح کرنے کی آنحضرت کو ضرورت ہی کیا تھی جب آپ قریش کی اعلےٰ درجہ کی لڑکیوں سے بلا تکلف نکاح کر سکتے تھے۔ پچاس سال کی آپ کی عمر ہو چکی تھی۔ اور بی بی سودا کی بھی اتنی عمر تھی یا آپ سے ایک دو برس کچھ بڑی تھی۔ اگر معاذ اللہ یہ نکاح لذائذ نفسانیہ کے لئے ہوا تھا تو ایسا خیال کرنا محض بے بنیاد ہے اور نرا تعصب ہے۔ نہ آپ نے دولت کو دیکھ کے نکاح کیا تھا کیونکہ بی بی سودا آپ مفلس اور ستم رسیدہ تھی۔ نکاح کرنے کی کوئی غایت ضرور ہوگی اور کوشش کرنے سے اس کا پتہ لگ جائے گا۔

حضور انور کا ابتدا سے یہ قاعدہ تھا کہ آپ دوسروں کا کام خود کر دیتے تھے مگر آپ کو کسی کا احسان لینا گوارا نہ تھا۔ حضرت انس کی روایت اس بات کا ثبوت ہے کہ دس برس میں میں نے رسول مقبول کی اتنی خدمت نہیں کی جتنی آپ نے میری کی۔ آپ کی عادت میں داخل تھا کہ ہر شخص کے کام میں لگ جانا اور غربا اور مساکین کی حتی الامکان سرپرستی کرنا۔ آپ نے اپنی اس رحیم فطرت سے بی بی سودا پر نظر کی اور فرمایا کہ اس نے عورت ہو کے میرے لئے کتنی سختیاں سہیں۔ گھر سے بے گھر ہوئی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ جو کچھ اور جتنی تھی صرف میری وجہ سے برباد ہوئی۔ اس کا خاوند صرف قبول اسلام کی وجہ سے بہت ہی بے دردی سے ذبح کر ڈالا گیا اور اب یہ محض بے سروسامان اور پریشان ہو کے میرے پاس

حضور انور کے اور کوئی آپ کا وارث نہ تھا - اس لئے انسانی ہمدردی کا تقاضا یہ تھا


(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵) آئی ہو ایسی حالت میں بھی اسے اپنا ہاتھ ندوں تو نبوت کے عالی منشا کے خلاف ہے یہ خیال تھا جو حضور انور کے مبارک دل میں پیدا ہوا تھا اور اسی وجہ سے آپ نے صرف اسلئے کہ سودا کے تمام نقصانات اور تکالیف کا اچھا معاوضہ ہو جائے گا - بخوشی نکاح کر لیا - اور خاتم النبیین جیسے رحم مجسم کے لئے ایسے نکاح کی ضرورت بھی تھی - آپ کا بحیثیت نبی اور وہ بھی جلیل القدر نبی ہونے کے فرض تھا - کہ آپ ایسی بے بس - ناچار اور مصیبت زدہ خاتون کی سرپرستی فرمائیں - جس نے محض خلوص سے اپنی گزشتہ بداعمالیوں اور بت پرستی سے تائب ہو کے دین خدا اختیار کیا اور حضور انور کے دست مبارک پر بیعت کی - اور پھر محض اسلام کے لئے اُس نے تکلیفیں اُٹھائیں جلاوطن ہوئی اور عورت ہو کے اسلام سے اس کا قدم نہیں ڈگمگایا - عاقبت میں تو جو کچھ اسکا معاوضہ ملتا وہ ملتا ہی - لیکن زندگی میں بھی ایسی شجاع اور نیک دل خاتون کو ضرور صلہ ملنا چاہیئے تھا اور وہ صلہ ایسا ہو تاکہ اس سے قیمتی صلہ دنیا میں اور ممکن نہ تھا یعنے وہ خاتم النبیین کی بی بی بنتی اور ام المومنین کا معزز لقب پاتی - اس سے بہتر کوئی صلہ نہیں دے سکتے تھے - کیونکہ جو کچھ بے نظیر مردانگی اسلام پر قایم رہنے کی اس خاتون نے دکھائی تھی وہ عجیب و غریب ہے - اور اسی مرتبہ کے صلہ کی مستحق بناتی ہے جو حضور انور کی طرف سے اُسے عطا ہوا -

اگر حضور انور اپنی زوجیت میں بی بی سودا کو قبول نہ فرماتے تو اُن کی عمر اور بے سروسامانی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ کوئی ہاتھ نہیں رکھتا اس لئے کہ اول تو وہ پریشانی کا زمانہ تھا مشرکین قریش کے پے در پے حملے ہو رہے تھے اور مسلمان برابر ستائے جا رہے تھے ابھی مسلمانوں کو کچھ قوت اور اطمینان بھی حاصل نہوا تھا اور نہ کوئی مستقل جائے قیام کسی مسلمان کی ہوئی تھی - یہ وقت مسلمانوں کی سخت آزمائش کا تھا اور اسی وجہ سے خود نبی کریم کو بھی نکاح کرنے کا خیال نہ تھا اور نہ ابھی تک کوئی فطری ضرورت داعی ہوئی تھی - مگر اس حالت میں بھی اور اس زمانہ رستخیز میں بھی آپ نے بحیثیت نبی ہونے کے اپنا فرض سمجھا کہ سودا جیسی مجروح القلب بے بس اور ثابت قدم خاتون کو اپنی زوجیت میں لیں تاکہ اس کی پورے طور پر سرپرستی ہو اور مسلمانوں میں

کہ آپ اس بیوہ کو اپنے نکاح میں قبول فرمائیں۔ بی بی سودا خاندان قریش میں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸) ایسی بے پناہ مستورات کی معاونت کرنے کی ایک زبردست نظیر قایم ہو جائے آپ نے بی بی سودا سے نکاح کرکے نفس نکاح کی ایک غایت بتادی اور ظاہر فرمادیا کہ نکاح کی اصلی غرض مستورات کی سرپرستی ہے اور سب سے بڑی بات جو اس نکاح میں پیدا ہوئی تھی وہ یہ ہے کہ اسلام میں عورتوں کی حمایت کرنے کی روح پھک جائے اور وہ مثل دوسری قوموں کے عورتوں کو لاشئے محض نہ سمجھیں۔ ہم مقدمہ تفسیر الفرقان میں بیان کرچکے ہیں کہ عرب ہی نہیں۔ بلکہ دنیا کی کل قوموں میں عورت مثل اثاث البیت کے سمجھی جاتی تھی۔ اور دنیا کی بڑی بڑی متمدن اقوام نے کبھی عورتوں کے حقوق کی نگہداشت نہیں کی۔ اور نہ اُن کی خدمات کا کبھی اُن کو صلہ دیا گیا۔ انسانی تمدن میں اُن کی ... کوئی وقعت نہیں تھی اور اُن سے مثل چوپایوں کے برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اب وہ تاریک زمانہ گذر گیا تھا اور عورتوں کی تعظیم اور تکریم ہونے لگی تھی بی بی سودا نہ تو امیرزادی تھیں نہ کچھ ایسی عالی خاندان تھیں۔ اس پر بھی اُنہیں وہ مرتبہ حاصل ہو گیا تھا کہ وہ بڑے بڑے قریش سرداروں کی اور اخیر میں بڑے بڑے قہار سلاطین کی ماں کہلائیں۔ کیا اس سے زیادہ کسی قوم یا کسی مذہب نے عورتوں کو عزت دی ؟ اور آجتک کسی ملک میں بھی عورتوں کو اسقدر آسمان پر چڑھایا گیا ؟ موجودہ قومیں اس سوال کا جواب خواہ کسی صورت سے دیں۔ لیکن مختلف قوموں کی مذہبی کتابیں اور تواریخ اس کا صاف جواب دیتی ہیں۔

سمجھ میں آگئی ہوگی کہ بی بی سودا سے نکاح کرنے کی کیا غایت اور غرض تھی اور اُسے کس حد تک پورا کیا گیا۔ بی بی سودا کی نسبت بہت سی جھوٹی روایتیں مشہور ہیں اور وہ ایسی لغو ہیں کہ عقل کبھی اُنہیں تسلیم نہیں کرسکتی۔

پہلی روایت تو ایک یہ مشہور ہے کہ جب اُن کے پہلے خاوند مریض ہوئے تو اُنہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور انور نے میری گردن پر پیر رکھ دیا۔ آنکھ کھلی تو اپنے مریض خاوند سے یہ بیان کیا اُس نے یہ تعبیر دی کہ میرے بعد تو دوسرا نکاح کرے گی۔ یہ خواب اور اسکی تعبیر

تھیں۔ لیکن حضور انور سے خاندان کے لحاظ سے بہت قریب کا تعلق نہ تھا۔ یہ نکاح

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹) عجیب و غریب ہے۔

عرب میں عام دستور تھا کہ بیوہ عورت فوراً نکاح کر لیتی تھی اور ایک دن بھی خالی نہ رہتی تھی یہ ایک عام رواج تھا اور چونکہ رسم و رواج آگے چل کے قانون بن جاتا ہے اس لئے یہ ایک قانون ہو گیا تھا جسے بعد ازاں اسلام نے اور بھی مضبوط کر دیا۔

بی بی سوداؔ کے شوہر کا یہ تعبیر دینا بھی عبث تھا جبکہ اسے اپنے ملکی قانون کی پوری خبر تھی اور ساتھ ہی گردن پر پیر رکھنے کی تعبیر بھی ثانی نکاح کی طرح سمجھ میں نہیں آسکتی۔ مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب اور اسکی تعبیر اور بی بی سوداؔ کے خاوند کا مریض ہو کے مر جانا ہی غلط ہے۔ جبکہ وہ بالکل صحت کی حالت میں دشمنان اسلام کے مقابلہ میں شہید ہوا تھا۔ دوسرا سب سے زیادہ سنگین اعتراض یہ ہے کہ جب بی بی سودا ضعیف ہو گئیں تو آنحضرت نے اُنہیں طلاق دینی چاہی وہ یہ خبر سن کے یا یہ خیال کر کے کہ پیغمبر خدا طلاق دینی چاہتے ہیں سخت پریشان ہوئیں اور اُنہوں نے ایک دن رسول کریم سے کہا کہ میں اپنی باری بخوشی حضرت عائشہ صدیقہ کو دیتی ہوں۔ اے نبی کریم تم مجھے طلاق نہ دو۔ چنانچہ آنحضرت نے یہ منظور فرمایا اور اُنہیں طلاق نہ دی۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ حضرت بی بی سوداؔ کے دل میں یہ خیال گذرا تھا کہ مبادا آنحضرت بسبب ضعیفی کے مجھے طلاق دیدیں۔ آپ نے اپنے اس خیال کا اظہار آنحضرت کی خدمت میں اس صورت سے کیا تھا۔ یہ ساری باتیں محض لغو اور بے بنیاد ہیں۔ جس نبی نے محض سرپرستی اور رحمدلی فرما کے آپ کو اس وقت اپنے ہاں پناہ دی جب آپ جوانی کی عمر کاٹ چکی تھیں پھر کب سمجھ میں آسکتا ہے کہ چند ہی روز کے بعد آپ نے آنکھیں پھیر لی ہوں۔ اور ایسی بے پناہ بی بی کو طلاق دے کے نکال دینے کا ارادہ کیا ہو۔ جس شخص کی ایسی طبیعت ہو ہرگز اس کی نصایح کا اثر نہیں ہو سکتا۔ اور ممکن نہیں کہ کبھی کسی کے دل پر اس کی باتیں کوئی نیک خیال پیدا کر سکیں۔ اس قسم کی روایتیں اگرچہ بعض کتب اسلامی میں دیکھی گئی ہیں مگر اُنہیں قرآن کے مقابلہ میں صحیح سمجھنا اور اُن ہی پر تکیہ کر کے بیٹھ رہنا تحقیق اور انصاف کے

حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے دو مہینے کے بعد ظہور میں آیا تھا۔ اس کے بعد حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰) خلاف ہے۔

اسلامی کتب میں ہزارہا اس قسم کی روایتیں موجود ہیں کہ اگر اُن کا انتخاب کیا جائے اور صرف اُن ہی کو پیش کیا جائے تو کبھی اُن سے اسلام کا مفہوم نہیں نکلتا کہ جو قرآن مجید پیش کرتا ہے اسلام کی بے نظیر کامیابی جس کی شہادت دیتی ہے۔ ایک عیسائی مصنف اپنے دعوے میں روضۃ الاحباب کو پیش کرتا ہے۔ دوسرا الواقدی کو تیسرا ابوالفدا کو چوتھا طبری کو پانچواں ابن ہشام کو۔ یہ صحیح ہے کہ یہ اسلام کی تاریخیں ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ مسلمانوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ لیکن جمہور کا اتفاق ان کتابوں کے مصنفین کی معصومیت پر نہیں ہے اور نہ خدا کی طرف سے اُنھیں کوئی سند صداقت کی مل گئی ہے نہ ان کتابوں کو اسلام سے کچھ تعلق ہے کیونکہ یہ کتابیں اسلام کے بعد کی تصنیف کی ہوئی ہیں۔ ان میں تحریف کا ہونا بھی ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصنف سے غلطی ہوئی ہو۔ جب قرآن مجید موجود ہے پھر ہم اس سے کیوں نہ تحقیق کریں اور کیا وجہ ہے کہ ہم اپنا دارومدار جھوٹی روایات پر کر لیں۔ اسلام پر کیا مقرر ہے دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس کا تکیہ محض مصنفوں کی رائے پر ہو۔ سر ولیم میور نے جہاں اسلام پر اور عنایتیں کی ہیں۔ وہاں آپ یہ بھی زور دیتے ہیں کہ الواقدی کو جسے کل مسلمان مصنف کاذب کہہ چکے ہیں۔ صحیح مانا جائے اور بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ میں نے بہت سی روایتیں اسی سے منتخب کی ہیں۔ خیر یہ اُن کی ذاتی رائے ہے اور اُنھیں اختیار ہے کہ وہ اپنی رائے خواہ کچھ ہی کیوں نہ رکھیں مگر اسلام میں نہ ان باتوں کی کچھ وقعت ہے اور نہ یہ ذاتی خیالات مسلمانوں کے لئے حجت ہو سکتے ہیں۔

ہمیں بی بی سودا کی اس روایت پر ایک نظر کرنی ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ یہ روایت کیا ہے اور اسکی حقیقت کیونکر ہے۔ مسلمانوں کی صحیح کتابوں میں بھی اس روایت کا ذکر ضرور ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس سے حضور انور کی ذات پر کیا الزام آتا ہے حضرت عائشہ کو اپنی باری دینے کا خیال آنا۔ اور اس کی درخواست کرنا یہ حضرت بی بی سودا

صدیق اکبر کی صاحبزادی حضرت بی بی عائشہؓ سے نکاح ہوا۔ یہ نکاح محض اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ (۶۱) کی ضعیفی پر دال ہو سکتا ہے۔ پر کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور نے
کبھی اس قسم کا اشارہ کیا یا کسی دوسرے شخص سے کہا کہ میں طلاق دینا چاہتا ہوں حضرت بی بی سودہ
اگرچہ اسلامی خواتین کی ایک عمدہ نظیر تھیں۔ اور آپ بہت پکی مسلمان تھیں۔ پھر بھی آپ میں
موروثی خون کا اثر موجود تھا۔ جو نسلاً بعد نسل آپ میں چلا آتا تھا۔ اور وہ خون وہی عربی صفت
کا خون تھا جس میں بڑھیا بیبیوں کو بلا وجہ چھوڑ دینا اور گھر سے نکال دینا ملا ہوا تھا۔ چونکہ آپ کو
ام المومنین کا فخر حاصل ہو چکا تھا اور اس فخر کی عزت آپ محسوس کر چکی تھیں۔ اس لئے آپ کے
دل میں یکایک یہ خوف گذرا کہیں پیغمبر خدا مجھے طلاق نہ دیدیں اور یہ عزت جو مجھے حاصل ہوئی
ہے نہ باقی رہے۔ اس خوف سے اگر آپ نے رسول خدا کی خدمت میں یہ عرض کر دیا ہو تو
کچھ بعید نہیں ہے۔

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب ادنی درجہ سے یکایک اُسے کوئی عزت حاصل ہو جاتی
ہے اور وہ سخت پریشانی اور بے مائیگی کے بعد کوئی اطمینان اور وقعت حاصل کر لیتا ہے تو
اُسے معمولی طور پر یہ خیال ضرور آیا کرتے ہیں۔ کہیں پھر وہی کیفیت نہ ہو جائے اور ایسی صورت
میں کہ اُس عزت پر پہنچنے کی اُسے لیاقت نہیں ہوتی اور اتفاق سے اُسے عالی مرتبہ حاصل ہو جاتا
ہے تو وہ دل ہی دل میں سہما کرتا ہے حضرت بی بی سودہ ابتدا میں ایک مصیبت زدہ خاتون
تھیں اور آپ نے اسلام قبول کرنے کے بعد بڑی بڑی سختیاں اور پریشانیاں اُٹھائی تھیں۔
اودہر اُن مہیب رسوم کا اثر آپ کے دل و دماغ میں موجود تھا۔ جو صدہا برس سے آپ کی قوم
میں چلی آتی تھیں۔ اور چونکہ آپ ضعیف بہت ہو گئی تھیں۔ اور اس ضعیفی کا اثر آپ کے خیالات پر
بخوبی پڑنے لگا تھا۔ آپ نے یکایک یہ تصور کیا اور آپ کو ایک خوف سا معلوم ہوا۔ اور
آپ نے اپنا دلی اظہار حضور انور کی خدمت میں کر دیا اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ کسی صحیح
روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپ نے بی بی سودہ کی باتوں کا کیا جواب دیا اور آیا آپ نے
اُن کی اس پریشانی میں کچھ ڈھارس بندھوائی۔ یا نہیں اور پھر آپ کبھی حضرت بی بی سودہ کے

دلی دوست حضرت صدیق اکبرؓ سے تعلقات بڑھانے کی بنا پر کیا گیا تھا اس وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲) پاس گئے انہیں یا اخیر دم تک انکی صورت نہیں دیکھی۔ یہ ساری باتیں بہت ہی غور طلب ہیں اوران پر معمولی توجہ سے ہرگز کام نہیں نکلتا باری سونپنے اور اس باری کی درخواست کو قبول کرنے کے یہ معنے ہیں کہ آپ نے اُن سے زن وشوئی کا تعلق قطع کر دیا تھا اور اخیر تک آپ نے بی بی سودا کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ حالانکہ رسول خدا کے اخلاق سے یہ امر بہت ہی بعید ہے۔ جس پاک نفس کی تعلیم کا یہ اثر ہو کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی کروڑوں بندگان خدا صرف آپ کے مبارک نام پر جان دینے کو موجود ہوں اور آپ کا نام اُن کے کلیجے ہلا دینے کے لئے عجیب اثر رکھے۔ اس کی نسبت ایسے مہمل خیالات پکانے سخت بے انصافی ہے یہاں سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ اگر اس روایت کو بہمہ وجوہ صحیح بھی مان لیا جائے پھر بھی رسول مقبول پر کوئی الزام نہیں ہوتا۔ کیونکہ درخواست کی بی بی سودا نے اپنے موروثی خیالات کے مطابق محض بڑھاپے اور کمزوردل ہونے کی وجہ سے۔ از خود بی بی سودا کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور انہوں نے معمولی طور پر اُس کا دفعیہ حضور انور سے ذکر کرکے کر دیا اور ساتھ ہی باری سے دست بردار ہونے کے یہ معنی ہیں کہ میری عمر بڑھاپے کی آگئی ہے میں نے کچھ شوہر کی خواہش کی وجہ سے نکاح نہیں کیا تھا۔ بلکہ غرض یہ تھی کہ میں حضور انور کی سرپرستی میں آجاؤں اور بس باری دینے کے معنے یہی ہیں اور بلا درخواست اپنی باری سے دست بردار ہونے کا یہی مطلب ہے جو بیان ہوا ایک پہلو یہ تھا جو ہم نے بیان کیا اور اس روایت کا دوسرا پہلو اور ہے جس پر ہم بحث کرتے ہیں اور ہم اس قسم کی جتنی روائتیں ہیں خواہ وہ صحیحین میں ہوں یا قرآن مجید میں۔ تواریخ میں ہوں یا تفسیر وں میں سب کے ایک ہی معنے لیتے ہیں۔ اور کل روائتوں کا ایک ہی پہلو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ قرآن مجید میں رسول کریم کو ازواج کے معاملہ میں خطاب کیا گیا ہے۔ اصل میں اس خطاب کے اصلی مخاطب مسلمان ہیں۔ عورتوں کا معاملہ چونکہ زیادہ پیچیدہ تھا اور بہت ہی خطرناک صورت پکڑ گیا تھا اس لئے اُس کا زیادہ سمجھانا مقصود تھا اور سمجھانے کا عمدہ پیرایہ

آپ کی عمر چھ یا سات برس کی تھی۔ لیکن حضور انور کی مبارک عمر پچاس برس سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳) یہی تھا کہ خود نبی کو مخاطب بنا لیا جائے۔ جب نبی سے خطاب کیا جائے گا۔ تو مسلمانوں پر اس کا بہت بڑا اثر پڑے گا۔ اور وہ نہایت کوشش سے اس پر عمل کریں گے اسی طرح جتنی صحیح حدیثیں اس قسم کی آئی ہیں۔ ان میں بھی دوراندیش پیشوایان اسلام نے بالخصوص عورتوں کے معاملہ میں آنحضرت ہی سے نسبت دی ہے تاکہ مومنین کو تنبیہ ہو۔ مثلاً بی بی سوداہی کے معاملہ سے ایک زبردست تنبیہ مسلمانوں کو نکلتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ایک بی بی بڑھیا ہو جائے اور تمہاری اور جوان بیبیاں موجود ہوں یا تم نکاح کرو تو اس بڑھیا کو محض بڑھاپے کی وجہ سے طلاق دینی نہیں چاہیئے اور باہم اس معاملہ کا طے ہو جانا لازم ہے۔ جیسا کہ خداوند تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ وان امرأۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحا والصلح خیر (سورہ نساء) یعنے اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے علیحدگی اور بے پروائی کا اندیشہ ہو تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ کہ وہ آپس میں صلح کریں اور صلح بہتر ہے اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ بعض راوی تو یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت بی بی سودا کے لئے نازل ہوئی تھی۔ جب اُن کے دل میں یہ خوف پیدا ہوا تھا کہ رسول خدا مجھے طلاق نہ دیدیں اور بعض راویوں کا یہ قول ہے کہ اس آیت میں عام حکم ہے اور اس کا نزول بالخصوص بی بی سودا کے لئے نہیں ہوا تھا۔ بہرحال کچھ ہی کیوں نہ ہو اس آیت سے یہ ضرور پایا جاتا ہے کہ مفارقت کسی صورت سے جائز نہیں ہے اور باہم صلح ہو جانی بہتر ہے۔ اب عورت کے دل میں اپنے خاوند کی طرف سے خوف پیدا ہو جانا بے بنیاد بھی ہو سکتا ہے اور اس کی معقول وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ خاوند کسی فکر یا کسی خیال کی وجہ سے چند روز تک بی بی سے اپنی معہودہ عادت کے مطابق برتاؤ نہ کرے اور بی بی کو شبہہ ہو کہ یہ مجھ سے ناراض ہے اور مجھے چھوڑنا چاہتا ہے۔ ایسی حالت میں خیالات کی صفائی ضرور ہونی چاہیئے۔ اور یہی حکم خدا تعالیٰ کا ہے یا شوہر کو اپنی بی بی کی کوئی بات بری لگی ہو اور وہ کسی وجہ سے نہ کہہ سکتا ہو مگر

علم نہ تھی۔ نکاح سے تین سال کے بعد وداع ہوئی اور اس سے خاندانی تعلقات کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴) کشیدہ خاطر رہنے لگے اور عورت کو اپنی خطا کا علم نہ ہو اور وہ دل میں مفارقت کا اندیشہ کرنے لگے تو اس حالت میں بھی صفائی ہو جانی بہتر ہے تاکہ طرفین کے دل سے کدورت نکل جائے۔

غرض حضرت بی بی سودہ کا ایسا معاملہ نہیں ہے جس پر یہ طوفان بے تمیزی برپا ہو رہا ہے اور بلا وجہ اُسے رنگ چڑھا چڑھا کے بیان کیا جاتا ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ جو روایت سے ثابت ہوتی ہے کہ اُن کے دل میں از خود یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت بسبب ضعیفی کے مبادا مجھے طلاق دیدیں اور اُنہوں نے اپنے بے بنیاد شبہ کو آنحضرت سے عرض کرکے رفع کر لیا۔ بس اتنی بات ہے اور اس میں اور کوئی اعتراض کے قابل امر نہیں ہے۔

بی بی سودہ اگرچہ خاتم النبیین کی بی بی تھیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ میں نبوت کی شان بھی پائی جاتی تھی۔ اور ان ربانی صفات سے مملو تھیں۔ جو خاص نبیوں کو فطرت کیطرف سے عطا ہوتی ہیں آپ میں علاوہ موروثی خون ہونے کے عورتوں کی وہی فطرت تھی جو روز ازل سے انہیں عطا ہوئی ہے اور اسی وجہ سے آپ کے دل میں وہی خیال آیا جو اس عمر والی بی بی کو آسکتا تھا۔ بڑی حکمت جو آپ کے اس خیال میں مضمر ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اس طرح اپنا اندیشہ ظاہر کرکے اس بات کا نقشہ کھینچ دیا کہ اس زمانہ میں عورتوں سے کیسا شرمناک برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اور بیبیاں میلی جوتی کے برابر تھیں کہ پرانی ہوئی اور اُتار کے پھینک دی۔ یہی راز تھا جو اس روایت میں مضمر ہے اور جس کا بڑی دقت سے کھوج لگایا گیا ہے۔

جو کچھ ہم نے اوپر لکھا ہے اس روایت کو صحیح مان کے لکھا ہے مگر ہماری رائے جہاں تک ہمیں تحقیق ہوا ہے یہ روایت سراسر بناوٹی اور لغو ہے اور رسول کریم کی معاشرت پر ہرگز چسپاں نہیں ہوتی۔ یہ روایت منجملہ اُن لاکھوں غلط روایات کے ہے جو جدید فرقوں نے اسلام میں داخل ہونے کے بعد تراشی ہیں اور کسی اعلےٰ درجہ کے

وہ مقاصد جو پہلے خیال کر لئے گئے تھے ظہور میں آئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵) مورخ یا محدث کو واقعات یا حدیث کی تدوین کرتے وقت اس کا خیال نہ رہا ہو۔ اس لئے کہ کسی محدث کسی مفسر کسی مجتہد کو معصوم نہیں تسلیم کیا گیا ہے اور کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا کہ فلاں محدث یا مفسر یا مجتہد معصوم تھا۔ جب اسماء الرجال بنا ہے اور کھری کھوٹی حدیثیں پرکھنے میں آئی ہیں ممکن اور قرین قیاس ہے کہ لاکھوں جھوٹی سچی حدیثوں کے انتخاب کے وقت دس بیس پچاس ایسی بھی انتخاب ہو گئی ہوں جنہیں سچا سمجھ لیا ہو۔ اور وہ اخیر میں اُن صحیح کتابوں میں باقی رہ گئی ہوں جو اسوقت ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ ہماری اس رائے سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا اس لئے کہ سوائے رسول کریم کے ہم کسی کی معصومیت کے قائل نہیں ہیں۔ اس کی بابت ہم آئندہ کہیں مفصل بحث کریں گے اور اب بی بی سودا کے حالات کو لکھ کے ختم کرتے ہیں کہ اول تو یہ روایت ہی صریح طور پر لغو ہے خواہ علاوہ قرآن کے کسی کتاب میں کیوں نہ ہو اور اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو ہماری اوپر والی توضیح اس کے لئے کافی ہے۔

## حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اس خاتون اعظم کی نسبت کچھ اعتراضات کئے گئے ہیں نہ صرف عیسائیوں کی طرف سے بلکہ مسلمانوں کے ایک فریق کی جانب سے بھی بہت کچھ نکتہ چینیاں ہوئی ہیں۔ ہم ان اعتراضوں کی اصلیت پر غور کریں گے اور دیکھیں گے کہ وہ کہاں تک صحیح ہیں اور ان کی اصلیت کیا ہے۔

مختلف روایتوں کے طوفان بے تمیزی نے غضب ڈھایا ہے اور جب ایک محقق شخص اس ڈھیر میں سے سچی روایتیں منتخب کرنا چاہتا ہے تو اسے دقتیں پڑتی ہیں اور وہ پریشان ہو کے کبھی منہہ نوچتا ہے اور کبھی گریبان پھاڑتا ہے اور پھر غور کرنے بیٹھ جاتا ہے بڑی کوشش اور وقت کے بعد ہم نے کچھ واقعات کا انتخاب کیا ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارا یہ انتخاب ایک حد تک ناظر سیرۃ کا اطمینان کر دے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابو بکر صدیق کی

حضور انور سخت مایوسی کی حالت میں طایف سے واپس تشریف لا چکے تھے اور یہ مایوسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۶) صاحبزادی تھیں اور آپ کی سات سال کی عمر تھی جب رسول کریم سے آپ کا نکاح ہوا تھا۔ اور تین برس کے بعد آپ وداع ہوئی ہیں۔ اس کم عمری کے نکاح پر بعض دریدہ دہن عیسائیوں نے بہت بڑی زبان درازیاں کی ہیں اور محض بازاری الفاظ سے رسول کریم کو یاد کیا ہے مگر ہم نہ ان الفاظ کو نقل کریں گے نہ ان کا ترکی بترکی جواب دیں گے۔ بلکہ جو طریقہ کہ نہایت شایستگی کا ہم نے اختیار کر لیا ہے اس سے ہم تجاوز نہیں کریں گے اور ان ہی مہذب الفاظ میں کل جوابات آجائیں گے۔

پہلا اعتراض صرف یہ ہے کہ نبی کی شان سے بعید ہے کہ اس چھوٹی سی عمر کی بچی سے نکاح کرے۔ اس اعتراض کا مطلب نہیں سمجھ میں آیا۔ نکاح کے لئے کوئی عمر خاوند یا بی بی کی آسمانی مقرر کی ہوئی نہیں ہوتی چونکہ یہ دنیا کے معاملات ہیں اس لئے ملکی رسوم کے موافق اُن پر کاربند ہونا پڑتا ہے اگر ایک شخص کا نکاح اپنی عمر سے بہت کم لڑکی سے ہوا تو اس کے یہ معنے ہرگز نہیں ہوئے کہ بدنیتی سے نکاح ہوا۔ جب جائز طریقہ مناکحت کا برتا گیا پھر اس کے ناجائز ہونے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ عرب چونکہ گرم ملک ہے اس لئے وہاں چھوٹی عمر میں اکثر نکاح ہو جاتے ہیں کچھ عرب ہی پر مقرر نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کے تمام ممالک میں عورت و مرد کی عمر میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ ہر قوم میں ہزاروں ایسے لوگ موجود ہیں جن کی عمریں پچاس ساٹھ سال سے زیادہ تجاوز کی ہوئی ہیں۔ مگر ان کی بیبیوں کی عمر پندرہ سولہ برس سے زیادہ کی نہیں ہے اگر نکاح کرنے میں عمروں کی کوئی قید ہو تو وہ بتانی چاہیئے۔ مثلاً یوسف نجار کی عمر تخمیناً اسی سال کی تھی اور حضرت بی بی مریم عیسائیوں کے فرضی خداوند کی والدہ ماجدہ کی پندرہ سولہ سال کی تھی۔ جب شادی ہوئی ہے کیا ہم اپنی نادانی سے اس شادی کو ناجائز رکھیں گے۔ اور کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا کا بڑا حصّہ ناجائز شادیوں کا مرتکب گنا جائے۔ یہ عجیب قانون ہے اور غریب استدلال ہے کہ جس کا سرنہ پیر۔ رسول کریم بدنیت تھے اس لئے انہوں نے بہت کم عمر کی لڑکی سے نکاح کیا تھا۔ اس سے زیادہ تعصب اور ہو نہیں سکتا کہ بلاوجہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶) الزام قایم کر دیا اور خوش ہو گئے کہ ہم نے بڑا پالہ مارا۔

اس نکاح کا ایک سیاسی پہلو ہے اور اُسے بغور دیکھنا چاہیئے۔ حضرت صدیق اکبر قریشی سردار تھے اور انہیں رسول کریم نے ایک خاص عزت بخشی تھی۔ ہجرت کے وقت بھی انہوں نے رفاقت کی تھی اور حضرت صدیق کی صاحبزادی اپنی جان کا خوف نہ کر کے غار میں ایک وقت کھانا پہنچا آتی تھیں یہ خلوص اور محبت تھی مگر صدیق اکبر کے بہت سے رشتہ دار بھی مخالفت پر تلے ہوئے تھے اور برابر مخالفانہ کارروائی کئے جاتے تھے۔ حضرت ابوبکر کے خیال میں اس سے بہتر کوئی حکمت نہیں آئی کہ اپنی صاحبزادی کا نکاح رسول کریم سے کر دیں تا کہ رشتہ داروں کی غصہ کی آگ رشتہ ہو جانے کی وجہ سے ٹھنڈی پڑے اور بعد ازاں علانیہ مخالفت نہ ہو سات برس کی عمر میں نکاح کرنے سے یہی بہت بڑی غرض تھی اور فی الحقیقت حضرت ابوبکر صدیق کا خیال بھی صحیح تھا۔ آپ نے اپنے خیال کو پختہ کر کے رسول کریم سے درخواست کی اور عرض کیا کہ میں اپنی چاہتی بیٹی آپ کے نکاح میں دیتا ہوں۔ رسول کریم نے قبول فرمالیا۔ یہ ممکن ہے کہ صدیق اکبر نے اس جدید نکاح کے راز اپنے معصوم نبی کو سمجھائے ہوں گے اور تمام اونچ نیچ بتادی ہوگی۔ غرض باقاعدہ نکاح ہوا اور تین برس کے بعد حضرت بی بی عائشہ وداع کر دی گئیں۔

اس جدید تلقین نے ایک نئے اتحاد کی اور بنیاد ڈالی اور جو مقاصد کہ اس سے حاصل ہونے خیال کئے گئے تھے سب آسانی سے حاصل ہو گئے۔ اب یہ باتیں بیان کرنا کہ رسول کریم کو سب بیبیوں سے زیادہ بی بی عائشہ سے بہت محبت تھی اور آپ اُن ہی کے پاس زیادہ رہتے تھے فضول بات ہے ہم بھی کہتے ہیں ہاں محبت تھی اور بہت ہی محبت تھی سخت شرم کی بات ہے کہ خاوند بی بی کی محبت پر بھی نکتہ چینیاں ہوتی ہیں اور اسے بھی عیب گنا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ آپ نے اپنی بیبیوں سے محبت کر کے اس بات کی نظیر قایم کر دی

عزم بالجزم ان مصائب پر بھی جوں کا توں بنا ہوا تھا۔ آپ کسی اچھے موقع کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸) کہ بیبیاں اس لئے نہیں بنائی گئی ہیں کہ اُن سے بحقارت پیش آیا جائے اور اُنہیں مثل لدادو جانوروں کے سمجھا جائے اور نفرت سے اُن سے بات کی جائے۔ اور کبھی بخندہ پیشانی اُن سے پیش نہ آیا جائے یہ ساری باتیں دنیا کی تمام متمدن اور غیر متمدن اقوام میں عورتوں کے ساتھ برتی جاتی تھیں۔ اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں عورتوں کو اثاث البیت خیال کیا جاتا تھا۔ نیا لے لیا پرانا پھینکدیا۔ آپ نے اس لئے بھی اتنی شادیاں کی تھیں کہ خود برتاؤ کرکے اپنی امت کو بتا دیں کہ کس طرح بیبیوں سے محبت رکھتے ہیں ان کے فرائض کیا ہیں اور انہیں کیونکر ادا کیا جاتا ہے۔ متعدد بیبیاں ہونے پر بھی سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جاتا ہے اور یکساں سب کے حقوق کی نگہداشت کی جاتی ہے۔ زبانی نصیحت کا اتنا بڑا اثر نہیں پڑتا تھا جتنا عملی نصیحت کا ہوتا ہے اور آپ کو بحیثیت ایک جلیل القدر نبی ہونے کے لازمی بلکہ ضروری تھا کہ دنیا کی معاشرت میں آپ نے جو کچھ ترمیمیں کی تھیں وہ خود کرکے دکھا دیں جو کچھ آپ کی ترمیم شدہ معاشرت تھی وہ نہ صرف قریشوں سے بلکہ یہود و نصاریٰ سے بھی غیر تھی۔ عورتوں کے حقوق کی نگہداشت اس طرح اُن سے محبت کرنا یہ ایک عجیب و غریب منظر تھا جو دنیا تعجب سے دیکھ رہی تھی اور بعد ازاں مسلمانوں کی معاشرت کہ لونڈیاں بیگموں سے زیادہ بڑھ گئیں غیر قوموں میں تعجب سے دیکھی گئی۔

اگر آپ متعدد نکاح نہ کرتے تو مسلمانوں کو عملی طور پر کیونکر سمجھا سکتے تھے کہ بیبیوں سے کیونکر برتاؤ کرنا چاہیئے۔ اور اُن کے حقوق اگر متعدد ہوں تو مساوی رکھنا خاوند کا بہت بڑا فرض ہے۔ عیسائی حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ آپ کو عورتوں سے بہت محبت تھی۔ یہ بھی عجیب تماشہ کی بات ہے کہ عورتوں سے محبت کرنے کو اس انیسویں صدی کے متمدن زمانہ میں جرم قرار دیا جاتا ہے لاکھ کچھ تہذیب پھیلے اور ہزار کچھ تمدن میں ترقی ہو لیکن ممکن نہیں کہ عیسائیوں کی عورت سے

انتظار میں تھے کہ یکایک حج کا زمانہ شروع ہوگیا یہ وہ زمانہ تھا کہ لڑائی اور فساد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹) نفرت کرنے کی موروثی عادت جاتی رہے۔ انسان کی جو اصلی فطرت ہونی چاہیئے اور جس کے بغیر انسان کبھی انسان بن نہیں سکتا۔ اس صفت پر دریدہ دہن معترض حملہ کرتے ہیں اور اس کا شمار دنیا کے بدترین عیبوں میں کرتے ہیں۔ عیب نماید ہنرش درنظر" کا مضمون ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے اور اس کی صداقت میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ مجھے تین چیزیں مرغوب ہیں۔ نماز۔ خوشبو اور عورت۔ بظاہر اس حدیث سے نفس پرست کچھ ہی خیال کیوں نہ کریں۔ مگر اس حدیث قدسی میں عورتوں کے اعلےٰ مدارج کہ پورا خاکا کھینچ دیا ہے اور بتا بھی دیا ہے کہ عورتوں کے کیا مدارج ہیں۔ اور ان کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیئے۔ دنیا بھر کی اس شرمناک رسم پر کہ عورتوں کو مثل مویشیوں کے خیال کیا جاتا تھا۔ اس حدیث سے ایک بہت بڑا تازیانہ لگا۔ اور تمام قدیم خیالات کی جڑ اکھیڑ کے پھینک دی گئی۔ آپ نے عورتوں کی محبت کو عبادت الہی کے پہلو بہ پہلو رکھا ہے اور اس سے زیادہ عورتوں کی تعظیم ممکن نہیں۔ کون اعتراض کرسکتا ہے کہ اسلام میں عورتوں کی کوئی وقعت نہیں کی گئی۔ اور کون دعوےٰ کرسکتا ہے کہ اسلام عورتوں کے حق میں ظالم ثابت ہوا ہے آپ نے عورتوں سے محبت کرنے کا بڑا اسٹر گرمی ہے اس وقت اعتراف فرمایا کہ جب عورتوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کرنے کی مہیب رسم تمام عرب میں جاری تھی اور تمام قوموں نے عورت کو شیطان کا لقب دیا تھا۔ اس رستخیز اور عورتوں سے انتہا درجہ نفرت کے زمانہ میں عورتوں کی محبت کو عبادت رب الافواج اور خوشبو کے پہلو بہ پہلو رکھدینا ایک زبردست دلیری اور اعلےٰ درجہ کی عورتوں کے مدارج میں ترقی تھی۔ اور انصاف سے نظر کرنے کے بعد معلوم ہوسکتا ہے کہ عورتوں سے محبت اور اُن کا پاس و ادب کرنے کا فخر اسلام سے زیادہ کسی مذہب کو بھی نہیں ہے۔ جو عیسائی مصنف کہ اس غیر معمولی محبت پر حضور انور پر اعتراض کرتے ہیں وہ بھی حق بجانب ہیں کیونکہ انہیں آپ نے آباء و اجداد کی نفرت کا ورثہ ملا ہے اگرچہ بظاہر وہ

سب بند ہو جاتے تھے حضور انور نے علانیہ وعظ فرمانے شروع کئے اور آپ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۰۷) کیسی ہی باتیں بنائیں۔ لیکن ممکن نہیں کہ دل سے اس نفرت کو مٹا دیں جو انکے خون میں صدہا سال سے ملی ہوئی ہے۔

حضور انور نے زبان مبارک ہی سے نہیں فرمایا کہ مجھے عورتوں سے دلی محبت ہے بلکہ عملی ثبوت بھی اس کا دیدیا اور دنیا کو سکھا دیا کہ عورتوں کی محبت انسانیت اور شرافت کی جزو اعظم ہے اور وہ انسان نہیں ہے کہ جس کے دل میں عورتوں کا پاس و ادب نہ ہو۔

حضور انور کی اس عملی تعلیم کا اثر مسلمانوں پر تین طور سے ہوا اور آج دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں نکلنے کی جس کے ہاں عورتوں کا اتنا بڑا احترام کیا جاتا ہو۔ جتنا مسلمانوں کے ہاں ہوتا ہے۔ حضور انور کی کل ازواج پاک امہات المومنین کے معزز لقب سے ممتاز ہیں اور ہمیشہ مسلمانوں نے اس کا وہی احترام کیا ہے جو اُن کے ساتھ بمقتضائے اصول اسلام ہو سکتا تھا۔ حضرت فاطمۃ الزہرا حضور انور کی صاحبزادی دنیا کی خاتونوں میں اول درجہ سمجھی جاتی ہیں۔ اور آپ ہی خاتون محشر بھی کہلاتی ہیں۔ یہاں تک آپ کا احترام کیا گیا کہ مسلمانوں نے اپنی اخروی نجات کا دارومدار آپ ہی کی تعظیم پر منحصر کر دیا۔ اسی طرح حضرت بی بی عائشہ کو تمدن اسلام میں بہت بڑا مرتبہ عطا کیا گیا اور احادیث صحیحہ کے بڑے حصہ کی صحت کا دارومدار صرف آپ کی ذات پر موقوف ہے۔ آپ سے صدہا احادیث منقول ہیں اور آپنے مذہب اسلام کو ایسی مدد دی ہے کہ جب تک دنیا قایم ہے وہ آپ کا ممنون رہے گا۔

حضرت بی بی عائشہ کی مفصل سوانح عمری سے جو ہم آگے لکھیں گے آپ کا علم و فضل آپ کا سیاسی دماغ آپ کی سپاہیانہ کارروائیوں کا پورا علم ہو جائے گا اور کافی طور پر اس امر کی صداقت ہو جائے گی کہ اسلام نے عورتوں کو کتنا عروج پر پہنچایا تھا اور انکی مردوں کے ساتھ کس حد تک مساوات ہو گئی تھی۔

اس نکاح کی بابت اگر عیسائیوں کا کوئی اعتراض ہے تو وہ یہ ہے کہ بہت کم عمری میں نکاح ہوا اور بس۔ سوا اسکے وہ کوئی اعتراض نہیں کرتے یا اُن روایتوں کو نقل

ایک دن عرفات سے منا میں آکے قیام پذیر ہوئے کیونکہ لوگ عرفات میں اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷) کرتے ہیں جو حضرت بی بی عائشہ کی نسبت مشہور ہیں کہ اُنہوں نے اپنی زبان سے اپنے تعلقات زوجیت کا اظہار کیا اور اس محبت کو بتایا جو حضور انور آپ سے رکھتے تھے۔ چنانچہ ہم ان روایتوں کا خلاصہ کر دیتے ہیں جو حضرت بی بی عائشہ کے ساتھ نسبت دیجاتی ہیں اور اُنہیں انکا قائل بتایا جاتا ہے وہ روایتیں یہ ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ مَیں پیغمبر خدا کی ساری ازواج میں کئی وجہ سے اچھی ہوں۔ اول آپ کی ساری بیبیوں میں مَیں ہی کنیا ہی آئی۔ دوم میرے ماں باپ مہاجر تھے۔ سوم جب زناکاری کا بہتان لگایا گیا تھا۔ آسمان سے میرے بے گناہ ہونے پر آیت نازل ہوئی تھی چہارم جب میں بن بیاہی تھی۔ جبرئیل ؑ نے میری تصویر پیغمبر خدا کو دکھائی تھی کہ اس سے نکاح کر۔ پنجم میں اور پیغمبر خدا ایک برتن میں دونوں نہایا کرتے تھے اور کسی بی بی کے ساتھ ایسا نہیں ہوا ششم شب کو پیغمبر خدا نماز پڑھتے تھے اور میں سامنے لیٹی رہا کرتی تھی۔ ہفتم۔ کسی بی بی کے ہاں سوئے ہوئے وحی نہیں آئی۔ مگر میرے ہاں اس وقت کبھی کبھی وحی بھی آتی تھی۔ ہشتم آپ نے اُسوقت دفات پائی جب میرے زانو پر سر رکھا ہوا تھا۔ نہم جس شب آپ نے وفات پائی وہ میرے مکان میں رہنے کی شب تھی۔ دہم میرے ہی حجرے میں آپ مدفون ہوئے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں مشہور ہیں جو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کی جاتی ہیں یعنے آپ فرماتی ہیں جب میرا نکاح ہوا میں چھ سال کی تھی اور جب میں اپنے گھر سے وداع ہوئی تو میری عمر نو برس کی تھی۔ میرا مہر پانسو درہم کا بندھا تھا۔ وغیرہ وغیرہ اور بھی بہت سی روایتیں ہیں جو ہم نے عمداً قلم انداز کر دی ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ سب کا ایک ہی مفہوم یہ ہے کہ پیغمبر خدا کو آپ کے ساتھ سب بیبیوں سے زیادہ خصوصیت تھی اب ہم ان روایتوں کی فطرت پر ایک نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں صداقت کا کتنا مادہ ہے۔

جہاں تک غور کیا جاتا ہے ان میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی اس کی

مذہبی ارکان ختم کرکے منا میں قربانی کرنے کو جمع ہوتے تھے۔ اور جب قربانی کر چکتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۲) خاص وجہ یہ ہے کہ جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ دوسری ازواج نے آپ کے مقابلہ میں رسول خدا کی محبت کا اظہار کیا تھا ہرگز یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بلاوجہ حضرت عائشہ نے اُن راز دارانہ تعلقات کے بیان کرنے میں جو زوجیت سے متعلق تھے اتنی دردسری فرمائی ہو۔ کسی حدیث اور کسی تاریخ اور کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور کے وصال کے بعد خلفائے راشدین میں سے ایک خلیفہ نے بھی امہات المومنین کی تحریم اور عزت کرنے اور اُن کے حقوق بحال رکھنے میں کچھ بھی کمی کی ہو یا اُن میں کچھ امتیاز قایم کیا ہو۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں کل ازواج پاک سے ادب اور بے انتہا تحریم کا یکساں برتاؤ کیا جاتا تھا سب کی تنخواہوں میں مساوات تھی اور ایک تل برابر فرق بھی کسی سے برتاؤ کرنے میں نہ تھا۔ حضرت بی بی عائشہ کی زیادہ تنخواہ مقرر نہیں ہوئی تھی نہ انہیں کوئی جاگیر بخش دی گئی تھی۔ نہ بی بی حفصہ کے ساتھ کوئی خاص رعایت حضرت فاروق اعظم کے زمانہ میں ہوئی تھی جب یہ بات نہ تھی اور مساوات اس درجہ تک قایم تھی پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر کسی بی بی نے حضور انور کے ساتھ اپنی خصوصیات کا جبکہ مقابلہ میں اور کوئی مدعی نہ تھا بلاوجہ اظہار کیا یہ ایک گہرا راز ہے جو زیادہ توجہ کا محتاج ہے اور یہ ایک بڑی بات ہے جس کے ذریعہ سے مذکورہ روایتوں کی صداقت اور غیر صداقت معلوم ہو جاتی ہے۔

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب وہ کسی سرپرست کی وفات کے بعد اپنے حقوق زائل ہوتے ہوئے دیکھتی ہے یا یہ نظر کرتی ہے کہ دوسرا مدعی مقابل میں اپنی خصوصیت کا اظہار کر رہا ہے تو اس وقت اد بدا کے اسے ان تعلقات کا خواہ زبانی ہوں یا تحریر میں آچکے ہوں اظہار کرنا پڑتا ہے جو مرحوم کے ساتھ اُسے تھے۔ اس کا ذکر نہیں کہ اسکے بیان میں صداقت کس قدر ہوتی ہے اور لغویات کتنی اور جب یہ بات نہیں ہے اور کوئی مدعی بھی نہیں کھڑا ہوا ہے اور نہ حقوق زایل ہونے کا اندیشہ ہے پھر ممکن نہیں ہو سکتا

تھے تو اپنے اپنے گھر واپس چلے جاتے تھے۔ اس ہجوم میں منا کی تنگ گھاٹی کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۳) کہ وہ بلا وجہ بولنے لگے کہ مجھ سے یہ خصوصیت تھی اور یہ گہرا تعلق تھا۔ ایک پہلو تو یہ ہے دوسرا پہلو اُن .. روایات کا جن کی نسبت حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے دی جاتی ہے یہ ہے کہ خیال نہیں ہو سکتا کہ زوجیت کے راز دارانہ تعلقات کا کوئی خاتون علے الاعلان اظہار کرے۔ عورت کی فطرت میں خواہ وہ کسی ملک کی کیوں نہ ہو شرم کا مادہ ودیعت ہوا ہے اور ساتھ ہی وہ اپنے خاوند کے رازوں کو بھی کبھی کسی حالت میں دوسروں کے آگے بیان نہیں کرنے کی یہ باتیں جن کا تعلق خاص اپنے نفس سے ہوتا ہے کسی دوسرے شخص کے آگے اُن کا دوہرانا محض فضول ہے اور بالخصوص حضرتِ عائشہ صدیقہ جیسی عالمہ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ آپ نے زوجیت کے رازوں کا اس طرح اظہار کر دیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ یہ روایتیں اسلامی کتب میں موجود ہیں اور اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ اُن میں بعض روایات کا پتہ اسلامی کتب صحیح میں بھی ملتا ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اُن روایتوں کا وُہ مفہوم سمجھیں جس کو عام لوگ سمجھتے ہیں ہم کہتے ہیں جس طرح ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کی عزت اور تکریم کا خیال تھا۔ اسی طرح آپ کے بعد علما اور محدثین کو بھی اس کی طرف پوری توجہ تھی۔ چونکہ یہ ترمیم عورتوں کے تمدن میں نئی نئی ہوئی تھی۔ اس لئے علماء اسلام کو خیال تھا کہ مبادا نومسلم پھر اپنی موروثی عادت پر اُتر آئیں اور عورتوں کو اُسی نفرت کی نظر سے دیکھنے لگیں جس نظر سے کہ اُن کے آبا و اجداد یا وہ خود قبل از اسلام دیکھتے تھے۔ اس نظر سے ایسی روایتیں بنائی ہوں جس میں یہ تذکرہ ہو کہ نبی معصوم کس طرح اپنی ازواج پاک سے محبت رکھتے تھے اور آپ نے عام مسلمانوں کو کس طرح عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی عمدہ تعلیم دی ہے۔ ان روایات کے بیان کرنے میں سوائے اس حکمت کے اور کوئی حکمت سمجھ میں نہیں آتی۔ ابتدائے زمانہ کے مسلمانوں کے سادہ خیالات اور مساوی معاشرتیں تھیں جو اُن کے دل میں تھا وہ اُن کی زبان پر تھا اور وہ

اِدھر اُدھر پھر کے حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھ یا سات آدمیوں کی ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۴) ہر گز نہیں سمجھتے تھے کہ جو اقوال نیک نیتی سے بیان کئے گئے ہیں اُن پر اسی طرح نکتہ چینیاں ہوں گی اور یہ طوفان بے تمیزی اٹھے گا۔ وہ اپنا سا نیک نیت دنیا کو سمجھتے تھے اور انہیں اسلام نے اول روز سے یہ تعلیم ہی نہیں دی تھی کہ بدظنی کو اپنے خیال میں رستہ دیتے ان روایات کی مجموعی صورت پر جب نظر جائے گی تو معلوم ہوگا کہ کسی طور سے بھی ان کی نسبت حضرت عائشہ کی ذات کے ساتھ نہیں ہوسکتی اور ممکن نہیں کہ انہوں نے بلا وجہ اور بلا سبب اپنی زوجیت کے اندرونی تعلقات کا اس طرح افشا کیا ہو اور اگر ہم اسے صحیح تسلیم کر لیں اور یہ سمجھیں کہ یہ روایتیں کسی طرح بھی غلط نہیں ہوسکتیں۔ بے شک جتنے اقوال کہ مشہور کئے جاتے ہیں یہ سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہیں تو ہم اُن روایات کو صحیح سمجھ کے ہر ایک کی توضیح کریں گے تاکہ عام طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ ایک روایت سے کوئی نقص حضور انور یا ام المومنین کی ذات میں نہیں آسکتا۔

جن کے خیالات اس معاملہ میں مذبذب ہیں وہ اور جو ان اقوال پر اعتراض کرتے ہیں وہ ذرا توجہ اور غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ ہم الزامی جواب دینے پسند نہیں کرتے ہمارے جتنے جواب ہوں گے وہ سب تحقیقی ہوں گے۔ یہیں مطلب کیا کہ دوسرے مذہب میں فلاں فلاں بدتہذیبی کی باتیں ہیں اور یہ یہ نقائص ہیں۔ جب ہم یہ سمجھ چکے کہ اسلام سے بہتر دنیا میں کوئی مذہب نہیں ہے پھر آگے کسی بات کی گنجائش ہی نہیں رہی اگرچہ ہم مانتے ہیں کہ خاص خاص موقعوں پر الزامی جواب دینا لازمی ہو جاتا ہے اور بغیر اس کے چارہ نہیں ہوتا۔ مگر اس موقع پر چند ان الزامی جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں اس سے ہماری غرض یا بحث و مباحثہ میں پڑنیکی نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا اصلی مقصد اس غلط فہمی کو مٹانے کا ہے جو بعض کوتاہ اندیشیوں کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئی ہے اور بعض بدتہذیب ناشائستہ کرسٹانوں نے

چھوٹی سی جماعت ملی۔ یہ لوگ پردیسی معلوم ہوتے تھے اور مدینہ سے آئے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۵) بات کا تبنگڑ بناکے ان واقعات پر شرمناکی کا ایسا رنگ چڑھایا کہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ فرضی خداوند کے ماننے والوں اور پولوسیوں کی بھی اس قدر جرارت ہوئی کہ وہ اس دریدہ دہنی سے فخر رسل پر معترض ہونے لگے اور اُنہیں اپنے آپے کی کچھ خبر نہ رہی کہ بی بی مریم کو یہودی کیا کہتے ہیں۔ ان کے فرضی خداوند کی نسبت یہودیوں کی مذہبی انجمن میں کیا فیصلہ ہو چکا ہے اور ان کے مصنوعی مذہب کی بنا کس ناقابل یقین اصول پر ہے باینہمہ ہم ان پر کچھ سب وشتم نہیں کرتے بلکہ دعا کرتے ہیں کہ خدا اُنہیں راہ ہدایت دکھائے۔

اول حضرت عائشہ کا فرمانا کہ میں پیغمبر خدا کی کل ازواج میں اچھی ہوں کیا برائی پیدا کرتا ہے۔ یہ مانا کہ سب نبی کی بیبیاں تھیں لیکن یہ تو نہیں کہا جاتا کہ ان بیبیوں کے خیالات قابلیتیں اور دماغی قوت بھی یکساں تھی۔ چونکہ ایک شخص ہمیشہ کچھ نہ کچھ دوسرے شخص پر فضیلت رکھتا ہے اگر آپ کی ازواج میں ایک کو دوسرے پر فضیلت ہوگئی تو اُس میں عیب کیا نکلتا ہے مگر جو باتیں کہ حضرت بی عائشہ سے وجہ فضیلت روایت کیگئی ہیں وہ یہ ہیں۔ اوّل کوارپنے میں نکاح ہونا۔ اس میں بھی کچھ غلطی نہیں ہے نہ جھوٹ ہے اور نہ کوئی افترا ہے۔ یہ صحیح ہے جب رسول مقبول سے نکاح ہوا ہے تو آپ بن بیاہی تھیں، معلوم نہیں کہ ایک خاتون کا یہ قول کہ رنڈاپے میں نکاح ہوا یا کوارپنے میں کیوں لائق سرزنش خیال کیا جاتا ہے اگر لفظ کواری کوئی فحش لفظ ہے تو بی بی مریم کے ساتھ کواری مریم عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں کیوں لکھا ہے۔ اور کیوں شب و روز فرضی خداوند کے ماننے والے گرجاؤں میں کواری مریم کا نام جپا کرتے ہیں، شب و روز ہر قسم کی گفتگو اور مہذب سے مہذب علم ادب میں کیوں کوارے یا کواری کا لفظ مستعمل ہوا کرتا ہے یہ ساری باتیں محض تعصب کی بنا پر بنائی جاتی ہیں مگر ان کا کذب تو اس قدر عیاں ہے کہ معترض خود دل میں سمجھتا ہو گا کہ میں دیدہ و دانستہ جھوٹ بول رہا ہوں۔

حضور انور فخر دوجہاں نے اُن سے مل کے سوال کیا" تم کس قبیلہ کے لوگ ہو"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶) دوسرا فخر حضرت عائشہ کا یہ ہے کہ میرے والدین مہاجر تھے یہ بھی غلط نہیں ہے نہ اس بیان کرنے میں کسی قسم کی برائی عاید ہوسکتی ہے۔ حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر کرنا انتہا درجہ تعلق اسلام پر دال ہے کہ اُن کے والدین مہاجر ہیں یعنے انہوں نے اپنا وطن اور اپنے رشتہ دار رسول خدا کے لئے چھوڑ دیئے تھے شاید ہجرت کرنا عیسائیوں کی نظروں میں اس لئے کھٹکتا ہوگا کہ جب حضرت مسیح پر مصیبت آئی ہے تو ایک بھی نہ دکھائی دیا تھا اور جو شب و روز مسیح کے ساتھ مفت کے مال اڑاتے تھے اُنہوں نے بھی صورت نہیں دکھائی تھی اس لحاظ سے عیسائیوں نے سچی رفاقت اور اس پر فخر کرنے کو آئندہ جرم قرار دیدیا اور وہ اس امر کو سخت معیوب سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی وفاداری یا اپنے والدین کی وفاداری پر جو ایک سچے محسن کے ساتھ ہوئی ہو فخر کرے یا اس کا اظہار کرے اس لئے وہ اس فخر کو جو حضرت بی بی عائشہ اپنے والدین کے مہاجر ہونے کا کرتی ہیں سخت حقارت سے دیکھتے ہیں۔ چونکہ ان کے فرضی خدا وند مسیح کی عملی تعلیم ہی ہے۔ اِسلئے وہ بھی قابل معافی ہیں۔

تیسرا فخر بی بی عائشہ کا یہ بیان ہوا ہے کہ بہتان عظیم مجھ پر اٹھایا گیا تھا خداوند تعالےٰ نے اس کی تردید کر کے آسمان سے آیت اُتاری۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے زیادہ اور کیا تقدیس اور بزرگی ہوسکتی ہے کہ آسمان سے کسی کی صداقت کی آیت نازل ہو۔ حضرت بی بی عائشہ پر بہتان قایم ہونے کے واقعہ کی خواہ کچھ ہی اصلیت کیوں نہ ہو اور مفسرین میں اس کی نسبت خواہ کچھ ہی غلط فہمی کیوں نہ پڑ گئی ہو مگر اس وقت ہم اس واقعہ کو ان ہی معمولی معنوں میں لے کے بیان کرتے ہیں جو عام طور پر سمجھ لئے گئے ہیں کہ جب حضرت عائشہ کے قافلہ سے پیچھے رہ جانے پر شبہ ہوا تو حضرت رسول خدا کو بحیثیت اس کے کہ آپ انسان تھے اور انسانی جذبات اور خیالات سے مملو تھے بدگمانی ہوئی اور چند روز تک باہم کشیدگی رہی اس عرصہ میں حضرت بی بی عائشہ سے درخواست

اُنہوں نے جواب دیا ہم قبیلہ خزرج میں سے ہیں۔ حضور انور نے ارشاد کیا یہود یوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۷) کی گئی کہ وہ توبہ کریں اور معافی مانگیں مگر اُنہوں نے صاف انکار کیا کہ میں بالکل مقدس اور پاک ہوں اور مجھے توبہ کرنے اور معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ مسئلہ صحابہ میں بھی پیش ہوا اور کسی نے کچھ رائے نہ دی کیونکہ یہاں رائے دینے کا کوئی موقع نہ تھا یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت بھی متردد تھے اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ رسول کریم کی کشیدگی سے صحابہ اور خود حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بزرگ والد حضرت ابوبکر صدیق ناراض تھے مگر حضرت بی بی عائشہ کو کسی کی ناراضی کی مطلق پروا نہ تھی اور وہ اُن بدگمانیوں یا شبہات کا جو لوگوں کو اُن کی طرف ہو گئے تھے بہت دلیری سے مقابلہ کرتی تھیں اور اپنی تقدیس کا پورا پورا خیال رکھتی تھیں۔ چونکہ وہ حق پر تھیں اس لئے وہ تنہا دلیری کے ساتھ اپنی صداقت پر قدم جمائے رہیں یہاں تک کہ آسمان سے ان کی صداقت کی شہادت نازل ہوئی اور تمام ازواج مینا فی الحقیقت یہ فخر حضرت بی بی عائشہ ہی کو ملا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے اُن کے لئے آیت نازل کر کے ان کی تقدیس کی شہادت دی۔

کسی کے تہمت لگانے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ تہمت لگانے والے سچے ہیں اور جن پر تہمت لگائی ہے وہ ملزم ہیں۔ حضرت بی بی مریم پر یہودی تہمت لگاتے ہیں۔ اگر محض تہمت لگانا کچھ وزن رکھتا ہے تو حضرت بی بی مریم کی عصمت اور تقدیس کی کچھہ شہادت نہیں ہے۔ نہ حضرت مسیح کا کوئی صریح قول موجود ہے جس سے اس الزام کی تردید ہو۔ جو یہودی اُن پر قایم کرتے ہیں۔ ہاں قرآن مجید نے حضرت بی بی مریم کی تقدیس کی کچھ شہادت دی ہے اور بس۔ ایک عیسائی معترض یہ لکھتا ہے کہ سوائے قرآن کی ایک آیت کے اور کوئی ثبوت حضرت بی بی عائشہ کی پاک دامنی کا مسلمانوں کے پاس نہیں ہے مگر مشکل یہ ہے کہ حضرت بی بی مریم کی پاک دامنی کی تو ایک بھی شہادت نہیں ہے۔ رہا سوائے قرآنی آیت کے دوسرا ثبوت مسلمانوں کے پاس نہ ہونا یہ کوئی قابل الزام امر نہیں ہے۔ مسلمانوں کے ہاں قرآن مجید کی دو لفظی شہادت ہزار ہا روایتوں اور شہادتوں

گروہ میں سے ہو اُنہوں نے اقرار کیا۔ حضور انور نے فرمایا آؤ یہاں تھوڑی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۸) سبقت رکھتی ہے۔ جب قرآن مجید نے شہادت دے دی پھر اُنہیں دوسرے شاہد کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ اور بحیثیت اس کے کہ وہ مسلمان تھے وہ قرآن مجید کے مقابلہ میں دوسرا شاہد تلاش بھی نہ کر سکتے تھے۔ بہرحال اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت بی بی عائشہ کا فخر قابل اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ آپ جتنا فخر کریں زیبا ہے۔

چوتھا فخر یہ ہے کہ جب میں بن بیاہی تھی جبرئیل نے رسول خدا کو میری تصویر دکھا کے کہا تھا کہ اس لڑکی سے نکاح کر۔ اگر ہم اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تو ہم نہیں خیال کر سکتے کہ اس میں کیا قباحت ہے اور کیوں حضرت جبرئیل کا تصویر دکھانا ناجائز گنا جاتا ہے تصویر دکھانے سے یہ مطلب صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے حکم سے یہ نکاح ہوا اور اس نکاح میں خاص مصلحتیں اور حکمت عملیاں تھیں جن کا مختصر ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق کوئی کام بغیر خدا کے حکم کے نہیں ہوتا اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ روایت بیان کی تو اس کے لفظی معنے کیوں لئے جاتے ہیں اور مجازی معنی سے کیوں روگردانی کی جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر جبرئیل کے تصویر دکھانے کے معنی حکم خدا کے لیں تو کیا قباحت لازم آتی ہے۔ چلو یہ بھی نہ صحیح اس روایت کے وہی معنے لیتے ہیں جو ظاہر الفاظ سے لئے جاتے ہیں تاہم اس میں اُس وقت بھی نکتہ چینی کو کوئی گنجایش نہیں رہتی۔ جبکہ انجیلوں اور توریت میں لغو اور دور از قیاس اور فحش باتیں بھری ہوئی ہیں۔ ہم کس بنا پر انہیں تسلیم کرتے ہیں اور اس معمولی روایت پر کیوں ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر بھی فی الحقیقت درست تھا۔

پانچواں فخر۔ پیغمبر خدا اور میں ایک برتن میں نہایا کرتے تھے یہ فخر اور کسی بی بی کو حاصل نہیں ہوا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک برتن میں نہانے کے کیا معنے ہیں۔ اگر یورپی تہذیب کا مضمون لیں کہ ایک ٹب میں گھر کا گھر نہاتا ہے اسی میں صابون گھلتا ہے اور

دیر کے لئے بیٹھ جاؤ۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے بہت شوق سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۹) ایک بار نہانے کے بعد وہی پانی بھرا رہتا ہے اور پھر اسی میں دوسرے دن غوطہ لگایا جاتا ہے اور اخیر وہ پانی سڑ جاتا ہے۔ پھر کہیں بہ مشکل پھینکا جاتا ہے تو یہ تہذیب عرب میں رائج نہ تھی ہاں یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک برتن سے نہایا جاتا ہو اور یہ کچھ عیب کی بات نہیں ہے ہاں اُس شخص کے لئے فخر کی بات ہے جو مسلمان ہو۔ اور جس برتن سے رسول کریم نے غسل کیا ہو اسی کو وہ استعمال کرلے تو اس سے زیادہ فخر اُسے ہو نہیں سکتا اگر فرض کریں کہ حضرت عائشہ نے ہی ایک برتن میں نہانے کا فخر کیا تو ان کی یہ اعلےٰ درجہ کی نشانی ہے کہ رسول کریم کی ادنےٰ ادنےٰ مہربانیوں کا اُنہیں کس قدر فخر تھا اور وہ اُسے کس درجہ اپنی عزت اور امتیاز کی نشانی سمجھتی تھیں اس پر اعتراض کرنا اور ان باتوں کا مضحکہ اڑانا یہ نہ صرف عقل سے بعید ہے بلکہ عین انسانیت کے خلاف ہے اس قسم کے بیہودہ اعتراضات اپنے ساتھ کچھ وزن نہیں رکھتے بلکہ ان سے معترض کا سفلہ پن پایا جاتا ہے کیا تماشہ کی بات ہے کہ اس انیسویں صدی میں ایک برتن میں نہانا عیب خیال کیا گیا ہے اور اس امر کو منافی ثبوت سمجھا گیا ہے کہ اگر یہ امور صحیح بھی ہوں تو ان سے اتنا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ عورت و مردگی اس مغائرت کو کھونے کی تدبیر کی گئی جو مخلوق میں خون کی طرح پیوست ہو گئی تھی اور کسی طرح بھی نہیں نکل سکتی تھی۔ الحمد للہ کہ رسول کریم کو اس میں کامیابی ہوئی۔

چھٹا فخر۔ پیغمبر خدا نماز پڑھتے تھے اور میں آگے لیٹی رہتی تھی یہ بھی کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے شکر ہے کہ یہ بات تو ثابت ہوئی کہ رسول کریم حضرت بی بی عائشہ جیسی چاہیتی بی بی کے ہاں بھی آکے خدا کی عبادت میں مشغول ہوتے تھے اور اگر بفرض محال یہ بھی صحیح ہو کہ نماز پڑھتے وقت حضرت عائشہ آگے لیٹی رہتی تھیں۔ تو یہ بھی اپنی امت کے لئے ایک زبردست تعلیم ہے کہ انسان اپنے جذبات دلی کو بالخصوص اس وقت کہ جب اتنی جوان بی بی آگے لیٹی ہوئی ہو کس طرح مغلوب کر کے خدا کی

کہ جب تک ہم آپ سے باقاعدہ عہد نہ کریں آپ کا اطمینان نہیں ہونے کا لہذا ہم آپ سے کہتے ہیں کہ جس طرح چاہیں آپ ہم سے شرطیں کریں اور جس قسم کا چاہیں ہم سے عہد لے لیں جب یہاں تک نوبت پہنچی تو حضور انور نے یہ فرمایا کہ میں تم سے یہ شرط کرتا ہوں کہ تم سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کرو اور کسی غیر کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو اور اپنے لئے صرف یہی عہد کرتا ہوں کہ جتنی حفاظت تم اپنے عزیز و اقارب کی کرتے ہو اسی قدر میری بھی کرو انصار نے ایک زبان ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ جو کچھ حضور نے ارشاد فرمایا ہے اُسے ہم دل سے مانتے ہیں اور اس پر سر جھکاتے ہیں ایک دوسری روایت میں یہ آیا ہے کہ جب حضرت عباس نے اپنی باتیں ختم کیں تو حضور نے اپنی زبان مبارک سے پہلے کچھ آیتیں قرآن مجید کی پڑھیں۔ قرآن مجید کی آیتیں سنکر انصار بہت ہی متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کے ساتھ ہم کیا بیعت کریں۔ حضور نے ارشاد کیا کہ میری متابعت اور فرمانبرداری کی بیعت کرو کہ مفلسی اور دولتمندی میں خوف اور امن میں ہم حضور کا ساتھ نہیں چھوڑنے کے۔ اور جن باتوں سے منع کیا جائے گا اُسے نہیں کرنے کے۔ اور جن باتوں کا حکم کیا جائے گا اُسے دل سے بجا لائیں گے اور سچ بولنے پر کسی ملامت کرنے والے کا خوف نہیں کرنے کے جب یہ ساری باتیں ختم ہوئیں تو سب سے پہلے ابو امامہ بن زرارہ نے آپ سے بیعت کی بعضے کہتے ہیں کہ انصار میں سب سے پہلے بیعت کرنے والا ابو الہیثم بن الہتیان تھا۔ کہتے ہیں اس رات ابو الہیثم نے کہا یا رسول اللہ ہم میں اور یہودیوں میں باہم عہد و پیمان ہو رہے ہیں اگر ہم ان عہدوں کو توڑ ڈالیں اور حضور کے ساتھ مل جائیں اور خداوند تعالٰے حضور کو فتح دے تو ایسا نہ ہو کہ حضور اپنی قوم کے ساتھ مل جائیں اور ہمیں دشمنوں کے آگے تنہا چھوڑ دیں رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کہنے سے مسکرائے اور بڑے جوش سے یہ ارشاد کیا بل الدم الدم و الهدم والهدم انتم منی وانا منکم احارب من حاربتم واسلم من سالمتم لفظ ہدم تحریک دال اور تسکین میم کے ساتھ روایت کیا گیا ہے اس کلمہ سے

مراد قبر ہے یا منزل۔ مقصود یہ ہے کہ میری قبر تمہاری قبروں کے پاس ہوگی۔ یا تمہاری منزل میری منزل ہے اور اگر دال کو سکون دیں تو اس لفظ کا مطلب یہ ہوگا کہ فتح کے زمانہ میں قبیلہ عرب یا کعبہ کی طرف رُخ نہ کیا جائے گا۔ غرض جب بیعت کے قواعد مستحکم ہوگئے تو رسول خدا نے نو نقیب خزرج سے اور تین نقیب اوس سے جدا کئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ براء بن معرور۔ رافع بن حضیر بن مالک العجلان۔ سعد بن عبادہ۔ سعد بن خثیمہ۔ سعد بن ربیع بن عبادہ۔ صامت بن عبداللہ۔ عمرو بن رواحہ۔ عبداللہ بن حزم۔ منذر بن عمیر بن حبیش۔ وہ نقیب جو قبیلہ اوس میں سے منتخب کئے تھے اُن کے نام یہ ہیں۔ ابوالہیثم بن التہان۔ اُسید بن حضیر۔ رفیع و اسعد بن زرارہ۔ حضور نے ان سے فرمایا کہ تم اپنی قوم کے وکیل اور کفیل ہو جس طرح حضرت عیسےٰ اپنے حواریوں کے کفیل تھے اُنہوں نے یکزبان ہو کے عرض کیا کہ ہاں ہم ہیں اور ہم وکالت اور کفالت کو قبول کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ بیعت عقبہ کی رات میں عباس یا ابن عبادہ یا ابن فضل انصاری نے کہا اے بنی خزرج تم نے جو محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت کی جانتے ہو کہ اس کی غایت کیا ہے وہ کہنے لگے آپ کہیے اُنہوں نے کہا کہ اگر تم نے محض روپے کے لالچ میں بیعت کی ہے اور محض اس خیال سے بیعت کی ہے کہ ابھی تمہارے سردار زندہ و سلامت ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جب تمہارے پاس روپیہ نہ رہیگا اور تمہارے سردار مار ڈالے جائینگے تو تم حضور سے روگردانی کر لو گے نتیجہ یہ ہوگا کہ تم برباد بھی ہوگے اور ذلیل بھی ہوگے۔ اور اگر تمہیں نہ اپنے بال بچوں کا کچھ اندیشہ ہو نہ روپے کا نہ اپنے سرداروں کا۔ اور دل میں یہ پختہ ارادہ کر لو کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے ہم کبھی حضور کی اطاعت سے روگردانی نہیں کریں گے جب تم دل میں ایسے مضبوط ہو جاؤ۔ تو اس وقت یہ سمجھ لو کہ تمہاری بیعت بیعت ہے اور تم نے سچا عہد باندھا ہے اور دین و دنیا دونوں

تمہاری فلاح یقینی ہے سب نے متفق اللفظ یہ جواب دیا ہمارے چاہے سردار مارے جائیں۔ چاہے ہم پر مصیبت پڑے اور چاہے ہم مفلس ہو جائیں۔ لیکن حضور کا دامن نہیں چھوڑنے گے۔ اسکے بعد ان سب نے حضور کی طرف خطاب کر کے کہا یا رسول اللہ جو ہم نے عہد کیا ہے اگر ہم اس پر قایم رہیں تو کیا جزا ہمیں اس کی ملے گی۔ حضور نے ارشاد کیا کہ بہشت۔

یہاں یہ ہو رہا تھا اور وہاں مکہ میں کسی مخبر نے یہ خبر پہنچا دی کہ مدینہ کے لوگ اپنے دین سے برگشتہ ہو کے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں اور تم پر حملہ کرنے کا مشورہ ہو رہا ہے اس کی خبر حضور انور کو بھی پہنچی اس پر عباس بن عبادہ نے کہا یا رسول اللہ اس خدا کی قسم جس نے آپکو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ حکم دیں تو ہم اہل منا کے ساتھ جنگ کریں حضور نے ارشاد کیا کہ جنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنی اپنی قیام گاہوں کو واپس چلے جاؤ۔ اور جب تک مکہ میں ہو جنگ کا خیال دل سے بھلا دو۔ حکم ہوتے ہی قبیلۂ خزرج اور اوس کے کل آدمی اپنی اپنی قیام گاہوں میں واپس چلے گئے۔

صبح ہوتے ہی مکہ کے آدمی یعنے قریش اہل مدینہ کے پاس آئے اور کہا اے خزرج ہم نے سُنا ہے کہ تم ہمارے صاحب یعنے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس رات کو گئے تھے اور ہم نے یہ سنا ہے کہ تمہارا یہ ارادہ ہے کہ تم انھیں اپنے ساتھ مدینہ لے جاؤ اور اُنہیں جنگ میں مدد دو۔ ہم تم سے قسم کھا کے کہتے ہیں کہ جتنی تمہارے ساتھ جنگ کرنی ہمیں دشوار ہے کسی قبیلہ کے ساتھ نہیں مگر تو بھی ہم تم سے لڑیں گے اور جب تک ہماری جان میں جان باقی ہے بغیر لڑائی کے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ قبیلۂ خزرج کے اُن لوگوں نے جو نہ حضور انور کی خدمت میں شب کو حاضر ہوئے تھے اور نہ اُنھیں اس واقعہ کی خبر تھی۔ قریش کے آگے صاف انکار کر دیا اور

قسمیں کھائیں کہ ہمیں اس کی بالکل خبر نہیں۔

اس کے بعد قریش عبد اللہ بن ابی سلول کے پاس گئے اور کہا کہ تیرے قبیلہ کے لوگوں نے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بیعت کی ہے اس نے جواب دیا کہ یہ عجیب بات میں نے تم سے سنی۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ بغیر میرے مشورے کے میری قوم سے کسی شخص کو ایسی جرأت نہیں ہے کہ کوئی نیا کام کرے یہ بات سن کے قریش عبد اللہ کے پاس سے چلے گئے۔

کعب بن مالک کا بیان ہے کہ جب اہل مکہ کھڑے ہو گئے تو میں نے دیکھا کہ قریش کے ایک جوان کے پیر میں بہت قیمتی جوتی ہے اس پر میں نے ابو جابر سے کہا کہ تو قوم کا سردار ہو کر اتنی بھی استطاعت نہیں رکھتا کہ ایسی اچھی جوتی تیرے ہاتھ لگ جائے اس جوان نے سن کر وہ جوتی اپنے پیر سے اتار کے میرے آگے پھینک دی اور کہا کہ تجھے خدا کی قسم دیکے کہتا ہوں کہ یہ جوتی تو پہن لے ابو جابر بولا واللہ تو نے اس جوان کو شرمندہ کر دیا تو اُسکی جوتی اُسے واپس دیدے کعب نے کہا کہ نہیں میں کبھی نہیں دینے کا یہ شخص مجھے نیک دل معلوم ہوتا ہے اسکے بعد منیٰ سے لوگ تتر بتر ہو گئے اِدھر اُدھر چلے گئے قریشوں کے دل میں ابھی تک اس بات کی گرید باقی تھی کہ بیعت کے متعلق تحقیق کریں۔ چنانچہ جس مخبر نے انہیں اطلاع دی تھی اُس نے اس بات کا یقین دلایا کہ یقیناً اہل مدینہ نے بیعت کی تھی اس تحقیق کے بعد قریش اہل مدینہ کے پیچھے ہو لئے اور اُنھوں نے سعد بن عبادہ اور منذر بن عمر کو جا لیا منذر تو ہاتھ پاؤں مار کے میدان سے بھاگ گیا مگر سعد مشرکوں کے پنجہ سے نہ نکل سکا۔ قریش اسکی مشکیں باندھ کے اسے مکہ واپس لائے۔ قریشوں میں جو لوگ صاحب عقل تھے انہوں نے کہا کہ اہل مدینہ سے بگاڑنی نہ چاہیئے ہمارا ان کا تجارتی تعلق ہے۔ اس شخص کو چھوڑ دینا چاہیئے نہیں تو ان سے زیادہ نپ جائے گی۔ مگر جو شیلے اور کوتاہ اندیش نوجوان قریشوں نے اس بات کو

پسند نہ کیا۔ جماعت کے تجربہ کار لوگوں نے پھر اصرار کیا اور بہت سختی سے کہا کہ نہیں اسے چھوڑ دو چنانچہ قریشیوں نے سعد کو چھوڑ دیا۔ سعد مدینہ چل دیئے اب قریشیوں نے نئی طرح سے مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے شروع کئے اور جب سختیوں اور ظلم کی انتہا ہو گئی تو ناچار حضور انور نے اپنے صحابہ کو ارشاد کیا کہ تم ہجرت کر کے مدینہ چلے جاؤ۔ کچھ لوگ تو جا چکے تھے اور جو باقی تھے وہ یکے بعد دیگرے مدینہ روانہ ہونے شروع ہو گئے۔ پہلا جس صحابی نے ہجرت کی اُن کا نام مصعب بن عمیرہ تھا اور بعض کے قول کے مطابق پہلے ہجرت کرنے والے ابوسلمہ بن عبد الاسید تھے کہ جو ابھی حبش کی ہجرت سے واپس آئے تھے۔

# تیسرا باب
## معراج

حضور انور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارادہ قطعی طور پر یہ ہو گیا تھا کہ آپ مکہ سے ہجرت فرما کے یثرب روانہ ہو جائیں آپ اپنی خوابگاہ میں آرام فرما رہے تھے کہ آدھی رات کو محض سنسانی اور خاموشی میں جبکہ تمام دنیا آرام کر رہی تھی اور ستارے مقدس فرشتوں کی آنکھیں بن کے اہل زمین کی طرف نظارہ کناں تھے۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت جبرئیل بہت تیزی کے ساتھ اپنے بازو پر بٹھا کے آپ کو مدینہ کی راہ سے بیت المقدس لے گئے ہیں جہاں کل گذشتہ پیغمبروں نے مبارکبادی دی اور سب نہایت ادب سے آپ کا استقبال کرنے کے لئے آگے بڑھے آپ کو معلوم ہوا کہ بیت المقدس سے میں آسمان کیطرف جا رہا ہوں آپ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف گذرتے ہوئے معلوم ہوئے اخیر آپ نے ملاحظہ کیا کہ میں اپنے خالق کے پاس پہنچ گیا ہوں جہاں خالق سے آپ کی باتیں ہوئیں اور اس خالق اکبر نے حکم کیا کہ تمہاری

اُمت پر پانچ وقت کی نماز فرض کی گئی۔ جب آپ صبح کو بیدار ہوئے اور اُس وقت آپ ابو طالب کے گھر میں تھے تو شب کی ساری باتیں اور کل واقعات آپ کی مبارک نظروں کے آگے گردش کر رہے تھے آپ نے سب سے پہلے ابوطالب کی بیٹی سے یہ تذکرہ کیا اور کہا کہ شب کو میں نے بیت المقدس میں نماز پڑھی وہ سنتے ہی چیخنے لگی خدا کے لئے آپ یہ ذکر کسی سے نہ کیجیئے گا مخالفوں کو اور ہنسنے کا موقع ملیگا اور وہ مضحکہ اڑائیں گے مگر آپ نے نہ مانا آپ دوسرے آدمیوں سے اس کا تذکرہ کرنے کے لئے حجرہ سے باہر نکلے اور آناً فاناً میں یہ خبر کہ شب کو آپ نے آسمانوں کی سیر کی تمام مسلمانوں اور مشرکوں میں پھیل گئی بت پرستوں نے مضحکہ اڑانا شروع کیا اور بڑے بڑے قہقہے مارے مگر سب سے پہلے مسلمانوں میں حضرت صدیق رضؓ اکبر نے بڑے جوش سے کہا کہ تو سچا ہے اور بیشک تجھے معراج ہوئی اسیوقت حضور انور نے صدیق کہکے پکارا۔ سر ولیم میور مسیحی مؤرخ اعظم یہ تحریر فرماتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کا آسمان پر جانا اور وہاں سے اتر آنا فسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا افسوس ہے کہ ہمارے مسیحی مؤرخ نے ایسے سخت الفاظ حضور انور کی معراج کی نسبت استعمال کرکے درپردہ اپنے یسوع مسیح کی معراج پر سخت حملہ کیا ہے اس سے زیادہ تعجب انگیز حضرت مسیح کے واقعات ہیں کہ آپ مرکر زندہ ہوئے اور زندہ ہوکر مجسم آسمان پر

---

صلیب پر جب حضرت مسیح چڑھائے گئے تو آپ ایک دردناک آواز میں چلائے اور جاں بحق تسلیم ہوئے اسکی بابت انجیل لوقا باب ۲۳ و ۲۴ میں لکھا ہے۔ اور یسوع نے بڑی آواز سے پکار کے کہا اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں یہ کہکے دم چھوڑ دیا۔ اور صوبہ دار نے یہ حال دیکھ کے خدا کی تعریف کی اور کہا بیشک یہ آدمی راستباز تھا۔ اور سب لوگ یہ تماشہ دیکھنے آئے تھے۔ جب یہ واقعات دیکھے چھاتی پیٹتے پھرے۔ اور اس کے سب جان پہچان اور وہ عورتیں جو جلیل سے اُس کے ساتھ آئی تھیں دور سے الگ کھڑی ہوکے یہ حال دیکھ رہی تھیں۔

چلے گئے اور اب تک زندہ آسمان پر موجود ہیں۔ چاروں انجیلوں میں حضرت مسیح کے ان معجزات کی نسبت قریب قریب ایک ہی بیان ہے کہ آپ کس طرح صلیب دیئے گئے اور پھر صلیب پر مر گئے اور پھر قبر میں دفن کئے گئے۔ اور پھر قبر میں پہنچ کے فرشتوں نے آپ کو زندہ کیا پھر آپ تین بار اسی روحانی زندگی میں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸) ور دیکھو ایک شخص یوسف نامی مشیر جو نیک اور استباز تھا۔ اور وہ اُن کی صلاح اور کام میں شریک نہ ہوا یہودیوں کے شہر ارمتیا کا تھا اور وہ خود خدا کی بادشاہت کا انتظار کرتا تھا۔ اس نے پلاطوس کے پاس جا کے یسوع کی لاش مانگی اور اس کو اُتار کے کتان میں لپیٹا اور ایک قبر میں جو پتھر میں کھدی تھی جہاں کوئی کبھی رکھا نہ گیا تھا رکھا۔ اور وہ تیاری کا دن تھا اور سبت کے دن کی پو پھٹنے لگی۔ اور وہ عورتیں بھی جو اس کے ساتھ جلیل سے آئی تھیں پیچھے پیچھے چلیں۔ اور قبر کو اور اُس کی لاش کو کس طرح رکھی گئی دیکھتی تھیں اور پھر کے خوشبوئیاں اور مُر تیار کیا لیکن شرع کے موافق سبت کے دن آرام کیا۔

اور وہ اتوار کے دن تڑکے اُن خوشبوئیوں کو جو تیار کی تھیں لے کے قبر پر آئیں اور ان کے ساتھ کئی اور بھی تھیں اور اُنہوں نے پتھر کو قبر سے ڈھلکایا ہوا پایا۔ اور اندر جا کے خداوند یسوع کی لاش نہ پائی۔ اور ایسا ہوا کہ جب وے اس بات سے حیران تھیں۔ دیکھو دو شخص چمکتی پوشاک پہنے اُن کے پاس کھڑے تھے جب وے ڈرتی اور اپنے سر زمین تک جھکاتی تھیں۔ اُنہوں نے اُن سے کہا تم کیوں زندہ کو مُردوں میں ڈھونڈتیاں ہو۔ وہ یہاں نہیں ہے بلکہ اُٹھا ہے یاد کرو کہ ہنوز جب جلیل میں تھا تم سے کیا کہا تھا کہ ضرور ہے کہ ابن آدم گنہگاروں کے ہاتھ میں حوالہ کیا جائے اور صلیب دیا جائے۔ اور تیسرے دن اُٹھے۔ تب اس کی باتیں انھیں یاد آئیں اور قبر پر سے پھر کے اُن گیارہوں اور سب باقی لوگوں کو ان سب باتوں کی خبر دی اور مریم مگدلینی اور یوحنا اور مریم یعقوب کی ماں اور دوسری

اپنے مریدوں سے ملے انھیں اپنے جسم کو دکھایا کہ اس میں ہڈیاں نہیں ہیں یہ روحانی جسم ہے جب اس قسم کی مافوق الفطرت باتیں مسیحی مذہب کی جزو اعظم قرار دی گئی ہیں پھر خبر نہیں کہ مسیحی مورخ سر ولیم صاحب بہادر کو کن امورات نے مجبور کیا کہ وہ حضور انور کی معراج پر جو درحقیقت روحانی معراج ہے اور مافوق الفطرۃ بھی جسمانی معراج کی طرح نہ کوئی اسمیں استحالہ لازم آتا ہے کیوں دیدہ دلیری سے حملہ کرتے ہیں۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹) عورتیں جو ساتھ تھیں اُنہوں نے رسولوں سے یہ باتیں کہیں پر ان کی باتیں اُنہیں کہانی سی سمجھ پڑیں اور ان کا اعتبار نہ کیا۔ تب بطرس اُٹھ کے قبر کی طرف دوڑا اور جھککر دیکھا کہ صرف کفن پڑا ہے اور اس ماجرے سے تعجب کرتا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔

اور دیکھو اُسی دن اُن میں سے دو آدمی اُس بستی کی طرف جس کا نام اماوس اور یروسلم سے پونے چار کوس کے فاصلہ پر ہے جاتے تھے۔ اور اُن سب باتوں کی بابت جو واقع ہوئی تھیں آپسمیں بات چیت کرتے تھے۔ اور ایسا ہوا کہ جب وے بات چیت اور پوچھ پاچھ کر رہے تھے یسوع آپ نزدیک آکے اُن کے ساتھ چلا۔ لیکن اُن کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں کہ اس کو نہ پہچانا۔ اُس نے اُن سے کہا کہ یہ کیا باتیں ہیں جو تم راہ میں آپسمیں کرتے جاتے ہو۔ اور اوداس ہو تب ایک نے جسکا نام قلیوپس تھا جواب میں اُسے کہا کہ کیا اکیلا تو ہی یروسلم میں پردیسی ہے کہ جو کچھ ان دنوں اس میں ہوا ہے نہیں جانتا۔ اس نے اُن سے کہا کیا انہوں نے اسے کہا یسوع ناصری کے ماجرے جو نبی تھا اور خدا اور ساری قوم کے سامنے کام اور کلام میں قدرت والا۔ اور کیونکر سردار کاہن اور ہمارے سرداروں نے اُسکو قتل کے حکم کے لئے حوالہ کیا اور صلیب دی۔ پر ہم امید رکھتے تھے کہ یہی اسرائیل کو مخلصی دینے کو تھا اور ان سب کے سوا آج تیسرا روز ہے کہ یہ واقعات ہوئیں

کہ آج سے دین اسلام کی بنیاد ضعیف میں پڑ گئی مگر ہاں اس کہنے میں تامل نہیں ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۶) ہرگز منظور نہیں ہے تم چاہے جس کو خلیفہ بنا دو۔ جب کوئی خلیفہ ہو جائیگا میں اُسکے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا۔ طلحہ نے جواب دیا سوائے آپ کے اب کوئی خلافت کے قابل نہیں ہے۔ آپ انکار نہ کیجئے اور بسم اللہ کیجئے تاکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں حضرت علیؓ بڑی گفت و شنود کے بعد راضی ہوگئے۔ اور سب سے پہلے طلحہ نے بیعت کی۔ حضرت طلحہ کا ایک ہاتھ جنگ احد میں ٹنڈا ہوگیا تھا۔ جونہی حبیب بن ذویب نے یہ سنا کہ ٹنڈے طلحہ نے بیعت کی تو انہوں نے بیساختہ کہا انا للہ و انا الیہ راجعون" کیونکہ اوّل جس شخص نے بیعت کی وہ ہاتھ کا ٹنڈا ہے اب یہ امر بیعت تمام ہوتا ہوا انہیں معلوم ہوتا۔ یہ کہکر ابن ذویب نے بیعت کی۔ پھر حضرت زبیر نے بیعت کی۔ اگرچہ ابھی تک ایک بڑا گروہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بنانے پر راضی نہ تھا مگر پھر بھی کثرت رائے آپ کی طرف تھی اور آپ خلیفہ بن گئے۔ مگر بڑی غلطی جو آپ نے کی وہ یہ تھی کہ آپ نے حضرت فاروق اعظم کے صاحبزادے عبد اللہ کو سزائے موت دینی چاہی۔ کیونکہ انہوں نے ایرانی شہزادے کو قتل کر دیا تھا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی یہ مقدمہ پیش ہوا تھا۔ چونکہ سوائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہ سب کی رائے تھی کہ اسے سزائے موت نہ دینی چاہیئے۔ اور کل صحابہ مع حضرت عثمانؓ غنی اسکے خلاف تھے اِس لئے عبد اللہ چھوڑ دیئے گئے تھے اسمیں شک نہیں کہ حضرت علیؓ حق پر تھے اور وہ اس بے رو رعایت قانون کا عملدرآمد کرتے تھے جو اسلام نے قایم کیا تھا مگر قاتل کے عذر کو بھی سننا ضرور چاہیئے تھا اور مصلحت وقت بھی دیکھنی چاہیئے تھی۔ بہرحال کچھ ہو مخالفت کی بنیاد اول تو اس سے قایم ہوئی۔ اور اس سے اور بھی مضبوطی پکڑ گئی کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو گرفتار نہیں کیا حالانکہ وہ لوگ زیادہ تعداد کے نہ تھے اگر چاہتے تو ممکن تھا اور ہرگز فساد نہ ہو سکتا تھا مگر ڈر یہ تھا کہ مبادا زیادہ خونریزی نہ ہو جائے اور مدینہ پر نئے سر سے مصیبت آپڑے جو صحابہ آپ پر اصرار کر رہے تھے وہ بھی صحیح تھے اور آپ بھی اپنے خیال میں صحیح تھے۔ یہ ضرور ہے کہ اگر ملک میں فساد نہ ہوتا تو آپ ضرور قاتلوں

کہ ایک غیر معمولی تحریک اسلام کی نسبت ضرور پیدا ہو گئی اور لوگ چونک گئے سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۷) انتقام لیتے مگر سر دست قاتلوں کو گرفتار کرنا اور اُنہیں سزائے موت دینی خیال میں نہ آئی اور آپ کے خیال میں کسی طرح بھی خامی نہ تھی۔ اُدھر صحابہ کا جوش بڑھ رہا تھا اور جوش بھی بیجا نہ تھا۔ کیونکہ ضعیف اور مقدس خلیفہ واقعی بے گناہ بہت ہی بے دردی سے شہید کیا گیا تھا۔ جب یہ ثابت ہو چکا تھا کہ قصور مردان کا ہے پھر مردان ہی کو پکڑا ہوتا بھلا حضرت عثمانؓ نے کیا بگاڑا تھا کہ بزدلوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ ان سے زیادہ بزدل اور کون ہوگا جن کا ہاتھ نوّے برس کے بوڑھے پر اُٹھے۔

غرض جب صحابہ کے پے در پے اصرار کا حضرت علی نے صاف جواب دے دیا کہ جب تک میں کافی طور پر قوی نہ ہو جاؤں اور انتظام نہ کر لوں حضرت عثمان کے قاتلوں پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تو صدہا اصحاب نا امید ہو گئے اور انہوں نے علانیہ بیعت کرنے سے انکار کر دیا طلحہ اور زبیر اگرچہ بیعت کر چکے تھے۔ مگر انہوں نے اپنی بیعت واپس لے لی اور وہ بھاگ کے مکہ چلے آئے۔

کہتے ہیں کہ طلحہ اور زبیر کو جان کا بھی خوف تھا اور اُنہیں یقین تھا کہ حضرت علی ہمیں قتل کروا ڈالیں گے۔ جب ان دونوں نے حضرت بی بی عائشہ صدیقہ سے ساری کیفیت بیان کی تو اُنہیں سخت ناگوار گذرا۔ اور اُنہوں نے کہا کہ علی کا پہلا فرض یہی تھا کہ حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار کرتا۔ ابھی طلحہ اور زبیر سے مشورہ ہی ہو رہا تھا کہ عبداللہ بن عامر بصرہ سے آ گیا اور یعلی بن امیہ یمن سے۔ اور یہ دونوں بکثرت روپیہ اپنے ساتھ لے کر آئے اور پھر باہم مشورے ہونے لگے۔ حضرت بی بی عائشہ کہنے سننے میں آ گئیں۔ اور واقعی بات یہ ہے کہ انہوں نے کسی بدنیتی سے مشورہ نہیں دیا تھا بلکہ تبقاضائے فطرت اُنہیں حضرت عثمان کی شہادت کا جوش اسقدر تھا کہ دنیا تاریک ہو رہی تھی وہ صرف حضرت عثمان کے لئے ہزاروں کی جان قربان کر دینے پر آمادہ تھے۔ اور یہ جوش اُنکا

ہو گئے اور جدید مذہب کی باتیں سننے کے لئے طبائع رجوع معلوم ہونے لگیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۸) اسلامی تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ یہاں مدینہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ بنائے گئے اور مکہ میں خونریز مشورے ہونے لگے۔ اخیر حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو راضی کر لیا کہ وہ بصرہ چلی چلیں۔ بصرہ میں جانے تک متعدد روایتیں ہیں۔ اور موٴرخوں میں ایک عجیب اختلاف واقع ہوا ہے۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ عبد اللہ بن عامر نے ورغلا کر آپ سے کہا تھا کہ بصرہ میں میرے ہوا خواہ بہت کثرت سے ہیں وہاں ہمیں کامیابی ہو گی دوسری روایت یہ ہے کہ طلحہ نے یہ کہا تھا کہ بصرہ میرا معتقد ہے اگر ہم وہاں گئے تو سب ہمارے ساتھ ہو جائیں گے اور ہم بآسانی خون عثمان کا عوض لے سکتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ کا ارادہ ہو گیا تو مکہ میں آواز لگا دی گئی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین خون عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے کمربستہ ہوئی ہیں جس شخص کو ام المومنین کا ساتھ دینا ہو وہ آمادہ ہو جائے۔ چنانچہ دو ہزار مسلمان اور مدینہ منورہ کے ہمراہ ہو گئے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت بی بی عایشہ ام المومنین ام سلمہ کے پاس آئیں اور اُن سے مشورہ لیا کہ میں امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا انتقام لینا چاہتی ہوں۔ حضرت بی بی ام سلمہ نے سمجھایا کہ یہ تم کیا غضب کرتی ہو۔ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آمادۂ پیکار ہوتی ہو۔ تمہیں وہ حدیث یاد ہے کہ جب رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ میری بیبیوں میں سے ایک بی بی باغی ہو گی اور ایک تیز اونٹ پر سوار ہو کے جدال وقتال کرے گی تو میں یہ سن کے خوف کے مارے گر پڑی تھی اور میرے اس خوف زدہ ہو کے گرنے پر رسول کریم نے مسکرا کے فرمایا تھا کہ تم کیوں ڈرتی ہو فلاں بی بی ایسا کرے گی اشارہ تمہاری طرف تھا دیکھو بچو! اور اس آفت میں نہ پڑو! علی کا مقابلہ کرتی ہو؟ یہ بات ٹھیک نہیں ہے تعجب ہے عائشہ جسے تم کافر کہتی تھیں اب تم ہی اُسے امیر المومنین کہتی ہو یہ سُن کے عائشہ ڈر گئیں اور کہا میں

## بیعت عقبۂ اولیٰ۔ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۹) اپنا ارادہ عراق عرب جانے کا ترک کرتی ہوں اب کبھی نجاؤں گی۔ ام سلمہ تم سچ کہتی ہو۔ جب حضرت عائشہ اپنے جائے قیام پر آئیں اور زبیر کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو اُس نے صاف کہا کہ اگر تم نہ چلوگی تو میں دیوانہ وار جنگلوں میں نکلجاؤں گا اور پھر کبھی مونہ نہ دکھاؤں گا اور ساتھ ہی میں خودکشی کرلوں گا۔ زبیر حضرت بی بی عائشہ کے بھانجے تھے اور آپ اپنے بھانجہ سے محبت بہت کرتی تھیں ناچار راضی ہوگئیں اور ام سلمہ کی نصیحت کا کچھ خیال نہ رہا۔ یہ روایتیں ہیں جو اٹکل پچو بیان کی جاتی ہیں کجا حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور کجا ام سلمہ کا اُس حدیث کو دوہرانا۔ یہ سب بے بنیاد اور بنائی ہوئی باتیں ہیں جنھیں صدق سے کوئی بھی علاقہ نہیں۔ حضرت جانتے ہی تھے کہ عائشہ باغی ہوگی اور پھر موانست بھی بڑہاتے جاتے تھے۔ نہ اُسوقت ام سلمہ کا مکہ میں موجود ہونے کا ثبوت ہے نہ حضرت بی بی عائشہ کا اُن سے مشورہ لینے کا۔ بات صرف یہ ہوئی کہ صحابہ نے حضرت بی بی عائشہ کو ڈرایا کہ اگر تم مدینہ میں گئیں تو علی اچھا سلوک نہیں کرنے کے۔ ہر شخص فطرتاً اپنی عزت چاہتا ہے آپ چونکہ خاتون تھیں یقین آگیا اور آپ بجائے مدینہ کے بصرہ چلی گئیں۔ نہ آپ نے کبھی حضرت عثمان کو کافر کہا نہ آپ کو امور سلطنت میں دخل دینے سے کچھ سروکار تھا۔ اگر ہم یہ تسلیم کریں کہ آپ نے حضرت عثمان کو کافر کہا تھا تو پھر دقت یہ ہوتی ہے کہ حضرت عثمان کو ایک دن بھی خلافت کیوں نصیب ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر بہ نسبت اور ازواج پاک کے مسلمانوں پر بہت ہی تھا اگر آپ کوئی نی حضرت عثمان میں دیکھتیں تو ضرور عام مسلمانوں پر اس کا اثر پڑتا اور سب برسر پرخاش اٹھ کھڑے ہوتے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کی پروانہ کی تو حضرت عثمان سے برسرپیکار ہونا بہت بڑی بات نہ تھی ممکن نہیں ہوسکتا کہ ایک ام المومنین مدینہ ہی میں رہے اور خلیفہ وقت کی نسبت کفر کا فتوے دے اور پھر خاموشی کے ساتھ سن لیا جائے نہ حضرت عثمان اپنی بریت کریں اور نہ مسلمان کچھ چون وچرا کریں۔ یہ ساری باتیں خیر القرون اور عقل کے

بعثت سے بارہویں سال بارہ آدمی مدینہ سے کعبہ کی طواف کی غرض سے مکہ میں آئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۰) خلاف ہیں اور ہر شخص جس نے کچھ بھی ان واقعات پر غور کی ہے ہرگز اُن کی صداقت کی شہادت نہیں دینے گا۔

یہ ساری باتیں محض مضحکہ خیز ہیں صرف اسی قدر صحیح ہے کہ آپ بصرہ تشریف لے گئیں اور وہاں حضرت علی سے جنگ ہوئی جسکی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب حضرت بی بی عائشہ بصرہ پہنچیں تو پہلا حملہ عثمان بن حنیف پر ہوا جس نے خفیف مقابلہ کے بعد شکست کھائی اور قید کر لیا گیا اُس کی ڈاڑہی منڈنے اور موچھیں اکھڑنے کا قصہ گھڑا ہوا ہے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سُنا آپ ایک فوج کثیر کے ساتھ حملہ آور ہوئے حضرت علی کی فوج کا علمدار محمد بن حنفیہ تھا لشکر کے میمنہ پر حضرت امام حسن میسرہ پر حضرت امام حسین رسالہ پر عمار بن یاسر اور پیادہ فوج پر محمد بن ابی بکر الصدیق یعنی بی بی عائشہ کے بھائی تھے۔ کوفہ کا بھی ایک بہت بڑا گروہ آپ کے ہمرکاب تھا مقام خُریبہ میں یہ لڑائی ہوئی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زبیر کو پیغام بھیجا کہ تم ذرا مجھسے آکے ملجاؤ۔ چنانچہ زبیر آئے تو حضرت علی نے فرمایا تم کو یاد نہیں زبیر کہ تم سے فلاں روز رسول خدا نے کیا کہا تھا کہ علی کو دوست رکھنا اور اب تم مجھ سے لڑتے ہو۔ حضرت زبیر اس کہنے سے بہت ہی متاثر ہوئے اور ارادۂ جنگ ملتوی کر دیا مگر جب وہ اپنے لشکر گاہ میں واپس آئے آپ کے صاحبزادے نے کہا کہ تم قسم کو توڑ ڈالو اور اس کا کفارہ دیدو۔ چنانچہ آپ نے عہد شکنی کے کفارہ میں اپنا غلام مکحول نامی آزاد کر دیا اخیر میدان جنگ گرم ہوا اور ایک سخت جنگ کے بعد بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو شکست ہوئی جس اونٹ پر آپ سوار تھیں اس کا نام عسکر تھا وہ بھی جنگ میں مارا گیا اس جنگ میں مقتولین کا شمار دس ہزار کیا جاتا ہے شکست ہونیکے بعد حضرت علی نے محمد بی بی عائشہ کے بھائی کو آپ کے پاس بھیجا اور ہر طرح کی دلجوئی کی اور محمد نے اپنی بہن کو عبداللہ بن خلف کے مکان میں اُتارا اور بعد ازاں حضرت علی نے بڑی حفاظت سے اپنے صاحبزادوں کے ساتھ مدینہ پہنچا دیا۔ اس جنگ میں

اور بمقام عقبہ حضور رسالت پناہی سے شرف ملازمت حاصل کیا۔ اور اُن سب نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۱) طلحہ اور زبیر بھی کام میں آئے جب حضرت علی نے طلحہ کی لاش دیکھی تو بیساختہ رونے لگے اور اُن کے جنازہ کی خود نماز پڑہائی اور اُنہیں دفن کردیا یہ ہے مختصر کیفیت جنگ جمل اور حضرت بی بی عائشہ کے واقعات زندگی کی۔ طرفین میں محض ایک غلط فہمی تھی جس سے یہاں تک طول کھنچا کہ حضرت علی کسی مصلحت سے حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار نکرتے تھے اور جو لوگ اِس میں تساہل کرنا واجب سمجھتے تھے وہ آمادہ پرخاش ہوگئے تھے یہ ایک رائے کی غلطی تھی اور بس اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اس جنگ میں ہزاروں صحابہ بلا وجہ شہید ہوئے اور اسلام کے لئے یہ ایک افسوسناک مقام تھا مگر غلط فہمی کا کوئی علاج نہ تھا اور اس کا ثمرہ مسلمانوں نے دیکھا اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک بہت کچھ امن رہا اور جو کچھ ترقی مسلمانوں کو ہوئی وہ صرف حضرت عمر ہی کی صائب تدبیری کا نتیجہ تھا۔ خلافت یا حکمرانی سے مذہب کو کوئی بھی تعلق نہ تھا یہ ایک بادشاہت تھی جسے مذہبی جامہ پہنایا گیا ہے جس طرح کمزور شاہ کی تخت نشینی پر بغاوتیں ہوتی ہیں اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانہ میں بغاوتیں ہوئیں۔ لڑائیاں ہوئیں اور خونریزیاں ہوئیں ہمیشہ سے دنیا کا یہی دستور چلا آتا ہے اور اب بھی موجود ہے۔ مخالفت کی اس میں کوئی بات نہیں معلوم ہوتی۔ حضرت علی اس امر کو خوب جانتے تھے اور آپ نے کبھی انکو مذہبی جنگیں نہیں خیال فرمائی ہیں۔ دشمن کے جنازہ کی نماز پڑہا کے آپ نے اسکا ثبوت دیدیا کہ یہ مذہبی لڑائی نہ تھی۔ ہم سب بھائی ہیں اور جب ایک شخص مرچکا ہو اس کے لئے دعائے خیر ہی کرنی چاہیئے۔ خوب سمجھ لیا جائے کہ جتنی بغاوتیں ہوتی ہیں وہ سب ذاتی دشمنی کی بنا پر نہیں ہوا کرتیں دنیا کی سلطنتوں میں اول روز سے بغاوتوں کا سلسلہ جاری ہے باغی ہرگز اپنے آقا کے دشمن نہیں ہوتے بلکہ اس سے غیر معمولی رعائتیں اور حقوق چاہتے ہیں اور اُسے دینے میں تامل ہوتا ہے اس لئے وہ بغاوت پر آمادہ ہوتے ہیں۔ کامیاب ہوگئے وہ حقوق لے لئے ناکام ہوئے پھر اپنی اُسی حالت پر آگئے اور بس

سچے دل اور یقین سے بیعت کی۔ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرنے کے چوری نہیں کریں گے۔ جھوٹ نہیں بولیں گے اور مفلسی کے خوف سے اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ اور حضور انور کے حکم سے نافرمانی نہیں کرنے کے۔ جب یہ عہد کر چکے تو رسالت پناہی نے ارشاد کیا اگر تم اپنے عہد پر قائم رہے تو تمہارے لئے بہشت بریں ہے۔ اور اگر سوائے شرک وکفر کے تم نے ان میں سے کسی چیز کو بھلا دیا تو تمہارا معاملہ خدا کے ساتھ ہے خواہ وہ تم پر عذاب کرے یا بخشدے ان بارہ آدمیوں کے یہ نام ہیں۔ سعد بن عبادہ۔ اسعد بن زرارہ۔ عوف ومعاذ پسران غفران۔ رافع بن مالک منذر بن صامت۔ یزید بن ثعلبہ۔ عقبہ بن عامر۔ ثعلبہ بن عامرہ۔ جدیدہ۔ ابو الہاشم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲) بی بی عائشہ کی بھی یہی مثال ہے اگرچہ ہم انہیں باغی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ صرف خون عثمان کے لئے لڑی تھیں اور آپ چند حقوق کی طلبگار تھیں اگر جنگ میں کامیاب ہو جاتیں لے لیتیں ناکام رہیں اپنے گھر جا بیٹھیں نہ کچھ لڑائی تھی نہ جھگڑا تھا یہ ہے حضرت بی بی عائشہ کی سوانح عمری جو نہایت اختصار کے طور پر بیان کئے گئے آپ کے واقعات زندگی میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جو عجیب ہو اور ساتھ ہی آپکے شایاں بھی نہ ہو۔ آپ کو یہ غلط فہمی پڑ گئی تھی کہ حضرت علی قدرت ہونے پر بھی حضرت عثمان کے قاتلوں کو نہیں پکڑتے اور حضرت علی نے اُن کے نہ گرفتار کرنے اور نہ سزا دینے کی کوئی مصلحت سوچ رکھی تھی جسے وہ خود ہی بخوبی سمجھتے تھے۔ حضرت علی کچھ ایسے وقت سے خلیفہ بنے تھے کہ آپ کی شہادت تک برابر خونریزی کا سلسلہ جاری رہا اور اخیر آپکی جان بھی قبل از وقت اسی میں ضائع ہوئی کیونکہ آئے دن کے فساد اور قتل وغارت سے مسلمان عاجز آگئے تھے اخیر امیر معاویہ عمر بن العاص اور حضرت علی کو قتل کر ڈالنا چاہا کہ خونریزی کا سلسلہ ختم ہو۔ خوش قسمتی سے وہ دونوں تو بچگیے اور حضرت علی شہید کر دیئے گئے۔ حضرت بی بی عائشہ کی وفات ۵۸ھ ہجری میں ہوئی آپ سے دو ہزار سے کچھ اوپر حدیثیں منقول ہیں۔

بن تیہان۔ عویم بن اساعدہ۔

روایت ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصعب بن عمیرہ کو اس جماعت کے ساتھ مدینہ بھیجا تاکہ قرآن مجید کی تعلیم دیں اور شرع شریف کے قواعد بیان کریں۔ مصعب نوجوان صحابی تھے اور اپنے ماں باپ کے بہت ہی ناز پروردہ تھے۔ مگر مسلمان ہونے پر اُن کے والدین نے اُن پر بہت سختی کر رکھی تھی اور جب وہ حضرت اقدس کی خدمت بابرکت میں بمقام شعب حاضر ہوتے تھے تو اُنہیں سختی کے ساتھ روکا جاتا تھا۔ مگر وہ یہ ساری سختیاں خوشی کے ساتھ سہتے تھے اور اُف نہ کرتے تھے۔ غرض جب وہ انصار کے ساتھ مدینہ میں تشریف لائے۔ تو اسعد بن زرارہ کے گھر میں اُترے۔ اور انھوں نے حسب الارشاد حضرت رسالت پناہی تلقین دین اسلام مدینہ میں شروع کی۔ اہل مدینہ ایمان لانے لگے ایک دن اسعد بن زرارہ و مصعب بن عمیرہ نبی اظفر اور نبی عبد الاشہل کے محلوں میں گئے ان دونوں محلوں کے لوگ آپ کے گرد جمع ہوگئے اور وعظ سننے کے بعد بہت سے آدمی مشرف باسلام ہوئے۔ جب یہ خبر سعد بن معاذ کو پہنچی جو اسعد بن زرارہ کا خالہ زاد بھائی تھا تو وہ سخت برہم ہوا۔ کیونکہ اس قبیلہ کا وہ رئیس اعظم تھا۔ اس نے اُسید بن حضیر کو مخاطب کرکے کہا ابو یامہ یعنے اسعد بن زرارہ ایک عجیب و غریب شخص کو مدینہ میں لایا ہے۔ اور قوم کے ضعیف لوگوں سے وعدے وعید کرکے انھیں ان کے آبائی دین سے برگشتہ کر رہا ہے۔ اگر صلہ رحم مانع نہ ہوتا تو صرف میں ہی اُس کے مہم کا خاتمہ کر دینے کو کافی تھا۔ تجھے اب یہ لازم ہے کہ تو جا اور اُسے اس حرکت سے باز رکھ۔ یہ سنتے ہی اُسید مسلح ہوکے اُن لوگوں کے پاس آیا۔ اسعد نے اُسے آتا دیکھ کے کہا کہ یہ شخص اشراف اور اخیار قوم میں سے ہے اگر یہ ایمان لے آئے تو بہت سے اسکے ساتھ ضرور ایمان لے آئیں گے۔ غرض اُسید ان لوگوں کے پاس پہنچا تو زہرخندہ کرکے اور غصہ میں بھر کے کہا کہ تم ہماری قوم کے ضعیف لوگوں کو برباد کرنے کیوں آئے ہو اسعد نے جواب دیا اے

ابو یحییٰ تو ایک ہوشیار اور عقلمند شخص ہے کچھ دیر تامل کر ہمارے پاس بیٹھ جا اور ہماری سُن اگر تیری سمجھ میں آئے تو اُسے مان اور جو امر تجھے مکروہ معلوم ہو ہم اُس کا ازالہ کرنے کے لئے موجود ہیں۔ اُسید نے کہا بیشک تو نے ٹھیک کہا یہ کہکے اپنے حربہ کو زمین پر رکھدیا۔

اس کے بعد مصعب نے اِدھر اُدھر کی چند باتیں کر کے قرآن مجید کی آیتیں پڑھیں اور جب دیکھا کہ اُسید اُن سے متاثر ہوا ہے تو اسے دعوت اسلام دی اُسید کے چہرہ پر بشاشت پیدا ہو گئی اور نور اسلام جلوہ کرنے لگا اس نے بکمال انبساط یہ کہا کہ جو شخص مسلمان ہونا چاہتا ہے تو تم اسے کیونکر مسلمان کرتے ہو مصعب نے کہا کہ تو پہلے غسل کر اور پاک و صاف کپڑے پہن اور کلمۂ توحید پڑھ کے نماز کی دو رکعت ادا کر ہم نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔

اُسید نے بڑی خوشی سے مصعب کے حکم کی تعمیل کی اور کلمۂ شہادت پڑھا اور کہنے لگا کہ ہماری قوم میں ایک شخص ہے اگر وہ ایمان لے آئے تو پھر کسی کی مجال نہیں کہ اس سے سرتابی کر سکے یہ کہکے اُٹھ کھڑا ہوا اور سعد بن معاذ کے پاس آیا۔ سعد نے دیکھتے ہی کہا خدا کی قسم جس کام کے لئے اُسید کو بھیجا تھا وہ اس نے نہیں کیا۔ اسکا تو رنگ بالکل بدل گیا سعد نے بولا کے دریافت کیا آپ کیا کر کے آئے ہیں۔ اُسید بولا کہ میں نے ان لوگوں پر بہت سختی کی اور دھمکایا لیکن میں نے یہ سُنا کہ اُن کی نگاہ تیری طرف ہے اور اُن کی یہ بھی خواہش ہے کہ تیرے پسر خالہ اسعد بن زرارہ کو قتل کر ڈالیں اور تیرے عہد کو توڑ ڈالیں اس کہنے سے مراد یہ تھی کہ سعد بن معاذ آپکے پاس جائے اور اپنے بھائی کی حمایت کرے جب یہ وہاں پہنچے گا تو اسلام کے معجزہ کا اثر اس پر بھی ہو جائے گا اور وہ مسلمان بن جائے گا۔ اُسید کی باتیں سنتے ہی سعد کو غصہ آگیا وہ اسی غضبناک حالت میں اُٹھ کھڑا ہوا اور اُسید کا ہاتھ پکڑ کے کہا ہمارے ساتھ چل۔ اُسید بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ جب یہ دونوں مسلمان گروہ کے قریب پہنچے تو اسعد بن زرارہ کی نظریں سعد بن معاذ پر پڑیں اسعد نے اپنے احباب سے کہا واللہ سعد کے چہرہ سے

اِس وقت میں اسلام کا نور نکلتا ہوا دیکھتا ہوں اور یہ شخص سید قوم معلوم ہوتا ہے جب وہ مسلمان ہو جائے گا تو کوئی شخص اُس سے سرکشی نہیں کرے گا۔ غرض سعد ان کے پاس پہنچا اور جس طرح اُسید نے غصہ کی باتیں کی تھیں اسی طرح اُس نے بھی وہی باتیں بنائیں اسعد نے نہایت ہی نرم جواب دیا اور کہا آپ تشریف رکھئے غصہ کی کوئی بات نہیں ہے نرم زبانی اور سہولت سے تمام کام انجام پا سکتے ہیں۔ مصعب نے السلام علیکم کہا اور پھر یہ الفاظ زبان پر لایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حٰم تنزیل من الرحمٰن الرحیم۔ ان کلموں نے سعد پر ایسا غیر معمولی اثر کیا کہ اُس نے اپنے گھر سے کپڑے منگوائے پھر غسل کیا کلمۂ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا اس کے بعد صدق دل سے نماز کی دو رکعتیں ادا کیں اور دونوں یعنی اُسید اور سعد اُٹھ کے اپنی قوم کے پاس آئے اور سب گھروں میں یہ آواز دی کہ آج پردے کا دن نہیں ہے سب عورتیں مرد بچے باہر نکل آئیں۔ جب سارے قبیلے کے لوگ مرد عورتیں اکھٹی ہوگئیں تو سعد نے اُن سے خطاب کر کے کہا کہ تم مجھے کیسا جانتے ہو اور تم لوگوں میں میرا کتنا رسوخ ہے سب نے ایک زبان ہو کے جواب دیا کہ ہم تجھے اپنے میں مہتر اور بہتر جانتے ہیں اور تیری ہر رائے پر چلنا اپنا فرض سمجھتے ہیں جو کچھ تو حکم کرے گا ہم اس پر عمل کریں گے سعد نے کہا سنو اگر تم لوگ خدا پر ایمان نہ لاؤ گے اور حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نہ کرو گے تو تم سے خطاب کرنا مجھے حرام ہے۔

راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم اس دن قبیلہ نبی عبد الاشہل کے مردوں، عورتوں بچوں میں سے ایک شخص بھی ایسا باقی نہیں رہا تھا کہ جو مسلمان نہ ہو گیا ہو۔ اسکے بعد مصعب علانیہ مدینہ کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگے اور لوگ جوق جوق اور فوج فوج مسلمان ہونے شروع ہوئے زیادہ تر قبیلہ اوس اور خزرج کے اشراف مسلمان ہوئے۔ مصعب نے جب اپنی مشن میں پوری کامیابی حاصل کر لی تو خود حضرت مقدس نبوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت عرض کر دی۔

# مدینہ کی حالت

اسلام کی تحریک جب مدینہ میں پھیلنی شروع ہوئی ہے تو سر ولیم میور تحریر فرماتے ہیں کہ مدینہ کی حالت بہت ہی متزلزل تھی وہ اپنی سیرۃ النبی صفحہ ۱۲۱ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مدینہ میں یہودیوں کے بے شمار قبیلے آباد تھے اور یہ چھوٹے چھوٹے قبیلے دو بڑے بڑے گروہوں میں تقسیم تھے۔ ایک کا نام اوس تھا اور دوسرے کا نام خزرج تھا ان دونوں میں اکثر خونریز لڑائیاں رہا کرتی تھیں اور جب یہودی مدینہ کے بت پرستوں سے لڑنے نکلتے تھے تو اکثر انکی زبان پر یہ ہوتا تھا جن الفاظ کو ابن اسحٰق نے بہت سادہ طور پر اس طرح بیان کیا، ''عنقریب ایک پیغمبر کا ظہور ہونے والا ہے اُس کا وقت بہت ہی نزدیک آگیا ہے ہم اسپر ایمان لائیں گے اور پھر تمہیں قتل کریں گے،، چنانچہ جب حضور انور نے منا میں زائرین مکہ کو تلقین اسلام کی تو ان میں سے ایک شخص نے یہ کہا تھا دیکھو یہ وہی پیغمبر ہے جس سے یہودی ہمیں ڈرایا کرتے ہیں سب سے پہلے ہمیں اسپر ایمان لانا چاہیئے۔ میور صاحب تحریر فرماتے ہیں اگرچہ اس روایت میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے مگر بات ہے سچی ہاں یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہودیوں میں حضرت مسیح کے پیدا ہونے کا ایک عام خیال تھا اور یہ بات کہیں سے تحقیق نہیں ہوئی کہ بت پرستوں اور یہودیوں سے زیادہ میل جول رہتا ہو تو بھی یہودیوں کے ایک عام اثر سے انکار نہیں کیا جاتا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا اثر بہ نسبت عرب کے اور شہروں کے مدینہ کی تمدنی حالت پر بہت تھا مدینہ سے جتنی دور مکّہ تھا اس سے نصف فاصلہ پر جنوبی شام کی عیسائی قومیں آباد تھیں حسّان عرب کا لاثانی شاعر اکثر اوقات مسیحی غسّانی شاہ کے دربار میں جاکے قصیدے پڑھا کرتا تھا اور اس طرح اہل مدینہ کے تعلقات یہودیوں اور نصرانیوں سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔

طولانی لڑائیوں سے شہر کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی اور قبیلہ خزرج

والے تو بہت ہی ضعیف کر دیئے گئے تھے۔ قبیلہ میں ایک شخص کا قتل ہوا اور پھر کھلم کھلا
جنگ ہونے لگی مگر ان دونوں یعنی اوس اور خزرج میں ایک قبیلہ بھی ایسا طاقتور نہ تھا جو
سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لیتا اور اہل شہر خواہ بت پرست ہوں یا یہودی عجیب حالت
میں مذبذبین کی زندگی بسر کرتے تھے" یہ ہمارے دوست سر ولیم میور کا استدلال ہے
صرف اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ اسلام میں درحقیقت کوئی خاص خوبی نہ تھی اور
اہل مدینہ کی حالت ہی ایسی تھی کہ جونسا مذہب اُن کے آگے پیش کیا جاتا وہ قبول کر لیتے
ہم اس کمزور استدلال کو نہیں مانتے یہ میور صاحب کی غلطی ہے۔ اول بات یہ ہے
کہ یہودیوں میں ایک آنے والے پیغمبر کا خیال تھا اور وہ بت پرستوں سے لڑتے
وقت یہ کہا کرتے تھے کہ ٹھیرو ایک پیغمبر آنے والا ہے پھر ہم اس کی پیروی کر کے تمہیں
مزا چکھائیں گے۔ اگر یہودیوں کا یہ مقولہ صحیح ہے تو اس سے زیادہ تصدیق حضور انور
رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا ہو سکتی ہے کہ در و دیوار سے آوازیں نکلنے
لگی تھیں اور لوگوں کی زبان زد یہ بات ہو گئی تھی۔ دوسرے یہ بات کہ اسی خوف سے
سب سے پہلے بت پرست جو مکہ میں آئے تھے ایمان لائے ایک غلط استدلال اور
لغو بحث ہے، سب سے پہلے تو ان لوگوں کو ایمان لانا چاہیئے تھا جو شب و روز جپتے
پھرتے تھے کہ پیغمبر پیدا ہونے والا ہے۔ نہ کہ وہ لوگ جو صرف اپنے دشمنوں کی باتوں
کو سنتے تھے مگر اس خیال پر ایمان نہ رکھتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ طولانی لڑائیوں
نے مدینہ کی حالت خراب کر دی تھی اسے ہم مانتے ہیں مگر اس خرابی سے یہ لازم نہیں
آتا کہ وہ لوگ اپنا مذہب بھی تبدیل کر دیں۔ صدہا ممالک اب بھی موجود ہیں۔ جہاں
نہ کوئی باقاعدہ گورنمنٹ ہے نہ کوئی انتظام ہے اور جب کوئی زبردست قوم ان پر حملہ
کرتی ہے تو وہ مفتوح تو ضرور ہو جاتے ہیں مگر تحریک در تحریک پر بھی اپنا مذہب نہیں
چھوڑتے ایسی باتوں سے اسلام کے معجزہ میں کچھ فرق نہیں آسکتا۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جب دنیا کی خراب حالت ہو گئی تو خداوند تعالےٰ نے حضور
انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ ورنہ حضور کی بعثت اگر دنیا کی

اچھی حالت ہوتی تو زیادہ ضرورنہ تھی۔ اس کے بعد سرولیم میور مدینہ کی اندرونی حالت کی نسبت یہ تحریر فرماتے ہیں "مکہ کے سیاسی معاملات اور پیغمبر اسلام کے حالات سے مدینہ کے لوگ ناواقف نہیں تھے قریشیوں کے شام والے قافلے یہاں نہ صرف آکے ٹھیرتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات اہل مدینہ سے شادی بیاہ بھی کرلیتے تھے خود پیغمبر اسلام اس خاتون کے بطن سے ہیں جس کا تعلق قبیلہ بنی خزرج سے تھا ابوقیس مدینہ کا ایک شاعر قریشیوں سے اپنی نظم میں یہ کہا کرتا تھا کہ تم محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے صحابہ کے معاملہ میں کسی قسم کی دست اندازی نہ کرو۔ یہودی بھی پیغمبر اسلام کو اپنی کتب مقدسہ کا پرجوش مویّد سمجھتے تھے مدینہ کے گروہ کے گروہ سالانہ مکّہ کے معابد میں جاتے تھے۔ اگرچہ مسلمان تھوڑے سے ہوئے تھے مگر آپ کو اور آپکے دعووں کو جانتے سب تھے۔ یہی وجہ اتنی جلدی مسلمان ہونے کی ہوئی۔ ایسی کئی شہادتیں موجود ہیں۔ مثلاً جنگ ختم ہونے پر بنی اوس کی ایک سفارت مکہ میں طلب مدد کے لیئے آئی اور مکّہ میں داخل ہونے پر اُن کے کانوں میں حضور انور کی آوازیں پڑیں اہل اس گروہ میں سے ایک بچہ بیتاب ہوکے کہنے لگا کہ چل کے یہ باتیں سنیں مگر سفارت کے ایک مسّن شخص نے اس پر ایک مٹھی خاک کی ڈال کے کہا کہ ہمارا کیوں ہرج کرتا ہے جس کام کے لیئے آئے ہیں اُسے کرنے دے اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت ضایع کرنے سے کیا فائدہ ہے (ہشامی صفحہ ۲۸۲۔ طبری صفحہ ۱۵۹) فقط

سرولیم میور کی تحریر ختم ہوئی سمجھ میں نہیں آتا کہ فاضل مسیح مورخ اس سے کیا نتیجہ نکالنا چاہتا ہے ایسے خیالات اور ایسی معمولی مجبوریاں مذہبی تبدیلی کا کبھی باعث نہیں ہوا کرتیں۔ منطق کی ان کمزور دلیلوں سے اسلام کی سچائی پر دھبہ نہیں آسکتا یہ سارے جلے پھپولے صرف اِس لیئے پھوڑے جاتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص بھی ایمان نہیں لایا اور بس۔

## بیعت عقبۂ ثانیہ اور مدینہ منورہ کی طرف اصحاب سکینہ کی ہجرت

آپ کی مبارک نبوت کا تیرھواں سال تھا کہ حج کا زمانہ شروع ہوا۔ مدینہ سے

مشرکوں اور کافروں کا ایک عظیم گروہ حج بیت اللہ کی غرض سے مکہ میں آیا۔ جب مکّہ میں پہنچ گئے تو ان لوگوں میں سے مسلمانوں نے شب کے وقت حضور انور سے بیعت کی۔ کعب بن مالک کا بیان ہے کہ حرم میں پہنچ کے جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضوری کا شرف حاصل کیا اور حضور انور سے وعدہ کیا کہ دوسری شب ایام التشریق میں ہم لوگ شعب عقبہ میں حاضر ہو کے حضور سے دیر تک شرف ملازمت حاصل کریں گے۔ مگر افسوس ہے کہ ہم اپنے اس وعدہ کو پورا نہ کرسکے کیونکہ بُت پرست تاک میں لگے ہوئے تھے اور ہم بہتیرا چاہتے تھے کہ ان سے چُھپ چُھپا کے حضور کی خدمت میں حاضر ہوں مگر ممکن نہیں ہوا آخر تیسری رات متفرق ہو کے اور ایک ایک کرکے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب ہم سب جمع ہو گئے تو حضور انور اپنے چچا عباس کو ساتھ لے کے تشریف فرما ہوئے دوسری روایت یہ ہے کہ حضور پہلے سے وہاں موجود تھے غرضیکہ کعب بن مالک کا بیان ہے کہ ہم سب ستر تن تھے اس میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی تھے اس وقت تک حضرت عباس حضور انور کے چچا مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر چونکہ صاحب تدبیر تھے اِس لیے حضور انور آپ کو ساتھ لے آئے تھے تاکہ وہ انصار سے معاہدے کی شرطیں خوش اسلوبی کے ساتھ طے کرلیں۔ جب لوگ آ کے بیٹھ گئے تو حضرت عباس نے اس طرح باتیں شروع کیں۔

اُے خزرج کے لوگوں تم جانتے ہو کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا قرب ہم میں کہاں تک ہے اور وہ اپنی قوم میں اور اپنے خویش و اعزا میں زیادہ محترم ہے اور ہم نے جہاں تک ہم سے ہوسکا دشمنوں کی زد سے آپ کی اب تک حفاظت کی ہے اور اب تک ہم اسی ارادہ پر مستحکم ہیں لیکن محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ چاہتے ہیں کہ یہاں سے چلے جائیں اور تمہارے ساتھ محبت کا تعلق پیدا کریں۔ اگر تم آپ کی یہ استدعا قبول کروگے

تو آپ مدینہ منوّرہ جا سکتے ہیں مگر یہ شرط ہے کہ تم ہماری طرح دشمنوں سے حفاظت کرنے کا وعدہ کرو اگر ایسا عہد تم کرو گے تو آپ قطعی مدینہ روانہ ہو جائیں گے اگر یہ بات تم سے ممکن نہ ہو تو صاف جواب دے دو تاکہ تمہارا خیال چھوڑ دیا جائے۔

کعب نے جواب دیا اے عباس ہم نے تیری باتوں کو سنا اور قبول کیا۔ پھر ہیں نے حضور انور کی طرف خطاب کر کے کہا کہ آپ خود اپنی زبان مبارک سے ارشاد کریں کہ آپ ہم سے کیا کیا شرط کرنی چاہتے ہیں۔ دوسری روایت میں یہ آیا ہے کہ حضرت عباس پہلے آپ کے ہمراہ نہیں تھے مگر جب آپ باتیں کرنے لگے تو حضور انور کی آواز مبارک پہچان کے حضرت عباس مجلس میں آ گئے اور لوگوں سے خطاب کر کے یہ کہا۔

اے اوس اور خزرج کے لوگوں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے بھتیجے ہیں اور میں تمام مخلوق سے آپ کو زیادہ عزیز سمجھتا ہوں اگر تم نے آپ کی تصدیق کی ہے اور آپ پر ایمان لائے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ آپ کو اپنے ہمراہ لے جاؤ تو تم مجھ سے ایک مضبوط عہد کر لو تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے۔ میرا منشا یہ ہے کہ مدینہ جانے پر آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے اور غربت کی زحمت نہ معلوم ہو کیونکہ یہودی جو کہ تمہارے ہمسائے ہیں آپ کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں اور میں اُن کے مکر سے بے خوف نہیں ہوں۔

یہ باتیں سُن کے اسعد اور زرارہ کچھ پریشان سے ہو گئے اور اپنی اسی پریشانی میں کہنے لگے یارسول اللہ ہمیں اس وقت تو رخصت دیجیے تاکہ ہم سوچ کے اسکا جواب دیں۔ کیونکہ ہم خود ابھی نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے آپ کی مبارک ذات کو کسی طرح کی تکلیف پہنچے حضور انور نے انہیں رخصت کر دیا۔ چلتے وقت

ایک شخص نے انہیں سے کہا یا رسول اللہ آپ نے ہمیں اُس چیز کی دعوت کی ہے کہ آج اس کا قبول کرنا لوگوں پر دشوار ہے کیونکہ آپکا حکم ہے کہ ہم اپنے دین کو چھوڑ دیں اور ملتِ اسلام کی متابعت کریں۔ بس یہی بوجھ بہت بڑا ہے۔ ہم نے رغبت کے ساتھ آپ کی باتوں کو قبول کیا ہے۔ ہم میں اور کل اہل عرب میں جو کچھ تعلقات تھے ان کے قطع کرنے کا آپ نے اشارہ کیا اور ہم نے نہایت خلوص نیت کے ساتھ اُسے مان لیا۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس وقت ہم کتنی بڑی مصیبت میں ہیں کہ کل لوگوں سے ہمارا قطع تعلق ہوتا ہے مگر اِس مصیبت پر آپ کی محبت غالب ہے ایسی حالت میں اپنے عہد پر وہی شخص قایم رہ سکتا ہے جس کے دل میں خدا کا پاک نور بھر گیا ہو اور وہ تمام دنیا کی مخالفت کی پروا نہ کرے۔ ان سب باتوں کو نظر انداز کر کے ہم پھر بھی آپ کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اُس خدا کے ساتھ جو آپ کا اور ہمارا پروردگار ہے مضبوط عہد باندھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ کل ہاتھوں سے زیادہ بلند ہے۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم آپ پر فدا ہو جائیں گے۔ ہم اپنے نفسوں اور اپنے بدنوں کی آپ کے لئے قربانی کریں گے۔ اگر ہم اس عہد کو توڑ ڈالیں جو آپ کے ساتھ کیا ہے تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے خدا کے عہد کو توڑ ڈالا۔ یا رسول اللہ ہم اپنے قول میں سچے ہیں۔

اسکے بعد اسعد بن زرارہ نے حضرت عباس کی طرف خطاب کر کے کہا کہ رسول مقبول سے پہلے آپ نے جو باتیں کیں اس سے آپ کا مقصد کیا ہے آپنے جو فرمایا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میرے بھتیجے ہیں اور مخلوق سے زیادہ میں آپکو عزیز رکھتا ہوں۔ ہم تو اس کا مطلب کچھ نہیں سمجھے مگر ہم جو کچھ کہتے ہیں اُسے آپ سنیئے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ خدا کی طرف سے راستی کے ساتھ اس کی مخلوق میں بھیجے گئے ہیں آپ دروغ گو نہیں ہیں اور ایسا کلام آپ پر نازل ہوتا ہے کہ کلام بشر سے اُسے کچھ مشابہت نہیں ہے۔ اب یہ جو آپنے فرمایا ہے

اسود نے دریافت کیا کہ رسالت پناہی کا مکان کہاں ہے۔ عتبہ نے سب پتہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۴) اس پر مطلع کر دیا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا یعنی جب ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کیا تو حفصہ کو اطلاع دی کہ میرے بعد ابوبکر و عمر خلیفہ ہوں گے۔ بعض نے اس سے اعراض کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے جو عیاشی نے باسناد عبد اللہ بن عطا الملکی ابی جعفر سے روایت کیا ہے کہ دونوں بیبیوں نے اپنے اپنے باپ کو خلافت کی خبر دی اور جونہی رسول کریم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے دونوں پر عتاب فرمایا (ماریہ قبطیہ کے معاملہ میں) چونکہ انہوں نے رسول کریم کا راز افشا کر دیا تھا۔ اُس سے آپ نے اعراض کیا۔ وغیرہ وغیرہ یہ روایت ہے جو بیان کی گئی ہے اور یہ واقعہ ہے جو رسول کریم کے سر چپکا گیا اب ہم اس روایت کی اصلیت پر نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس روایت میں صداقت کہاں تک ہے۔ سرسری توجہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ روایت میں جو واقعے نقل ہوئے ہیں وہ کسی صورت سے بھی قرین قیاس نہیں معلوم ہوتے۔ مثلاً پہلی روایت میں تو یہ بیان ہوا ہے کہ رسول کریم بی بی حفصہ کے حجرے میں آئے کیونکہ اُس دن اُن کی باری تھی۔ پھر بی بی حفصہ نے کہا کہ مجھے کچھ کام ہے میں اپنے باپ کے پاس جاتی ہوں۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ خاص اُسی دن انہیں کوئی کام نکلا ہو کیونکہ نویں یا دسویں دن اُن کی باری آئی تھی۔ اس صورت میں ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اپنی باری کے روز چلی جائیں جبکہ اور دن انہیں ملنے ملانے کے کافی طور پر مل سکتے تھے نہ اس روایت میں یہ بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو آدمی بھیج کے بلایا تھا کہ سمجھا جائے کہ کوئی ضرورت نکل آئی ہوگی۔ اس لئے خاص باری کے دن جانا ضرور ہوا اچھا اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ تشریف لے گئیں تو پھر یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ رسول کریم نے ماریہ قبطیہ کو وہاں کیوں بلایا۔ جبکہ ماریہ قبطیہ کا مکان علیحدہ رہنے کا تھا آپ وہاں جا سکتے تھے

بتا دیا مگر یہ ہدایت کر دی کہ تم نہ اس کے پاس جانا نہ بات کرنا کیونکہ وہ بہت بڑا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵) اور وہ بہت ہی قریب تھا کچھ فاصلہ پر بھی نہ تھا کہ وہاں جانا دشوار ہوتا اور اگر یہ بھی فرض کر لیں کہ آپ نے اُسے بلایا اور آپ نے اس کے ساتھ مقاربت بھی کی اور بی بی حفصہ نے دیکھ بھی لیا اور آپ خفا بھی ہوئیں تو رسول اللہ نے اس قدر خوف کیوں کھایا اور اچھا یہ بھی فرض کرو کہ آپ کا خوف کھانا لازمی تھا تو پھر اس ارشاد کی کیا ضرورت تھی کہ میں نے آج سے اسے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے تو عائشہ سے اسکا ذکر نہ کیجو۔ حضرت بی بی عائشہ سے اس امر کو چھپانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جبکہ نہ انکے حجرے میں ایسا فعل ہوا اور نہ اُن کی باری کے روز ایسا ہوا۔ پھر اُن سے اندیشہ کرنا کیا معنی رکھتا تھا یہ اسقدر بے معنی استدلال ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اور خیال ہو سکتا ہے کہ ایسی روایت کا موضوع کرنے والا کسقدر عقلمند اور فہمیدہ شخص ہوگا اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ آپ کو حضرت بی بی عائشہ سے کوئی اندیشہ تھا اس لئے آپ نے منع فرمایا تھا تب بھی اس میں کوئی اندیشہ کی بات نہیں معلوم ہوتی یہ تو کل ازواج اور بالخصوص حضرت بی بی عائشہ کے لئے نہایت خوشی کا موقع تھا کہ ماریہ قبطیہ کو جس پر ابراہیم کے پیدا ہونے کی وجہ سے رسول اللہ کی زیادہ توجہ بیان کی جاتی ہے آج نبی نے اپنے اوپر حرام کر لیا دوسرے الفاظ میں اُسے چھوڑ دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی روایت کے چھپانے سے کیا فائدہ تھا اور کیوں اندیشہ کیا گیا۔ اور پھر آگے قرآن مجید کی آیت لکھی گئی ہے جس کا یہ مضمون ہے کہ جس چیز کو ہم نے تجھ پر حلال کر دیا ہے تو اُسے اپنے اُوپر کیوں حرام کرتا ہے اور اس آیت کے نازل ہونے یا راز والی آیت کے اترنے سے آپ ناراض ہو گئے اور ۲۹ روز آپ نے کل ازواج کی یا اُن دو بیبیوں کی صورت نہیں دیکھی اور ماریہ قبطیہ کے بر آمدہ یا بالا خانہ میں سکونت پذیر رہے یہ بھی عجیب متضاد مضمون ہے جس کا سر نہ پیر پہلے تو آپ کو

جادوگر ہے ایسا نہو کہ تجھے فریب نہ دیدے اسود نے کہا خواہ کچھ ہو ایک بار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۶) اس قدر خوف زدہ بنایا کہ جس کی انتہا نہیں پہلے آپ کو یہ خوف ہوا کہ اپنی حرم اپنے اوپر حرام بھی کر لی اور زیادہ خوف طاری ہوا تو یہ وعدہ کر لیا کہ میرے بعد ابو بکرؓ و عمر خلیفہ ہوں گے اور دلیری ہوئی تو اس قدر کہ ۲۹ دن ماریہ قبطیہ کے بالا خانہ میں رہے اور کسی دوسرے سے بات بھی نہ کی اور پھر کسی بی بی کا زہرہ نہ ہوا کہ ایک بات بھی مونہ سے نکالتی - اور ذرا بھی زبان ہلاتی - خیال ہوسکتا ہے کہ جب رسول کریم کی جرأت کی یہ کیفیت کہ آپ کسی بی بی کی پروانہ کرتے تھے اور ایک ہی کے پاس مہینہ بھر گذارتے تھے پھر آپ کو ضرورت کیا تھی کہ آپ بی بی حفصہ سے خوف کھاتے اور ڈر کے مارے اپنی چاہیتی ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیتے اور انہیں تسکین دینے اور اپنے سے خوش رکھنے کے لئے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو قبل از وقت خلافت سونپ دیتے -

ایک صورت تو اس روایت کی یہ ہوئی - دوسری صورت یہ بیان ہوئی ہے کہ نہیں بی بی عائشہ کے حجرہ میں ایسا کیا تھا اور بی بی حفصہ نے دیکھ لیا اور آپ نے منع کیا تھا کہ عائشہ سے نہ کہنا اور بی بی حفصہ حجرہ میں تھیں اور بی بی حفصہ نے رسول کریم کو ماریہ قبطیہ کے ساتھ مشغول پایا تو یہ فعل اگر اسے جرم قرار دیا جائے بی بی عائشہ کا کیا تو پھر کیا وجہ تھی کہ رسول کریم بی بی حفصہ سے ڈرے اور کیوں انکے خوف سے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور کیوں خلافت کی بشارت دی جبکہ اُن کا کوئی جرم ہی نہیں کیا تھا - پھر خوف کھانے کے کیا معنے تھے - سمجھ میں نہیں آتا اور نہ یہ خیال میں آتا ہے کہ بی بی عائشہ حجرہ میں سے نکل کے کہاں گئی تھیں - جبکہ اسلام میں پردہ ہو گیا تھا اور قرآن مجید میں صاف آگیا تھا کہ جب نبی کی ازواج سے باتیں کرو تو دروازہ کے باہر ہو کے اور اگر یہ کہیں کہ وہ بھی اپنے باپ کے گھر گئیں تھیں تو حضرت ابو بکر کا مکان تو مسجد نبوی سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر تھا ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت

ایسے شخص کو دیکھنا تو چاہیئے۔ عتبہ منع کرتا تھا اور اسعد جانے پر اصرار کر رہا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۷) بی بی عائشہ اپنی خاص باری کے دن اپنے باپ کے ہاں چلی گئی ہوں جبکہ وہ ایک ہفتہ میں چاہتے جس دن جاسکتی تھیں اور اگر یہ کہیں کہ وہ روز ان کی باری کا نہ تھا اور رسول اللہ یوں ہی چلے آئے تھے تو بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت بی بی عائشہ کا مکان سنگ مرمر کا محل تھا اور ماریہ قبطیہ کا بالاخانہ برا اور رہنے کے قابل نہ تھا۔ اس لئے آپ وہاں تو نہیں رہے اور یہاں ماریہ قبطیہ کو لے کے چلے آئے۔

ان دو مختلف روایتوں کی یہ توضیح ہے جو ہوسکتی ہے۔ خیال نہیں ہوسکتا کہ شمہ برابر بھی صحیح ہوں۔ جس شخص نے یہ روایتیں موضوع کی ہیں وہ تھا بھی بہت کم عقل کہ اس نے مذکورۂ بالا توضیحات پر ذرا بھی غور نہ کی حضرت ابی جعفر سے اس روایت کو نسبت دینا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ جبکہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے لاکھوں موضوع حدیثوں کا پتہ لگتا ہے۔ عیاشی ہوں یا مکی۔ شامی ہوں یا مدنی ہوں۔ جس نے یہ روایت نقل کی ہے اس میں بوئے اسلام مطلق نہ تھی۔ اب یہ دیکھنا کہ مجمع البیان طبرسی میں یہ روایت کیونکر نقل ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ شیعی مذہب کی ایک معتبر تفسیر ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ ان روایتوں میں وہی مخالفت کی بو آتی ہے جو ابتدائے سنین ہجری ہی میں بدقسمتی سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں پیدا ہوگئی تھی اور جسکا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور اسی مخالفت کا سبب تھا کہ آج اس قسم کی لاکھوں روایتیں جو کبھی بھی صحیح نہیں ہوسکتیں کتابوں میں منضبط ملتی ہیں۔ اول اول مخالفت ملکی تھی۔ مگر بعد ازاں یہی مخالفت مذہبی ہوگئی اور اس سے موضوع روایت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مخالفوں پر تازہ تازہ بہتان اٹھانا اور انہیں بہر صورت ملزم بنانا بلکہ انہیں شب و روز گالیاں دینا مذہب کا جزو اعظم بن گیا۔ قرآن مجید کی آیتوں کو خاص ایک امر کے لئے مخصوص کرنا اور اپنی موضوع روایت کا مطلب نکالنا یہ تیسری صدی ہجری کے وسط سے شروع ہوگیا تھا۔

آخر زیادہ قیل و قال کے بعد اسعد نے یہ کہا وہاں میں نہیں جائیگا مگر طواف کعبہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۸) کسی روایت کے ساتھ کوئی سند ویسی نہیں بیان کی گئی ہے جسے خواہ مخواہ تسلیم کرنا پڑے اور لطف یہ ہے کہ اکثر روایتیں تمدن عرب کے بھی بالکل خلاف ہیں اور ان میں ایرانی تمدن کا رنگ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اکثر راوی ایرانی نژاد ہیں اور کوئی ثبوت اس کا نہیں ہے کہ وہ راوی مسلمان بھی تھے یا نہیں۔

عقل شہادت نہیں دیتی کہ حضرت ابی جعفر علیہ السلام اپنے نانا کے خانگی تعلقات عام طور پر بیان کریں گے اور اُنہیں ذرا بھی حجاب نہ آئے گا۔ ایسی روایتوں سے اسلام کا بھی تو کوئی خاص اصول نہیں نکلتا تھا اور نہ کسی خاص الجھے ہوئے مسئلہ کی توضیح ہوتی تھی۔ حضرت ابی جعفر علیہ السلام اس میں شک نہیں کہ اہل بیت کے چراغ تھے اور کاش آپ کی کوئی خاص کتاب یا کوئی نوشتہ ہوتا تو اُس کی صداقت میں پھر کسی طرح بھی کلام نہیں ہوسکتا تھا۔ آپ سے دوسروں نے جن میں اکثر ایرانی نژاد تھے۔ اور جو مخالفت سے بالکل متاثر ہو رہے تھے یہ روایتیں بیان کی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بخاری نے کئی لاکھ حدیثوں کا انتخاب کیا ہے تو اس نے اہل بیت کی روایتوں پر زیادہ نظر نہیں کی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اُسے ایسی روایتوں کا ڈھیر ملا جو اہل بیت کی نہ تھیں۔ مگر اُن کے نام سے رواج پاگئی تھیں۔ اگرچہ اس وقت تک وہ کسی کتاب کی صورت میں منضبط نہ ہوئی تھیں۔ لیکن اُن کی اشاعت فریق مخالف میں پورے طور پر ہوگئی تھی اُس نے کوشش تو ضرور کی ہوگی کہ ان صحیح روایات کا پتہ لگے جو واقعی اُن کی ہوسکتی ہیں۔ مگر ایک مخالف گروہ کی مخالفت کے طوفان بے تمیزی کے آگے اس کی کوشش کارگر نہیں ہوئی۔ اور اخیر اس دفتر بے پایاں سے اُس نے اپنا پہلو بچایا۔ اور اس الزام کو کہ بخاری نے اہل بیت کی روایتوں سے گریز کی ہے۔ اُس نے اپنے اوپر ہمیشہ کے لئے لینا قبول کیا۔ مگر اپنی کتاب میں زیادہ غلطیوں کا انبار لگانا اچھا نہ جانا۔ اسی بنا پر اُس نے خاندان بنی امیّہ کی فالتو بکو

ے لئے ضرور جاؤں گا چنانچہ وہ گیا اور پہلے مراسم عمرہ میں مشغول ہوا مگر یکایک

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹) نہیں لیا۔ اور اگر دو ایک روایتیں بیان بھی کی ہیں تو وہ بھی معمولی طور پر کیونکہ بنو امیہ میں بھی وہی کشش پائی جاتی تھی جو فریق مخالف میں تھی۔ اور یہ بھی بہت بڑی وجہ ہوئی کہ جب بخاری ترتیب دی گئی ہے تو بنو امیّہ کا خاندان برباد ہو چکا تھا۔ اور بنو عباس کے عروج سلطنت میں بنی امیہ کا نام لینا بہت بڑا جرم خیال کیا جاتا تھا۔

جب بخاری کی ترتیب ہو چکی ہے تو اس کی پوری نصف صدی بعد ان روایتوں کی ترتیب ہوئی جو مجمع البیان طبرسی اور کلینی وغیرہ کتب میں پائی جاتی ہیں۔ یہ کبھی نہیں کہا جاسکتا کہ جتنی روایتوں کی ان یا ان جیسی کتب میں ترتیب ہوئی ہے وہ سب کی سب غلط ہوں نہیں بلکہ ان میں بہت سی روایتیں صحیح بھی ہوں گی۔ مگر کوئی محک ان کے پرکھنے کی ہمارے پاس نہیں ہے۔ اسی طرح سنیوں کی روایتوں کے پرکھنے کا کوئی معیار نہیں ہے تاہم درایت سے ہر ایک روایت کو پرکھا جاسکتا ہے۔ اور جہاں تک ہمارا خیال ہے محقق کو سخت جانکاہی کے بعد صحیح کامیابی ضرور ہو سکتی ہے۔ اسماء الرجال کا علم اس قدر ہماری مدد ضرور کر سکتا ہے کہ درایت سے جانچنے میں وہ ہمارا رہنما بنے۔ اور ان دقتوں کو دور کرے جو ہمیشہ ایسی حالت میں آکے حائل ہو جایا کرتی ہیں۔ اور اگر صرف اسماء الرجال پر تکیہ کرلیں گے۔ تو ہمیں سخت سخت مشکلات کا سامنا ہوگا۔ اور پھر ہمیں اسماء رجال کے ساتھ تواریخ کا ایک عظیم دفتر ترتیب دینا پڑے گا۔ مثلاً اسماء الرجال نے ایک راوی کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کی شہادت دی۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ ہمارے پاس اس شخص کے کامل سوانح عمری کہاں ہیں۔ جسے ہم ثقہ اور غیر ثقہ کہتے ہیں۔ نہ اُس کے کارنمایاں کی ہمیں خبر ہے اور نہ ہم اُس کے حالات سے کماینبغی واقف ہیں اور نہ یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ جس بادشاہ کے زمانہ میں تھا، معاملات سیاسی کا اُس پر کتنا اثر پڑا تھا اور وہ مسلمانوں کے کس گروہ کا مذاق زیادہ رکھتا تھا اس میں

اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ مجھ سے زیادہ کوئی بڑا اور احمق نہیں ہو سکتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۰) شک نہیں کہ علمائے اسلام کے واقعات زندگی بہت کچھ بیان ہوئے ہیں۔ ابن خلکان نے ایک حد تک اس معاملہ میں پوری کامیابی حاصل کی ہے اور صاحب کشف الظنون نے علماء کی تصانیف کی تحقیق میں بڑی حد تک اسلام کی قابل تعریف خدمت انجام دی ہے مگر پھر بھی راوی کے واقعات زندگی کی سچی تصویر اتارنے میں ہر مصنف قاصر رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ روایتوں میں اسماء الرجال کے مرتب ہونے کے بعد بھی سخت اختلاف رہا ہے۔ کوئی اصلی معیار روایت کے پرکھنے کی نہ شیعہ نکال سکے نہ سنی اور نہ خارجی اور نہ معتزلی۔ سب ہی اس میں قاصر رہے اور سب ہی نے اس میں ناکامی اٹھائی۔ اگر واقعی کوئی معیار نکل آتی تو شیعہ سنی کا جھگڑا قطعی اٹھ جاتا اور فروعی اختلافات جنہوں نے اصول کا جامہ پہن لیا ہے بالکل جاتا رہتا۔ اس تحریر سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ روایتوں اور حدیثوں کا سارا دفتر ردی اور ناقابل تسلیم ہے بلکہ میرا منشار اصلی یہ ہے کہ کھری کھوٹی روایتوں کی اتنا چھاننے کے بعد بھی آمیزش چلی آتی ہے اور کسی زمانہ میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ نہیں ہو سکا۔

کسی صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا اور اس طرح منع کیا تھا اور آپ نے یوں فیصلہ کیا تھا اور اس طرح رخصت دی تھی اور اس کے بعد اس کا یہ قول کہ ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا اور فلاں امر سے ہم کو منع کیا گیا تھا۔ یا صحابی کا یہ کہنا کہ فلاں مسنون ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے ابو القاسم (یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اور اس کے بعد اس صحابی کا یہ قول کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے تو اس سے بظاہر اس حکم کا مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے علت مدار علیہ حکم کے خیال کرنے میں اپنے اجتہاد کو دخل دیا ہو کہ یہ امر واجب ہے یا مستحب عام ہے یا خاص۔ اور

کہ مکہ میں آؤں اور ایسے بڑے شخص کی صورت نہ دیکھوں جس نے عروہ نیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۱) صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے بطور نص کے ہرگز نہیں تسلیم کیا جا سکتا تھا۔ اگر بطور نص کے بھی تسلیم کیا جائے تو یہ ثبوت نہیں ہو سکتا کہ بیشک اس صحابی کا قول ہے کہ جس کے نام سے روایت کیا گیا ہے خیال ہو سکتا ہے کہ ایک ہی روایت میں جب راویوں کا اختلاف ہو اور وہ تمام راوی فقاہت ضبط حدیث میں ہم مرتبہ ہوں تو پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اُس اختلافی روایت کے الفاظ آنحضرت ہی کے ہوں۔

عام راوی ہمیشہ روایت میں اصلی معنے کا لحاظ کیا کرتے تھے مگر عربی زبان ایسی وسیع ہے کہ ایک ہی لفظ جب کئی کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے اور ایک ہی چیز کی معمولی شکل بدلنے سے دوسرے الفاظ آجاتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ الفاظ کا سب نے ایک ہی مفہوم سمجھا ہو اور پھر اس بیان کردہ مفہوم کو سننے والے نے اُن ہی معنوں میں لیا ہو جو معنے قائل کے ذہن میں تھے عام طور پر راویوں نے کبھی زوایداور حواشی کا مطلق خیال نہیں کیا ہے خواہ وہ راوی سنّی ہوں یا شیعہ خارجی ہوں یا رافضی سب کی ایک ہی کیفیت رہی اور زوائد سے کسی نے بھی پہلو بچانے کی کوشش نہیں کی۔ جب یہ امر مسلّم ہو گیا تو محدثوں یا احادیث نبویہ کے جانچنے والوں نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ راویوں میں سے جو راوی ثقہ ہو گا اور اُس قصّہ اور واقعہ سے خوب واقف ہو گا۔ اسی کو اختیار کرینگے اور اگر ثقہ راوی کے قول میں ضبط کا اہتمام بھی زیادہ ہو گا۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ وثب کا لفظ وارد ہوا ہے قام کا اور مغاض علی جولا المار" آیا ہے۔ نہ اغتسل تو اُسے بھی اختیار کریں اور اگر حدیث کی روایت میں راویوں نے بہت زیادہ اختلاف کیا ہو گا۔ اور وہ سب رتبہ میں مساوی ہوں گے۔ اور کوئی مرجح نہ ہو گا تو وہ تمام خصوصیتیں مختلف فیہ لغو ہوں گی۔

زلزلہ ڈال رکھا ہے اور بت پرستی خوف زدہ کانپ رہی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲) ہم نے روایتوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے ہمارا خیال ہو اس سے کوئی فہمیدہ شخص انکار نہیں کر سکتا۔ ہم اصول سے بحث کرتے ہیں اور ہماری بحث میں کہیں کوئی کمزوری یا خیالی بات نہیں ہونے کی جن روایتوں میں صحابہ کا بہت بڑا اختلاف ہے اور جن روایتوں میں کہ راوی باوجود ثقہ ہونے کے مختلف ہیں سمجھ لو کہ وہ روایتیں ہی سرے سے سراسر لغو ہیں اگر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی دیکھے جائیں تو معلوم ہو کہ صحابہ آپ کا کس قدر ادب کرتے تھے اور صحابہ نے آپ سے کبھی فرائض کے متعلق بھی کوئی مسئلہ بار بار دریافت نہیں کیا۔ سب باادب حاضر ہوتے تھے اور ارشاد نبوی پر کان لگا کے متوجہ ہو جاتے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ رسول اللہ کے خانگی امور کے متعلق کچھ دریافت کرتا اور آپ اُسکا جواب دیتے نہ آپ ایسا کر سکتے تھے کہ اپنے ذاتی اور خانگی حالات بلاسبب صحابہ کے آگے بیان فرماتے نہ وہاں کسی مسئلہ پر بحث تھی اور نہ تکرار تھی اور ایک عجیب سادہ مذہب تھا۔ خدا کو ایک مانو اور محمد کو اس کا برحق نبی جانو۔ روز آخرت پر ایمان رکھو۔ نماز پڑھو زکوۃ دو سال بھر میں ایک مہینہ کے روزے رکھو اور اگر استطاعت ہو تو تمام عمر میں ایک بار حج بیت اللہ کر آؤ اور بس نہ یہ روایتوں کا طوفان تھا اور نہ فقہی مین میگ نکلتی تھی اور جس طرح بعد ازاں روایتوں کی کثرت ہو گئی اور فقہا کی بحثوں کے ابواب کھل گئے ایک بات بھی نہ تھی راویوں کی تو یہ کیفیت تھی جو ہم نے اوپر مختصراً بیان کی۔ فقہا کی سن لیجئے۔ انہوں نے نئی نئی صورتیں فرض کیں اور ان ہی مفروضہ صورتوں پر گفتگو کی اور جہاں تک ہوا محض اپنی ذاتی رائے سے اُنہیں طول دیا اور وہ وہ باریک مسائل نکالے جو کبھی خیال میں بھی نہ آسکتے تھے۔ چونکہ اُنہوں نے اپنی ذاتی رائے کو دخل دیا تھا اس لئے اختلاف بھی اسقدر رہے کہ کوئی انقطاعی فیصلہ کسی بات میں معلوم ہی نہیں ہوتا۔

حضور انور کی تعلیم عجیب و غریب تھی۔ وو ہی لفظ کہنے کا اثر صحابہ پر اسقدر رہتا تھا کہ

غرض اسعد حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور رسم جاہلیت کے بموجب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۳) وہ معمولی باتوں کے دریافت کرنے میں حضور انور کو ذرا بھی تکلیف نہ دیتے تھے اور بات بھی یہ تھی کہ اس جلیل القدر شہنشاہ کے سامنے کس کی مجال تھی جو کوئی بات بھی بلا ضرورت اور بے ادبی کی نکال سکتا۔ صحابہ اور رسول کریم کا برتاؤ یہ تھا کہ صحابہ جس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھتے تھے۔ اسی طرح آپ بھی کرنے لگتے تھے۔ آنحضرت نے کبھی اس کی تشریح نہیں فرمائی کہ یہ امر فرض ہے۔ اور وہ مستحب ہے۔ اسی طرح حضور انور نماز پڑھتے تھے۔ اور صحابہ جس طرح آپ کو نماز پڑھتے دیکھتے تھے۔ اسی طرح پڑھنے لگتے تھے حضور انور نے حج کیا اور صحابہ نے بھی اسی طرح اعمال حج ادا کئے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ حضور انور سے سوال کرتا اور فرض و مستحب کی بابت دریافت کرتا نہ خود آنحضرت کو ان مسایل کے سمجھانے کی کوئی ضرورت تھی۔ یہ ساری باتیں معاشرت سے تعلق رکھتی تھیں اور نفس مذہب سے انہیں کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ اگرچہ فقہا نے انہیں کھینچ تان کے مذہبی جامہ پہنا دیا ہے۔ مگر سرچشمہ اسلام اس سے بالکل مبرا ہے اور اس نے ایسی باریکیوں اور بے ہیچیدگیوں کو کبھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس کی تشریح نہیں فرمائی کہ وضو کے فرایض چھ ہیں یا چار ہیں اور یہ بھی فرض نہیں کیا گیا تھا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی شخص بغیر موالات کے وضو کرے اور اسوقت وضو رہنے یا نہ رہنے کا حکم کیا جائے اِلَّا مَا شَاءَ اللہ صحابہ اس قسم کے فضول امور دریافت نہ کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے کسی قوم کو بہتر نہیں پایا انہوں نے حضور انور سے وفات تک صرف تیرہ مسئلے دریافت کئے جو قرآن میں مذکور ہیں۔ اُن مسایل میں سے یہ ہیں کہ تجھ سے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ کہدے اس مہینہ میں لڑنا بہت بُرا ہے۔ ویسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیرہ اور تجھ سے حیض کا حال دریافت کرتے ہیں۔ ویسئلونک عن المحیض۔

اس نے سلام نہ کیا۔ حضور انور نے کہا اسلام علیکم اور پھر فرمایا کہ یہ سلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۴) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ صحابہ وہی امور دریافت کرتے تھے جو مفید ہوں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر کا قول ہے وہ امور دریافت نہ کرو جو ابھی ہوئے نہ ہوں اس لئے میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ خدا اُس شخص پر لعنت کرے جو ایسے امور دریافت کرے جو ابھی تک وقوع میں نہ آئے ہوں۔ قاسم کا قول ہے تم ایسے امور دریافت کرتے ہو جن کو ہم دریافت نہ کرتے تھے اور ہم نے ایسے امور کی تفتیش نہیں کی۔ تم وہ امور دریافت کرتے ہو جن کو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا ہیں اور اگر ہم انہیں جانتے تو اُن کا چھپانا کسی طرح بھی جائز نہ تھا۔ عمر بن اسحاق سے روایت ہے کہ میں صحابہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوں اُن کی تعداد اُن سے زیادہ تھی جو مجھ سے پہلے گذر چکے تھے میں نے کسی قوم کو ایسا نہیں پایا جس کی روش میں آسانی زیادہ اور سختی کم ہو۔ عبادہ بن بسر کندی سے روایت ہے اُن سے اس عورت کا حال دریافت کیا جو ایک قوم کے ساتھ مرگئی تھی اُس کا کوئی ولی نہ تھا انہوں نے بیان کیا کہ میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو تمہاری طرح سختی نہیں کیا کرتے تھے نہ تمہارے ان مسایل کو وہ دریافت کرتے تھے۔ (یہ تمام آثار دارمی نے روایت کئے ہیں) دارمی کے ان تمام آثار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس ابتدائی زمانہ میں ہی لوگوں میں غیر ضروری باتوں کے دریافت کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور صحابہ راشدین اس مہلک بیماری کو روکنے کے لئے سخت کارروائی کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایسے شخص پر لعنت کرنا کہ جو وہ امور دریافت کرے جو ابھی وقوع میں نہ آئے ہوں۔ اُن غلط روایات کی اشاعت پر ایک تازیانہ ہے جس کی سلسلہ جنبانی شروع ہوگئی تھی۔ سمجھنے کی بات ہے جب خلفا کے وقت میں فضول اور غیر ضروری امور میں جستجو ہونے لگی تھی۔ پھر بعد میں کیا خیال ہو سکتا ہے کہ کیسی آفت برپا ہوئی ہوگی۔ جبتک صحابہ زندہ رہے انہوں نے بہت تشدد سے اس قسم کے خیالات کو روکا۔ اور ہمیشہ ایسے لوگوں کی برائی کی

اہل بہشت کا ہے اور مجھے خبر دی گئی ہے کہ اس سے بہتر سلام نہیں ہوسکتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۵) جو غیر ضروری باتیں دریافت کرتے تھے اور خواہ مخواہ فرضی مسایل میں ردوکد ہوتی تھی اور جب صحابہ کی وفات ہوگئی اور کوئی صحابہ زندہ نہ رہا تو غلط روایات کا طوفان چاروں طرف سے اٹھا اور وہ مفسد طبایع جو صحابہ کے دباؤ سے رُکی ہوئی تھیں یکایک اُٹھ کھڑی ہوئیں اور انہوں نے اپنے قدیم شوق کو پورا کیا پھر کیا تھا لاکھوں حدیثیں بن گئیں اور ہزاروں غلط روایات کی اُن میں آمیزش دے دی گئی۔

خارجیوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آپ کے صاحبزادوں کی نسبت ایسی ایسی روایتیں گھڑیں جنکا سر نہ پیر اور وہ وہ طوفان اُٹھائے کہ العظمتہ للہ یہانتک کہ آپکی شان اقدس و اطہر میں گستاخی اور بے ادبی کرنے کو جزو ایمان قرار دیدیا۔ اسی طرح ایک دوسرا گروہ پیدا ہوا جس نے اُس فریق کے جواب میں بالکل اصحاب ثلاثہ پر وہ وہ نا ملایم الزام لگائے کہ مشرقی فسانوں کو بھی پرے بٹھا دیا جو باتیں عقل و نقل کے خلاف ہوں اور جو ایک سمجھدار بچہ کی بھی سمجھہ میں نہ آئیں وہ انکے سر چپکی گئیں اور مبالغہ کی انتہا کو یہانتک پہنچایا کہ اصحاب ثلاثہ کی وفات کے بعد کی کیفیت بیان کردی اور عالم ارواح کے رازوں کو جنہیں کوئی نہیں کھول سکا ہے۔ اپنی فسانہ پسند طبایع کے زور سے آنکھوں سے دکھا دیا اگر کاش اسی پر قناعت کی جاتی کہ ان کی زندگی ہی کے واقعات بیان کئے جاتے اور خواہ کچھ ہی اُن کی نسبت کیوں نہ کہا جاتا مگر بعد از مرگ کی حالت سے بحث نہ ہوتی تو بھی چنداں شکایت کی بات نہ تھی وہاں تو یہ غضب ہوا جب تک وہ زندہ رہے اُن پر سب و شتم رہا اور جب ان کی وفات ہوگئی تو بھی اُن کا پیچھا نہ چھوڑا اور اس بات کا تماشہ دکھایا کہ اُن پر کیا گذر رہی ہے۔

اگرچہ اصل مطلب سے بہت دور ہٹ گیا ہوں پھر بھی میں نمونتاً ایک حکایت بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ ہماری روایتوں میں مشرقی فسانہ کا رنگ کسقدر ہے

اسعد نے حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کس دین کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۶) اور جن لوگوں نے یہ روایتیں گھڑی ہیں ان کا دماغ کس قسم کا تھا اور وہ کس فطرت کے تھے حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے یعنے آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن شام کو جو سیر کرنے نکلا تو میرا گزر ایک وادی میں ہوا میں نے دُور کی ایک پہاڑی میں دھواں اُٹھتا ہوا دیکھا اور پھر میں نے نالہ و بکا کی آوازیں سنیں۔ جب میں قریب گیا تو میں نے سُنا کہ عمر اور ابو بکر پر عذاب نازل ہو رہا ہے اور یہ آگ اُن ہی کے لئے روشن کی گئی ہے اتنے میں میں نے اُنہیں ایک جلتی ہوئی پہاڑی پر کودتے ہوئے دیکھا۔ اُن دونوں نے میری صورت دیکھ کے مجھ سے طلب آمرزش کی۔ میں نے کہا تمہاری سزا یہی ہے تم اسی طرح رہو۔ یہ روایتیں ہیں جو نہایت وثوق سے بیان کی جاتی ہیں اور یہ واقعات ہیں جنہیں مثل کلام خدا کے یقین کیا جاتا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہاتھ سے کھانے کا طباق چھین لینا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ہزارہا بار حضرت علی کرم اللہ وجہ کے پاس پھیرے کرنا اور بھولے سے وحی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدینا یہ روایتیں ہیں جو مخالف فریقین میں بنائے مذہب سمجھی جاتی ہیں اور اُن کا منکر یا اُن میں شبہ کرنے والا کافر گنا جاتا ہے۔

روایتوں کا یہ طوفان بے تمیزی تھا جو برپا تھا اور یہ غضب تھا جو اسلامی دنیا میں ہو رہا تھا اس تلخ ترین عداوت پر کب ممکن ہو سکتا ہے کہ جتنی روایتیں پیش کی جاتی ہیں ان میں بمشکل ایک بھی صحیح نکلنے۔ ستم ہے کہ ازواج پاک اپنے ان تعلقات کو بیان کریں جو حضور انور کے ساتھ تھے یا حضور انور اپنے ازواج پاک کے اندرونی تعلقات کا اظہار کریں غلط روایات نے فقہ پر بھی پورا اثر ڈالا۔ کیونکہ ہر فقیہہ اُسوقت کسی مسئلہ میں اپنی طرف سے اجتہاد کرتا تھا۔ جب اُسے کوئی حدیث نہیں ملتی تھی اور جب اسے کوئی حدیث مل گئی تو پھر وہ اپنی رائے سے دست بردار ہو جاتا تھا۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ حدیث کے صحیح اور غیر صحیح ہونے پر کھ بالکل اس کی ذاتی تحقیق اور اُس کے ذاتی فیصلہ پر موقوف تھی۔ ایسی بہت سی

دعوت کرتے ہیں حضور انورؐ نے ارشاد کیا کہ میں تمہیں کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۷) حدیثوں کا پتہ لگتا ہے جو ائمہ فقہا میں مختلف فیہ ہیں یعنے ایک فقیہ ان حدیثوں کو صحیح مانتا ہے اور دوسرا غیر صحیح - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی تحقیق ہر ایک نرالی ہے اور ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا پابند نہیں ہے - اب اگر ان تمام فقہا کی مانی ہوئی حدیثوں کو رسول اللہ کے آگے پیش کرنے کی کوئی صورت نکل آئے تو فی ہزار مشکل سے ایک روایت صحیح نکلے گی - قرآن کی سادہ تعلیم خود اس بات کی شاہد ہے کہ یہ روایتیں خود تعلیم الٰہی اور کلام الٰہی کی کیسی متناقض آگے واقع ہوئی ہیں اسمیں شک نہیں کہ ہمارے علماء محض نیک نیت تھے اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ اسلام کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے کیا اور ایسا کیا کہ اسلام ہمیشہ ان کا ممنون رہے گا مگر ساتھ ہی انسانی کمزوری اور فروگذاشت کی عادت سے بھی وہ مبرا نہ تھے - اور مسلمانوں کا کوئی فریق اپنے علماء کو معصوم نہیں تسلیم کرتا - ضرور اُن پر ان لاکھوں روایات کا اثر پڑا جو عام طور پر اسلامی ممالک میں رائج تھیں - اور اگرچہ انہوں نے نہایت نیک نیتی سے حدیثوں کا انتخاب کیا پھر بھی اس میں کچھ نہ کچھ کسر باقی رہ گئی اور جس کسر کو وہ خود تسلیم کرتے تھے اور بسبب اس کے کہ وہ اسلام کے سچے خیر خواہ تھے اُنہیں انقطاعی یقین اپنی جمیع احادیث پر نہ تھا -

حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کی وہ حکایت مشہور ہے کہ جب خلیفہ ہارون الرشید نے آپ سے کہا ہے کہ میں موطا کعبہ کے دروازہ پر لٹکا کے عام حکم دے دیتا ہوں کہ کل مسلمان اسی کو پڑھیں اور اسی پر عمل کریں تو آپ نے محض اس فدائیانہ عشق کی وجہ سے جو آپ اسلام اور بانئے اسلام سے رکھتے تھے - یہ منظور نہیں فرمایا اور کہا اے امیر المومنین ایسا نہ کر ممکن ہے کہ لوگوں کے پاس اس سے زیادہ صحیح احادیث پہنچی ہوں اور وہ اُن پر عمل کرتے ہوں - مبادا اس کتاب کی اشاعت سے اُنہیں وہ صحیح احادیث ترک کرنی پڑیں -

محمد رسول اللہ کی دعوت دیتا ہوں اور یہ حکم کرتا ہوں کہ کسی چیز کو خداوند تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۸) یہ شان تھی ہمارے علمائے کرام کی اور یہ نیک نیتی تھی جسکی نظیر کسی قوم کے علماء میں ملنی ممکن نہیں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ انقطاعی طور پر یہ نہیں کہسکتے تھے کہ یہ رسول اللہ کی حدیث ہے کیونکہ آپ نے خود تو رسول کریم کی زبانی کچھ سنا نہ تھا کہ اس پر یقین ہوتا۔ بلکہ آپ کو راویوں کے ذریعہ سے کچھ پہنچا تھا۔ اِس لئے آپ کسی صورت سے بھی کسی ایک حدیث کو قطعی طور پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں کہہ سکتے تھے۔

فقہا بھی بسبب اس فطری کمزوری کے جو انسان میں روز ازل سے ودیعت ہوئی ہے بہت سے مقامات پر اپنا پہلو ان غلط روایات سے نہیں بچا سکے مثلاً منی کے مسائل میں حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتیں اور اس کی پاکی اور ناپاکی کے بارے میں آپ کی شہادتیں جو حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے نقل کی ہیں کسی طرح بھی پذیرا نہیں ہوسکتیں حضرت بی بی عائشہؓ کے زمانہ حیات میں بکثرت صحابہ موجود تھے۔ اور جلیل القدر خلفا بھی مدینہ منورہ سے باہر کہیں چلے نہیں گئے تھے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی خلیفہ اور کسی صحابی نے تو منی کی پاکی اور ناپاکی کے مسایل نہیں بیان کئے اور آپ ہی نے اس کے پاک ناپاک ہونے کی نسبت فیصلہ کیا حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ محمود ومسعود میں قرآن مجید میں ازواج پاک کو پردہ کرنے کا صاف حکم آگیا تھا کہ نہ کوئی صحابی در آنا اندر چلا آئے اور نہ کسی بی بی سے بات کرے جب قرآن مجید میں یہ حکم آچکا تھا تو بعد وصال رسول کریم اس پر پورا عملدرآمد ہونا بھی لازمی تھا اور بیشک ہوا بھی ضرور پھر خیال نہیں ہوسکتا کہ کسی صحابی نے ایسے مسایل پردہ ہی میں حضرت بی بی عائشہؓ سے دریافت کئے ہوں اور آپ نے اُن کو ایسا جواب دیا ہو جو فقہ کی کتب میں موجود ہے اور وہ جواب ایسا ہے کہ اُسے نقل کرتے بھی شرم آتی ہے۔ یہ صحیح کہ فقہا کو ایسے مسایل کی تنقیح کرنے کی ضرورت

کے ساتھ شریک نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور اپنے بچوں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۹) پڑی ہو گی لیکن انہوں نے اپنی رائے یا اپنے اجتہاد کو قوی کرنے کے لئے ان غلط روایتوں میں سے ایک روایت لے کے پیش کر دی ہو جو فریق مخالف ابتدائے سنین ہجری سے مشہور کرتا چلا آیا تھا اور انہیں اس روایت کو اپنی تائید میں پیش کرنے میں کوئی قباحت نہ معلوم ہوئی ہو۔ یہ ساری باتیں ممکن ہیں اور قطعی اسی طرح سے ہوئیں اور ہماری وجوہات کو دیکھ کے ہر شخص ہماری تائید کرے گا۔

کسی اجتہادی مسئلہ میں اختلاف ہونا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی اور اسی طرح استنباط مسائل میں اختلاف ہونا لازمی تھا مگر حدیثوں کی بنا پر جن فقہی مسایل کا دار و مدار ہے۔ اُن میں اختلاف ہونا ضرور اس امر کی دلیل ہے کہ کل روایتوں کو تسلیم کیا گیا تھا۔

عام طور پر ایک سخت غلط فہمی چلی آتی ہے اور کم و بیش اسے سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے ۷۲ یا ۷۳ فرقوں کا اسلام میں ظہور رہا ہے۔ مگر یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ قرآن مجید کبھی اختلاف نہیں ڈال سکتا۔ اگر قرآن مجید کی عبارت میں یہ کیفیت ہوتی کہ اُس سے ہزارہا معنی پیدا ہوتے تو سب سے پہلے قرآنی مسائل میں صحابہ باہم اختلاف کرتے اور کوئی ایک آیت کے کچھ معنی لگاتا اور کوئی کچھ نہیں مگر جہاں تک تواتر سے پایا جاتا ہے خلفاء راشدین کے زمانہ تک قرآن مجید کے سمجھنے میں مطلق اختلاف نہیں تھا اور سب اس کے اصلی معنی سمجھتے تھے مگر جوں جوں روایتوں یا حدیثوں یا آثار کی کثرت ہوئی۔ قرآن مجید کی آیتوں کے معنی میں اختلاف پیدا ہو گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ کئی فریق ہو گئے اور اُن میں کشیدگی یہاں تک بڑھی کہ ایک دوسرے کو جہنمی کہنے لگا۔

کبھی باہم خلفا کی ایسی بحثیں نہیں ہوئیں جس سے یہ معلوم ہو کہ ایک نے قرآن کی آیت کا کچھ مطلب سمجھا اور دوسرے نے کچھ۔ یہ صحیح ہے کہ باہم مسایل میں گفتگو ہوتی تھی اور طرز گفتگو بعض اوقات سخت تیز اور جوش آمیز ہو جاتی تھی مگر خاتمہ کلام پہ پھر باہم شیر و شکر ہو جاتے تھے اور ذرا بھی اُس جوش کا اثر نہیں رہتا تھا۔ قرآن مجید کی

قتل نکرو پھر حضور انور نے سورۂ انعام میں سے چند آیتیں پڑھیں اسعد نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰) بے تعداد تفاسیر لکھی گئیں اور بہت سی تفسیریں اگرچہ عجیب وغریب ہیں اور قرآن مجید کا اعلیٰ مفہوم ثابت کرتی ہیں مگر سب میں کچھ نہ کچھ رنگ ان روایات کا پایا جاتا ہے اور جو صحیح ہوں یا غلط عام طور پر مشہور ہوگئے ہیں - مگر بعض تفاسیر تو ایسی ہیں جو سراسر اس رنگ میں رنگی گئی ہیں اور بہت فخر سے بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں مفسر نے قرآن مجید کی تفسیر احادیث سے کی ہے مثلاً تفسیر ابن کثیر جس کی بنا بالکل احادیث پر ہی اور فاضل مفسر نے اخیر تک حتی الامکان اسی رنگ کو نبھایا ہے اس میں کسی طرح کا بھی شک نہیں ہے کہ ابن کثیر کی تفسیر ایک اعلےٰ درجہ کی تحقیق کا نتیجہ ہے مگر اس بات کا کوئی حلف اٹھا سکتا ہے کہ جن احادیث سے فاضل مفسر نے تفسیر کی ہے وہ اول سے لیکے اخیر تک سب کی سب صحیح ہوں اسی طرح تفسیر اہل بیت ہے جس میں بہت سی روایتیں اور حدیثیں ایمہ معصومین کی زبان مبارک سے بیان ہوئی ہیں مگر کوئی بھی ثابت نہیں کرسکتا کہ آیا ایمہ معصومین کے یہ اقوال ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں اور جو حدیثیں ان کی روایت سے بیان کی جاتی ہیں ان کے راوی وہ فی الحقیقت تھے بھی یا نہیں - یہ بڑی دقت ہے جو ہر تفسیر میں پائی جاتی ہے اور یہی پیچیدگی ہے جس کا سلجھانا بڑا کٹھن کام ہے -

ناظر تفسیر بخوبی سمجھ گیا ہوگا کہ قرآن مجید کے مطالب سمجھنے میں جو اختلاف پایا جاتا ہے قرآن مجید کا یہ نقص نہیں ہے بلکہ غلط روایات کی وجہ سے ایسا ہوگیا ہے کاش اختلاف رائے یا اختلاف خیال ہوتا تو اس کی اصلاح آسان تھی مگر جب حدیث اور روایات کی بنا پر تفسیر کی گئی ہے تو فی الحقیقت اس مشکل کو حل کرنا بہت ہی مشکل امر ہے -

ہم کہتے ہیں اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر شیعوں - سنیوں - خوارج اور معتزلیوں کی تفسیروں میں کیوں اختلاف ہے اور کیوں نہیں ایک فریق دوسرے

کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ پڑھا اور دل سے مسلمان ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۱) فریق کی تفسیروں کو مانتا۔ وجہ نہ ماننے کی یہی ہے کہ ہر فریق نے قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں زیادہ تر روایات کو دخل دیا ہے اور چونکہ ایک فریق سوائے اپنے راویوں کے دوسرے کو تسلیم نہیں کرتا اسی لئے اُسکی قرآنی تفسیر کو بھی نہیں مانتا۔ علمائے اسلام نے ایک یہ بھی حدیث بیان فرمائی ہے کہ جو شخص قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کرے وہ جہنمی ہے اسکے معنی سمجھ میں نہیں آتے۔ کاش حضرت صدیق اکبرؓ یا حضرت عمر فاروقؓ یا حضرت عثمان غنیؓ یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قرآنی تفسیر ہوتی اور یہ ثابت بھی ہو جاتا کہ چار خلفاء میں سے قطعی ایک خلیفہ کی ہے۔ تو پھر زیادہ چون وچرا کی گنجایش نہیں رہتی اور بے شک اُس وقت ہر مفسر جو اُن کے علاوہ قرآن مجید کی اپنی رائے سے کوئی تفسیر لکھتا تو قطعی جہنمی ہوتا کیونکہ خلفا اپنی اپنی تفسیروں میں وہی باتیں درج کرتے جو کہ رسول خدا سے سنی تھیں۔ اور انہیں اور روایات درج کرنے کا خیال بھی نہ آتا اور ایسی حالت میں اُنکی تفسیر پر جرح وقدح کرنا فی الحقیقت سخت خیرہ چشمی اور سوء ادبی ہوتی اگرچہ کفر تو جب بھی نہ ہوتا۔ مگر جب یہ بات نہیں ہے اور اُن میں سے ایک خلیفہ کی بھی کوئی قرآنی تفسیر موجود نہیں ہے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں اور کس لئے کسی مفسر کی رائے کو جبکہ وہ نہ معصوم ہے نہ محفوظ ہے نہ اُس پر وحی اُترتی ہے زبردستی سے تسلیم کیا جائے اور کیوں ہم ایسے شخص کو بددین کہیں جو اُنکی مخالفت کرے۔ جب کہ قرآن مجید کے اصلی مطلب کے جانچنے کا ہمارے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ کسی مفسر نے الحمد سے لے کے والناس تک قرآن مجید کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو رسول کریم کا اصلی مفہوم تھا۔

اس بیان سے یہ کبھی نہیں سمجھا جائے کہ ہمارا منشا کل تفسیروں پر نکتہ چینی کرنے کا ہے اور ہم کل مفسرین کو ناکارہ بتاتے ہیں نہیں یہ ہماری غرض ہرگز نہیں ہے بلکہ جو ہمارا منشا ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ مفسروں نے قرآنی دقایق اور نکات کے سمجھانے میں

میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ہم اہل یثرب اور خزرج سے ہیں اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲) عجیب کمال پیدا کیا ہے تاہم ہر مفسر سے فروگذاشت ضرور ہو گئی ہے کہیں کہیں مروجہ غلط روایات سے متاثر ہو کے اُس نے قرآن مجید کے اصل منشا کے خلاف لکھ دیا ہے اور ایسا ہونا بھی ضرور تھا کیوں مفسر بھی آخر انسان ہی تھے اور انسان کیسا تھ جو کمزوری اور فروگذاشت لگی ہوئی ہے وہ اس کی کمزور فطرت کی وجہ سے ہے ہر انسان کے ساتھ یہ کمزوری لازم و ملزوم ہے اور کوئی فرد بشر اس کمزوری سے بچا ہوا نہیں ہے ہم خیال کرتے ہیں کہ اس بیان سے ہم اپنے مطلب سے بہت دور چلے آئے ہیں اور جو کچھ ہم نے احادیث اور روایات کے بارے میں لکھا ہے غالباً اسی قدر کافی ہوگا۔ چونکہ ہم ایک علیحدہ باب میں اس پر بالتفصیل بحث کریں گے۔ اس لئے فی الحال اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور اپنا اصلی مطلب شروع کرتے ہیں۔

(افتی) عام طور پر یہ مشہور کرتے ہیں کہ اہل بیت سے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت سخت عداوت تھی۔ اور اس عداوت کو ثابت کرنے کے لئے بہت سے فرضی قصے بنا لئے ہیں کوئی شبہ نہیں کہ حضور انور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا سے بہت محبت رکھتے تھے اور آپ کو نہ صرف اُن سے بلکہ اپنی اور لڑکیوں سے جب تک وہ حیات رہیں غایت درجہ الفت تھی۔ آپکو اولاد کی بہت ہی آرزو تھی اور بالخصوص اولاد نرینہ کی اور چونکہ آپکے لڑکے صغیر سنی ہی میں وفات پا گئے تھے اور حضرت بی بی فاطمہ علیہ السلام کے دو بچے حسنینؑ موجود تھے اس لئے آپ ان ہی کو اپنے بچے سمجھتے تھے اور اُن سے پدرانہ محبت رکھتے تھے اولاد کے شوق میں آپ نے اپنے غلام کو بیٹا بنا لیا تھا اور آپ اُس کو بچوں کی طرح سمجھتے تھے۔ محبت کی یہ کیفیت تھی کہ جب آپ کا صاحبزادہ ابراہیم انا کی تاریک کوٹھری میں فوت ہوا ہے اور آپ کو خبر ہوئی ہے تو آپ بہت ہی روئے تھے یہاں تک کہ آپ کی ہچکی بندھ گئی تھی اس پر بعض صحابہ نے بطور تعزیت خدمت اقدس میں عرض کی یا رسول اللہ آپ نے اس قدر کیوں زاری فرماتے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳) جبکہ آپ ہمیں زاری کرنے سے روکتے ہیں تو آپ نے یہ ارشاد کیا کہ دل کے تعلقات عجیب وغریب ہیں۔ میں نہیں رو رہا میرا دل رو رہا ہے۔ یا اسی قسم کی دوسری روایت کے مطابق اور الفاظ فرمائے اس سے آپ کی محبت کا جو آپ کو اپنے بچوں کے ساتھ تھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپ رستہ چلتے چلتے چھوٹے بچوں کو پیار کرنے لگتے تھے۔ اُن کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور انہیں برکت دیتے تھے جب آپ کی یہ کیفیت تھی تو ظاہر ہے کہ بی بی فاطمہ اور اُن کے بچوں سے آپ کس قدر محبت کرتے ہوں گے۔ آپ حسنین کو کندھے پر چڑھاتے تھے۔ آپ چڑھی پر بٹھاتے تھے اور اُن کے سب ناز اٹھاتے تھے۔ اس محبت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اپنی ازواج سے کم توجہ تھی۔ حضرت بی بی عائشہ کا حسد تو اس وقت ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ دوسری بی بی پر بہ نسبت اُن کے زیادہ توجہ فرماتے اور اُنہیں آنکھ بھر کے نہ دیکھتے تو ایک بات بھی تھی اور جب یہ امر نہ تھا تو کبھی سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ حضرت بی بی عائشہ اپنی بیٹی سے گو سوتیلی ہی سہی جلتیں۔ اور قدرتی دشمن بن جاتیں جو کشش کہ بی بی عائشہ اور اہل بیت میں بیان کی جاتی ہے محض فرضی ہے اور ایک صحیح روایت سے بھی اسکا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ نہ حضرت بی بی فاطمہ کی یہ شان تھی کہ وہ اپنی ماں سے جلتی ہوں اور خدا واسطہ انہوں نے ایک بیر باندھ لیا ہو۔

ایک مشہور روایت چلی آتی ہے اور جسے عیسائیوں نے بھی نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگایا گیا ہے اور آنحضرت نے صحابہ سے مشورہ لیا ہے تو کل صحابہ نے حضرت بی بی عائشہ کی سفارش کی تھی یا رائے دینے سے انکار کیا تھا مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ فرمایا تھا کہ رسول اللہ کیوں اتنا تردد فرماتے ہیں، حضور کے لئے اور عورتیں موجود ہیں نکاح کر لیں۔ اس رائے کو دشمنی کی بنا قرار دیا جاتا ہے۔ اور ثابت کیا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت

حضور کی برکت سے ہم میں پھر رشتہ اتحاد قایم کر دے تو پھر حضور انور سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۴) بی بی عائشہ میں دشمنی تھی۔ مگر ہمیں اس روایت سے اگر یہ صحیح بھی ہو کوئی وجہ مخالفت نہیں پائی جاتی۔ اور آپ نے بہت ہی معقول کہا کہ اس قسم کے تردد سے کیا حاصل اور بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ اور نبی اگر چاہیں تو عورتیں بہت ہیں اور اگر فرض کر لیں کہ حضرت علی نے دل کا غبار نکالا تو پھر کوئی ایسی صحیح روایت نہیں معلوم ہوتی جس میں بیان ہو کہ اس رائے سے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا ناراض ہوئیں اور اُنہوں نے اُس کے جواب میں برا بھلا کہا۔ اور جب ان میں ایک بات بھی نہیں ہوئی۔ پھر خواہ مخواہ محض نیک نیتی کے قول کو دشمنی پر محمول کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ اور بھی بہت سے معاملات قلمبند ہوئے ہیں مگر سب کمزور بنیادوں پر قایم کیے گئے ہیں یہ روایات کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگا اور اس الزام کی بابت رسول خدا نے صحابہ سے استمزاج لیا۔ سراسر غلط ہے اور ہم اُس کی لغویت کے دلایل اُوپر بیان کر چکے ہیں۔

غور سے دیکھنا چاہیئے کہ حضور انور کی بعثت کا کیا منشا تھا اور آپ کن مقاصد کی تکمیل کے لیے بھیجے گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت کے صرف دو مدعا تھے۔ ایک تو توحید خدا کی اشاعت اور دوسرے خدا کی مخلوق میں اتحاد قایم کرنا۔ شرم کی بات ہے مسلمان ہو کے یہ کہیں کہ پیغمبر خدا نہ اوّل مدعا میں کامیاب ہوئے نہ دوسرے میں اور سوائے چند مسلمانوں کے لاکھوں منافق۔ بت پرست۔ دشمن دین و ایمان رہے۔ یہ غلط استدلال ہے جو کبھی پذیرا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ ایسا بدیہی دروغ ہے جس کے لئے کسی شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔ نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنے دونوں مدعاؤں میں کامیاب ہوئے اور آپ نے توحید کی اشاعت بھی کامیابی کے ساتھ کی اور آپ نے اتحاد کی رسی میں بھی مسلمانوں کو جکڑ دیا۔ حضرت علی رض ہوں یا حضرت فاروق اعظم رض۔ حضرت بی بی فاطمہ رض ہوں یا حضرت عائشہ رض۔ سب آپس میں متحد تھے اور

زیادہ کوئی عزیز نہیں ہو سکتا۔ اے رسول اللہ ہم نے یہودیوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۵) ایک دوسرے سے ذرا بھی مخالف نہ تھی۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو خلیفہ ہونے کی آرزو تھی اور آپ کی دلی خواہش تھی کہ میں خلیفہ بنایا جاؤں مگر قوم نے سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو اپنا خلیفہ نامزد کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب قوم کی عام رائے اس طرف دیکھی تو بہت خوشی سے حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ محض غلط ہے کہ آپ نے چھ مہینے تک بیعت نہ کی اور جبتک حضرت بی بی فاطمہ کی وفات نہ ہوئی۔ آپ بیعت کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ اگر بیعت کرنے میں چھ مہینے کا وقفہ ہو جاتا تو بڑا ہی غضب برپا ہوتا اور ہرگز مدینہ منورہ میں امن قایم نہ رہتا اور وہ گروہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھا۔ ضرور کچھ نہ کچھ فساد کرتا اور گھر کے اس فساد سے وحشی بدؤن پر کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ اُسامہ کی ماتحتی میں شام کو مہم روانہ ہو چکی تھی اور جنگ آور مسلمانوں کی تعداد مدینہ میں بہت ہی قلیل تھی۔ جب بدؤں نے حملہ کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے اس حملہ کو پسپا کرنے میں بہت ہی مدد دی تھی اور اخیر کل صحابہ نے مل کے اس سخت مہم کو سر کیا تھا جب یہ اتحاد تھا تو خیال نہیں ہو سکتا۔ کہ حضرت علیؓ نے چھ مہینے بیعت کرنے میں تامل کیا ہو اور حضرت بی بی فاطمہؓ کی پشت پناہی نے اپنی خلافت کے لئے موقع ڈھونڈا ہو۔ آپ معاملات سلطنت میں بہت فراخی اور دلی توجہ سے حصہ لیتے تھے اور اگرچہ وزارت یا میر منشی کا کام حضرت عمرؓ ہی انجام دیتے۔ مگر حضرت علی کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔

یہ محض غلط ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ خلافت میں باغ فدک کا جھگڑا نکلا ہو اور حضرت بی بی فاطمہؓ حضرت صدیق اکبرؓ سے لڑی ہوں۔ باغ فدک اصل میں کوئی چیز ہی نہیں تھا۔ ساری فرضی کہانیاں ہیں جن پر سنی شیعوں نے بہت کچھ بحثیں کی ہیں اور ناحق کتابوں کے ورق سیاہ کئے ہیں حضور انور رسول علیہ

آپکا وصف بہت سنا ہے اور اُنہوں نے ہی حضور کے ظہور کی ہمیں بشارت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۶) صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی بھی جائداد نہ تھی۔ نہ خیبر میں نہ فدک میں۔ اگر کچھ خاص کپڑے یا کوئی اونٹ یا زرہ بکتر یا تلوار تھی تو اس کی تقسیم ہونی ممکن نہ تھی آپ کو دنیا کے مال سے کچھ تعلق نہ تھا نہ آپ نے اپنی مبارک زندگی میں کسی چیز پر قبضہ کیا تھا۔ آپ کل مسلمانوں کے پیشوا ہی نہ تھے بلکہ روحانی باپ تھے۔ اگر آپکے پاس کچھ تھا بھی تو وہ مسلمانوں کا تھا۔ دوسرے حضرت بی بی فاطمہؓ خود بہت بڑی سیر چشم خاتون تھیں۔ اگر ہم نے فرض کیا کوئی ایسی جائداد ہوتی اور انہیں کوئی دیتا جب بھی وہ نہ لیتیں۔ اُنھیں ہرگز دنیا کی طمع نہ تھی۔ آپ پر تین تین وقت کے صاف کڑاکے گذر گئے ہیں اور چوتھے وقت کھانا میسر ہوا ہے اور سایل نے سوال کیا ہے آپ نے فوراً وہ کھانا اس سائل کو دے دیا ہے آپ خود تکلیف میں رہنا پسند کرتی تھیں مگر کسی کو مصیبت زدہ نہ دیکھ سکتیں تھیں۔ دنیا آپکی آنکھوں کے آگے ہیچ تھی۔ آپ کو یہی فخر کافی تھا کہ آپ خاتم النبیین فخر موجودات کی صاحبزادی ہیں۔ آپ نے کبھی حضرت صدیق اکبرؓ سے یہ نہیں کہا کہ ابوبکر تو تو اپنے باپ کی میراث لے اور مجھے میرے باپ کی میراث نہ لینے دے۔ آپ حد درجہ عالی ظرف اور مخیر تھیں آپ کی خیرات عرب بھر میں زبان زد تھی۔

اسکے علاوہ نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ فدک اور خیبر کی جائداد میں خلفا نے تصرف کیا۔ جبکہ خود اُن کی حکومت وسیع حصہ زمین میں پھیل گئی تھی۔ ممکن ہے کہ فدک کوئی مقام ہو اور خیبر میں آپ نے کوئی خاص قطعہ زمین اپنے لئے اس واسطے مخصوص کرلیا ہو کہ گھر کا خرچ چلے مگر نہیں کسی ضعیف روایت سے یہ نہیں پایا جاتا کہ کسی باغ یا جائداد سکنی یا زرعی کی کوئی خاص آمدنی ہو اور آپ اپنے خرچ کے لئے لیتے ہوں حصہ رسد جو مسلمانوں کو پہنچتا تھا۔ اس میں آپ شریک تھے اور بس اور اسکے علاوہ جو چیز زیادہ آتی تھی۔ یا آپکو زیادہ حصے ملتے تھے وہ آپ نے مسلمانوں کے لئے وقف

دی ہے ہم امیدوار ہیں کہ آپ ہمارے گھر میں ہجرت کر کے رونق افروز ہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۷) کر دیئے تھے حضور کے ہاں ہمیشہ بے وطن آ آ کے مہمان ہوتے تھے اور آپ کا گھر ہمیشہ بے گھروں کے لئے کھلا رہتا تھا۔ آپ نے گیہوں کی روٹی کبھی پیٹ بھر کے نہیں کھائی۔ کھجور اور دودھ جب کبھی میسر آگیا تو گویا آپ نے بڑا پر تکلف کھانا کھایا۔ آپ نے بارہا کئی کئی دن تک پیٹ سے پتھر باندھا ہے اور مہینوں آپکے حجرہ میں اندھیرا رہا ہے۔ جب یہ کیفیت تھی تو کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ آپکی باغ فدک یا خیبر کی جائداد سے کوئی مستقل آمدنی تھی اور آپ اس خاص آمدنی کو اپنے خرچ میں لاتے تھے۔ کیسا باغ اور کس کی خیبر کی زمین۔ اگر قیصر و کسریٰ کا ملک ہوتا تو بھی بی بی فاطمہؓ مسلمانوں پر قربان کر دیتیں۔ وہ بھی تو آخر جلیل القدر نبی کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی ایسی چھوٹی سی طبیعت نہیں تھی جیسی ہماری ہے اور ہم اپنی تنگ ظرفی سے اس نبی زادی کی طبیعت کو جانچتے ہیں جس سے زیادہ بزرگ جس سے زیادہ فدائی اسلام دنیا نے کسی خاتون کو نہیں دیکھا۔ باغ فدک یا حضرت رسول اللہ کی میراث لینے کا اتنا غل نہیں ہے جتنا کہ اس روایت پر زور دیا جاتا ہے کہ جب صدیق اکبرؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت علی گھر میں چُپ کے ہو بیٹھے اور حضرت عمر مکان پر گئے۔ حضرت علیؓ کو پکڑا گلے میں رسی ڈالی اور اس طرح گھسیٹتے ہوئے حضرت ابوبکر کے پاس لائے اور پیچھے پیٹتی ہوئی بی بی فاطمہ بھاگی چلی آئیں وغیرہ وغیرہ یہ روایتیں ہیں جو بدقسمتی سے مسلمانوں کے ایک گروہ میں جاری ہو گئیں۔ اور اس گروہ نے ابتدائے زمانہ سے صرف اِن کو اس لئے رواج دیا کہ صحابائے راشدین پر سب و شتم کرنے کا موقع ہاتھ لگے چاہے۔ حضرت علی کی جھوٹی اور دور از قیاس باتوں سے کتنی ہی توہین کیوں نہ ہوتی ہو۔

حضرت علی بذات خود ایک جری اور شجاع شخص تھے مجال نہیں کہ کوئی آنکھ بھر کے بھی دیکھ سکتا آپ جیسے بہادر تھے اسی قدر غیور بھی تھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ

کیونکہ اہل کتاب نے ہمیں خوشخبری دی ہے کہ ہمارے غریب خانہ میں آپ قدم رنجہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۸) گلے میں رسی ڈلوائیں۔ پھر مدت تک نائب میر منشی کا کام بھی دیتے جائیں اور شیر و شکر ہو جائیں۔ خدا جانتا ہے کہ یہ ساری باتیں محض لغو ہیں اور پہلے ان باتوں کو یہودیوں نے جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے اور جو نہ صرف خلفاء راشدین اور مسلمانوں کے بلکہ اہل بیت کے جانی دشمن تھے۔ دشمنی سے تراشا تھا اور بعد ازاں اُن کا اتنا زور ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کے ایک فریق نے محض غلط فہمی سے انہیں تسلیم کر لیا اور پھر روایتیں رواج پا گئیں۔

جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت صدیق اکبر کو خلافت کے کاموں میں مدد دی تھی اسی طرح حضرت عمر کو بھی مدد دی۔ اور آپ اُن کے مدار المہام بن گئے کیونکہ جب حضرت عمر بیت المقدس تشریف لیگئے ہیں تو آپ اپنی جگہ خلافت کے فرایض انجام دینے کے لئے حضرت علی کو چھوڑ گئے تھے جب حضرت عمر بیت المقدس جانے لگے ہیں تو حضرت علی روکتے تھے۔ اور نجانے دیتے تھے۔ مگر جانا بہت ہی ضروری تھا چنانچہ آپ تشریف لیگئے اور حضرت علی نے آپ کے کام کو انجام دیا اسی طرح جب حضرت عثمان غنی کی خلافت ہوئی ہے آپ اُسوقت بھی ویسے ہی مشیر بنے تھے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ حضرت عثمان میں بذات خود اتنی بڑی خلافت کی باگ (جس سے تنگ آکے حضرت عمر کہا کرتے تھے کاش میری ماں مجھے نہ جنتی تو میں ہرگز خلافت کا بوجھ نہ اٹھاتا) نہ سنبھل سکی اور آپ مروان کی ہاتھوں میں پڑ گئے جب حضرت علی نے یہ سانگ دیکھا تو پہلو تہی اُسوقت تک نہیں کی۔ جب تک کئی کئی بار حضرت عثمان کو نہ سمجھا دیا۔ ہاں کوئی کامیابی نہیں دیکھی اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان ضعیف بہت ہی ہو گئے تھے اور ایسی ضعیفی کی حالت میں امور سلطنت کا چلانا سخت دقت تھا۔ بیشک انہیں بہت دھوکے دیئے گئے اور آپ چونکہ معصوم نہ تھے دھوکے میں آگئے آپ کی ذاتی کوئی خطا نہ تھی اور آپ نے جو کام کیا اپنی طرف سے تو نہایت نیک نیتی سے کیا آپ نے خود خلافت کی خواہش کبھی نہیں کی قوم نے آپ کو خلیفہ

فرمائیے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمیں آپ کی قدمبوسی حاصل ہوگئی۔ میں خدا کی قسم کھا کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۹) تسلیم کیا اور اس لئے مجبوراً آپ نے ضعیفی کی حالت میں خلافت کا بوجھ اُٹھایا۔ یہ صحیح ہے کہ جو آپکو اپنی خلافت میں کامیابی ہوئی وہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اثر تھا۔ جب تک یہ اثر رہا مسلمان برابر فتوحات میں ترقی کرتے گئے مگر جب یہ اثر جاتا رہا فتنے اور فساد پیدا ہوگئے اور ان فتنوں کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو نہایت مظلومانہ شہادت نصیب ہوئی۔ ایسی شہادت جس پر سنگدل سے سنگدل بھی افسوس کریگا اور اُس کے آنسو ٹپک پڑیں گے۔ آپ نے فی الحقیقت امت محمدی کا تو بھلا ہی کیا اور آپ ہی کی خلافت میں بلاد افریقہ وغیرہ میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی مگر آپکو معلوم تھا کہ آپ کے قریبی رشتہ دار ایک دن آپ کی ہلاکت کے باعث ہوں گے۔ اگر حضرت عثمان غنی کو یہ معلوم ہوتا کہ مجھے دھوکہ دیا جا رہا ہے۔ تو آپ ضرور اس کا انتظام فرماتے۔ آپ یہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ آپ کی وجہ سے اسلام میں فساد پھیلے۔ ہمیشہ جو کچھ فساد اُٹھا کوفہ سے اُٹھا۔ ابھی اطمینان سے خلافت ہو رہی تھی کہ کوفیوں میں یہ بحث شروع ہوئی کہ چونکہ حضرت عثمان اپنے ہی رشتہ داروں کو عامل بنا کے بھیجتے ہیں اسلئے انھیں خلیفہ نہیں ماننا چاہیئے۔

سعید بن العاص جو والئے کوفہ کو جب خبر لگی کہ اس طرح کوفی حضرت عثمان کے خلاف چرچہ کر رہے ہیں تو اس نے فوراً حضرت عثمان کو اس کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے سرغناؤں کو امیر معاویہ کے پاس بھیج دیں تاکہ امیر معاویہ ان کے شکوک رفع کر دیں۔ چنانچہ والئے کوفہ نے فوراً ان لوگوں کو معاویہ کے پاس روانہ کر دیا۔ امیر معاویہ نے اُن کی بڑی خاطر داری کی اور سمجھایا کہ تم ایسا نہ کرو کیونکہ ان سے فساد پھیلنے کا اندیشہ ہے تمہیں کچھ اسلام کا بھی پاس و لحاظ کرنا چاہیئے۔ یہ سن کے وہ برافروختہ ہوئے۔ اور اُن میں سے ایک شخص نے جس کا نام صعصعہ تھا۔ امیر معاویہ کی عین دربار میں ڈاڑھی پکڑ لی۔ واہ رے تحمل اور بردباری کہ امیر معاویہ نے اُف تک

کہتا ہوں کہ میں صرف اپنی قوم کی فتحمندی کی سیر کرنے کے لئے یہاں آیا تھا۔ مگر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۰) نہ کی اور حضرت عثمان غنی کو ان کی آتش مزاجی کی ساری کیفیت لکھ بھیجی۔

حضرت عثمان نے لکھا کہ ان پر ہر گز سب وشتم نہ کیا جائے بلکہ انہیں واپس سعید ابن العاص کے پاس بھیجدیا جائے۔ سعید بن العاص نے انہیں بہت کچھ اونچ نیچ کے پہلو سمجھائے اور اُنہیں بتایا کہ اگر تمہاری ان باتوں سے کوئی فساد ہو گیا تو اسلام میں خونریزی کے تم ذمہ وار ہوگے۔ یہ لوگ بظاہر تو کچھ دھیمے ہو گئے مگر ان کے دلوں میں فتنہ کی آگ جلتی رہی۔ چونتیسویں سال ہجری کو سعید خود حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ساری کیفیت عرض کی۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ اخیر وہ لوگ چاہتے کیا ہیں سعید نے عرض کیا کہ وہ ابو موسیٰ اشعری کو چاہتے ہیں۔ آپ نے فوراً ابو موسیٰ اشعری کو کوفہ کا والی بنا دیا۔

اس سے زیادہ آپ اور کیا کر سکتے تھے۔ آپ مسلمانوں کی بہتری چاہتے تھے اور آپ کی کوئی غرض نہ تھی۔ یوں تو اپنے رشتہ داروں سے فطرتاً سب کو محبت ہوتی ہے۔ مگر آپ مسلمانوں کے آگے کسی کی رو رعایت نہ فرماتے تھے۔

کوفیوں کے کہنے سے ابو موسیٰ اشعری بھی حاکم ہو گئے۔ پھر بھی سرگوشیوں کا دروازہ بند نہ ہوا۔ اور اخیر یہاں تک نوبت پہنچی کہ صحابہؓ میں سے چند صحابی آپ کے کھلّم کھلّا مخالف بن گئے۔ ان میں زید بن ثابت ابو رشید السعدی۔ کعب بن مالک اور حسان بن ثابت تھے۔ یہ صحابہ اس قدر مخالف ہوئے کہ جہاد کا فتویٰ دینے پر راضی ہو گئے۔

ہم ان صحابہ کی شان میں جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مخالف ہو گئے تھے اور کوئی سوء ظنی نہیں رکھتے۔ بلکہ اتنا ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ عام افواہوں نے اُن کے ایسے کان بھرے تھے کہ وہ بلا تحقیق بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اور جو الزام

اُس کارساز حقیقی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اس سے بھی زیادہ نعمت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۱) اُنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لگائے وہ یہ تھے۔
اوّل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم بن العاص کو جسے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جلا وطن کر دیا تھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے اُسے گھسنے نہ دیا تھا۔ مدینہ میں واپس بلا لیا۔ دوم آپ نے مروان ابن الحکم کو پانچواں حصہ افریقہ کے محصول کا جو پانچ لاکھ دینار سالانہ کی آمدنی تھی دے دیا۔ سوم باغ فدک جو حضرت علی کے خاندان میں چلا آتا تھا چھین کے مروان کو دے دیا۔ اور عمر بن عبد العزیز کے زمانہ تک مروان کی اولاد اس باغ پر قابض رہی۔ یہ الزام ہیں جو آپ پر اسی زمانہ میں قایم ہوئے تھے اور ان الزاموں کا یہاں تک چرچہ ہوا تھا کہ عبد الرحمن کندی نے چند اشعار بھی موزوں کر دیئے تھے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے قسم ہے خدا کی خدائے تعالےٰ کوئی امر بے قاعدہ اور لغو نہیں بنایا مگر تو نے (حضرت عثمان غنی کی طرف خطاب) ہمارے واسطے فتنہ پیدا کیا ہے۔ تاکہ اس میں ہماری اور تیری آزمائش کی جائے۔ جو دو خلیفہ پہلے گذرے وہ ہدایت کا ایک مینار بن گئے اور کبھی اُنہوں نے ایک درہم بھی فریب سے نہیں لیا نہ کوئی درہم اپنی خواہش نفس میں صرف کیا۔ تو نے ایک لعین کو اپنی ناک کا بال بنا کے گذشتہ سنت کے خلاف راہ اختیار کی اور پانچواں حصہ جو حق العباد تھا۔ لوگوں کے گلے پر چھری پھیر کے اپنا کنبہ پالا" غرض اس قسم کی آوازیں جن میں خونریزی کی بُو آتی تھی۔ چاروں طرف سے آنے لگیں اور ایک تھلکہ عظیم برپا ہو گیا۔ اگرچہ مذکورہ بالا اعتراض محض لغو اور بے معنی ہیں اور وہ ایسے سنگین نہیں ہیں۔ جو اتنی بڑی خونریزی کے باعث ہوتے پھر بھی روز بروز ان پر رنگ چڑھتا گیا اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ افسوسناک شہادت کا ظہور ہو گیا۔

اس شہادت کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ کوفہ اور بصرہ اور مصر سے قریب ایک ہزار آدمیوں کے مدینہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے اپنے پسند کے خلیفہ بنانے چاہے

ہمیں دی۔ آخر کار جب خزرجی مدینہ میں واپس ہوئے تو انہوں نے لوگوں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۳) مصری تو یہ کہتے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ بنیں اور کوئی حضرت زبیر کو اور اہل بصرہ طلحہ کو امیر المومنین بنانا چاہتے تھے۔ جب پہلا جمعہ ان لوگوں کے داخل ہونے پر آیا تو حضرت عثمان گھر سے باہر تشریف لائے اور مسلمانوں کے ہمراہ نماز پڑھی۔ جب آپ خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اے لوگوں تم جانتے ہو کہ تم جیسے لوگوں پر ہمیشہ رسول خدا نے لعنت کی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سب آگ بگولہ ہو گئے۔ مدینہ کے بھی بہت سے آدمی اُن کے ساتھ شریک ہو گئے اور لڑائی ہونے لگی۔ طرفین سے پتھر مارے جانے لگے۔ چنانچہ اس طوفان بے تمیزی میں بمشکل چند آمیوں نے حضرت عثمان کو گھر تک پہنچایا۔ پہلے آپ کے ایک پتھر ایسا سخت لگا کہ آپ بیہوش ہو کے ممبر سے گر پڑے تھے۔ مدینہ کے لوگوں میں سے جنہوں نے مقابلہ کیا تھا وہ یہ تھے۔ سعد بن ابی وقاص حضرت امام حسن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بڑے صاحبزادے زید بن ثابت اور حضرت ابو ہریرہ حضرت عثمان گھر میں داخل ہوئے تو اپنے ساتھیوں سے واپس جانے کی نسبت کہلا بھیجا۔ چالیس یا پچاس روز تک آپ اپنے گھر میں محصور رہے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی حالت روز بروز نازک ہوتی جاتی ہے اور خوف معلوم ہوا مبادا مدینہ منورہ کی مقدس شاہراہیں مسلمانوں کے خون سے تر ہوں۔ آپ سیدھے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ مردان کو موقوف کر کے کیوں نہیں فساد کو دفع کرتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا میں فساد نہیں چاہتا مجھے جو کچھ تم تدبیر بتاؤ منظور ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا اوّل تو مردان کو میر منشی گری سے موقوف کیجئے دوسرے عبداللہ بن ابی سرح کو مصر سے معذول کر دیجئے۔ حضرت عثمان غنی نے کہا مجھے بدل منظور ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت علی باہر آئے اور لوگوں کو سمجھایا کہ تمہارے حسب منشا کام ہو گیا۔ وہ یہ سنتے ہی خوش ہو گئے اور سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

اسلام کی طرف بلایا اور حضور انور کی شمائل کو خلق خدا کے آگے بیان کیا۔ خواجہٗ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جاتے ہی مروان آیا۔ اُس نے کہا دیکھیئے۔ ایسا نہ کیجیئے گا۔ آپ کے لیئے بہتر نہ ہوگا۔ حضرت عثمان غنی نے جواب دیا کہ میں مسلمانوں میں فساد نہیں چاہتا۔ اور حضرت علی سے وعدہ کر چکا ہوں اپنے قول سے کبھی نہیں پھرنے کا۔ لاکھ کچھ مروان نے سر پٹکا۔ لیکن حضرت عثمان غنی نے نہ مانا اور فوراً ابن ابی سرح کو موقوف کر دیا۔ اور محمد حضرت ابوبکر کے صاحبزادے کو مصر کا عامل بنا کے روانہ کیا۔ محمد کے ساتھ انصار اور مہاجرین کا بہت بڑا گروہ روانہ ہوا۔ جب یہ کچھ فاصلہ پر پہنچے تو اُنہوں نے ایک سانڈنی سوار آتے ہوئے دیکھا اس سے دریافت کیا کہ تو کہاں جاتا ہے۔ اُس نے کہا کہ میں مصر کے ایک حاکم کے پاس جاتا ہوں۔ محمد کے ہمراہیوں نے محمد کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ عامل تو یہ ہو گئے ہیں اب تو کہاں جاتا ہے اس نے کہا کہ موجودہ عامل کے پاس مجھے ایک خط پہنچانا ہے۔ یہ سنتے ہی محمد نے اُسے گرفتار کر لیا۔ جب اُس کی تلاشی لی۔ تو معلوم ہوا کہ اُس کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک مہری خط ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جس وقت محمد تمہارے پاس پہنچے۔ اُسے فوراً قتل کر ڈالنا۔ یہ دیکھتے ہی محمد مع ہمراہیوں کے مدینہ واپس چلے آئے اور کل صحابہ کو جمع کر کے وہ خط دکھایا۔ خط دیکھتے ہی سب کے آگ لگ گئی اور ایک شور و غوغا مچ گیا۔ سب مل کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ خط پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مہر بھی میری ہے اور خط بھی میرے منشی کا ہے۔ مگر مجھے علم نہیں ہے۔ غرض آپ نے قسم کھائی اور بالکل اپنی لاعلمی ثابت کر دی۔ صحابہ کو یقین آ گیا اور اب چونکہ مروان ملزم ثابت ہو چکا تھا۔ کل صحابہ نے مروان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مانگا۔ مگر آپ دینے پر راضی نہ ہوتے۔ پھر کیا تھا۔ بغاوت کی آگ جو چند روز سے دبی ہوئی تھی پھر بھڑک اُٹھی اور نئے سرے سے لوگوں نے آپ کے مکان کو گھیر لیا۔ جب حضرت عثمان غنی کی جان کے لینے کے دینے پڑ گئے

کو نبین سید الثقلین کی شہرت تمام یثرب میں ہو گئی۔ اور بعض لوگ نور ایمان سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۴) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس خوف کو زیادہ محسوس کیا تو اپنے بڑے بیٹے حسن علیہ السلام کو دروازہ پر کھڑا کر دیا اور حکم دے دیا کہ بیٹا دیکھنا کوئی شخص اندر نہ داخل ہونے پائے اِسی طرح حضرت زبیر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو اور طلحہ نے اپنے بیٹے محمد کو دروازہ پر پہرہ دینے کے لئے مقرر کیا۔ لوگوں نے اندر گھس جانا چاہا تینوں صاحبزادوں نے روکا یہاں تک کہ حضرت امام حسن علیہ السّلام تو اسقدر زخمی ہوئے کہ خون میں نہا گئے تو بھی دروازہ کی راہ سے کسی کو اندر نہیں گھسنے دیا۔ اخیر باغی دیواروں پر چڑھ کے ایک ہمسایہ کے گھر میں جا کودے اور پھر حضرت عثمان غنی کے مکان میں آ گئے۔ ان میں محمد حضرت ابوبکر صدیق اکبر کے صاحبزادے بھی تھے جب یہ لوگ اندر داخل ہوئے اور حضرت عثمانؓ کی طرف بڑھے۔ آپ کے غلاموں نے مقابلہ کیا طرفین کے کچھ لوگ مقتول اور مجروح ہوئے۔ اخیر سب سے پہلے محمد پہنچے اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ حضرت عثمان نے آبدیدہ ہو کے فرمایا تجھے شرم نہیں آتی کہ تیرا باپ اس ڈاڑھی کی بڑی توقیر کیا کرتا تھا اور آج تو اسے پکڑ کے گھسیٹتا ہے۔ یہ ایسے پر اثر جملے تھے کہ جنہوں نے جادو کا اثر کیا۔ محمد ڈاڑھی چھوڑ کے پیچھے قدموں ہٹ گئے۔ پھر ایک شخص نے آگے بڑھ کے تلوار کا وار کیا۔ آپ کی بی بی نے تلوار کا وار اپنے ہاتھ سے روکا۔ ان کی انگلیاں اور آدھا ہاتھ کٹ گیا پھر آپ کو شہید کیا۔ جس وقت آپ شہید ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے اور اُس دن روزے سے بھی تھے۔ یہ جانکاہ حادثہ ۱۸ ماہ ذی الحجہ ۳۶ھ ہجری کو وقوع میں آیا۔ آپ نے قریب قریب بارہ سال تک خلافت کی۔ آپ کی عمر شہادت کے وقت نوّے ۹۰ سال کی تھی۔ تین روز تک آپ دفن نہیں کئے گئے۔ اخیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوشش کر کے آپ کی تجہیز و تکفین کی۔

اب یہاں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔

منوّر ہو کے عامّہ خلائق کو دین اسلام کی دعوت کرنے لگے اگرچہ یہ نہیں کہہ سکتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۵) کہ آپ کے بارہ میں کس قدر اختلاف خیال ہے اور مورخ کیا لکھتے ہیں۔ ہم مختلف تاریخوں سے واقعات قلمبند کرتے ہیں اور پھر ان پر رائے دیں گے یہ وہ واقعات ہیں جو ایک حد تک مسلم ہیں اور اُنہیں کم وبیش سب نے تسلیم کیا ہے۔ مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محصور ہونے کے زمانہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حج بیت اللہ شریف کرنے گئی ہوئی تھیں کہ اسی اثنا میں آپ کو خبر پہنچی کہ حضرت عثمان شہید ہو گئے۔ جس شخص نے آپ سے یہ روایت بیان کی۔ اُس سے آپ نے دریافت کیا کہ مسند خلافت پر کون بیٹھا۔ اُس نے جواب دیا کہ علی مرتضےٰ۔ یہ سنتے ہی آپ نے فرمایا۔ "انّا للہ وانّا الیہ راجعون" اس واقعہ کا حال مکہ کے راستے میں سنا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں مکہ واپس جاتی ہوں مدینہ اب میرے رہنے کی جگہ نہیں رہی۔ اور یہ مشہور کر دیا کہ حضرت عثمان غنی مظلوم شہید ہوئے اور میں ضرور ان کے خون کا انتقام لوں گی۔ اس پر عبید سلمان نے کہا کہ تعجب ہے اے عائشہ پہلے تو تم یہ کہا کرتی تھیں۔ اُقتلوا نعثلاً وفانہ قد کفر یہ ہے روایت جو بیان کی گئی ہے جس کا سر نہ پیر اوّل تو کسی معتبر روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قتل عثمان کی خبر سنتے ہی حضرت بی بی عائشہ صدیقہ نے یہ کہا ہو۔ دوسرے یہ محض غلط ہے کہ رستہ میں آپ کو یہ خبر لگی۔ آپ ابھی تک مکہ معظمہ ہی میں تھیں جب وہ سانحہ ہوا ہے آپکو سب سے پہلے طلحہ اور زبیر نے یہ خبر دی تھی۔ اور یہ دونوں اگرچہ جلیل القدر صحابہ تھے مگر خلافت کی ان کو بھی خواہش تھی۔ اور مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ آپکے بھی ساتھ تھا۔

جب حضرت عثمان شہید ہو چکے اور دفن ہو چکے تو یہ دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس گئے تھے اور کہا تھا کہ آپ خلیفہ بنئے۔ حضرتِ علی نے خلیفہ بننے سے انکار کیا۔ کیونکہ حضرت علی مسلمانوں کی باہمی کشمکش کو دیکھ چکے تھے۔ آپ نے فرمایا مجھ

حضور انور کے ارشاد کی تعمیل کی۔ کیونکہ حضور انور کا قافلہ بلند ہو چکا تھا۔ اور مدینہ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۰) عبادت کر سکتا ہے۔ یہاں گویا انسانی قوت اور دلی جذبات پر غالب آنے کی ایک بے نظیر مثال قایم کی ہے جس کی نظیر دنیا میں ملنی ممکن نہیں۔ اگر ہر بات کو حق سمجھ کے غور کیا جائیگا تو سب میں ایک زبردست تعلیم اور حکمت کا پہلو ضرور ہی ہوگا اگر ہیئے کے پھوٹے اس حکمت کو نہ دیکھیں تو یہ قصور حکمت کا نہیں ہے بلکہ دلی بصارت کا نقص ہے سعدی نے بھی بہت ہی درست کہا ہے۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ✣ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول کریم کا کوئی فعل حکمت اور تعلیم سے خالی نہ تھا۔ آپ کا اٹھنا۔ بیٹھنا۔ سونا۔ جاگنا۔ بیاہ غرض ہر کام میں بالغہ حکمت مضمر تھی۔ اگر آپ نے پچاس برس کی عمر تک دوسرا نکاح نہیں کیا تو یہ بھی اعلےٰ درجہ کی تعلیم تھی کہ مرد جوانی کی عمر میں اپنی بڑی بی بی پر کس طرح قانع رہ سکتا ہے۔ متعدد نکاح کئے ان میں بھی بہت بڑی تعلیم تھی کہ انسان کئی بیبیاں کر کے کس طرح مساوات قایم رکھے اور اُسے کیسا برتاؤ کرنا چاہیئے ایک اعلےٰ درجہ کے برتاؤ کے یہ معنے ہیں کہ ہر بی بی خوش ہو اور یہ سمجھے کہ مجھ ہی سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اگر حضرت بی بی عائشہ کے فخر نقل کئے گئے ہیں تو ان کے مقابلہ میں کسی اور بی بی کی شکایتیں بھی درج نہیں ہیں کہ فلاں بی بی کو رسول کریم سے یہ شکایت تھی اور وہ اس وجہ سے ناراض رہتی تھیں ایک قسم کا کھانا اور ایک قسم کا لباس خوشی ہے تو سب کو برابر مصیبت ہے تو مساوی۔ فاقہ ہے تو سب پر یکساں ہے۔ اگر ایک بی بی کے حجرہ میں چراغ نہیں ہے تو سب کے حجروں میں اندھیرا ہے۔ یہ مساوات تھی اور یہ اعلےٰ درجہ کی تعلیم تھی جو نہ کبھی زمانہ نے دیکھی اور نہ کبھی کسی قوم میں پھیلی۔ آنحضرت کی اور بیبیاں بڑی عمر کی تھیں۔ بعض جوانی سے ڈھلی ہوئیں اور بعض ادھیڑ بعض بوڑھی مگر حضرت بی بی عائشہ سب میں جوان تھیں۔ اس پر بھی آپ نے یکساں برتاؤ کر کے بتا دیا۔ کہ خاوندوں کو اپنی مختلف العمر بیبیوں کے ساتھ کس طرح مساوات رکھنی چاہیئے۔ اگر آپ بھی مثل حضرت مسیح کے فرضی کنوار یوں کے ...

اکثر اشخاص آپ کی بابت سن چکے تھے اور لوگ اس بات کے مشتاق تھے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) کرتے رہتے۔ اور دولہا دلہن سے مشابہت دیتے رہتے اور عورتوں کی معاشرت میں کوئی علمی اصلاح نہ کرتے تو کیا کیفیت ہوتی اور عورتوں کی حالت کیسی ناگفتہ بہ ہوجاتی۔ نہ انہیں حقوق ملتے اور نہ اُن کی عزت کی جاتی نہ اُن پر رحم کیا جاتا وہ اسی طرح مردوں کی خواہشوں کی شکار ہوتیں اور اُن کا دادرس ڈھونڈے سے بھی نہ ملتا۔ الحمد للہ کہ اسوقت تک کروڑوں عورتیں ان حقوق سے فیضیاب ہوچکیں اور کروڑوں فیضیاب ہورہی ہیں۔ یہ اسی معاشرت کا پرتو ہے جس پر نامہذب دریدہ دہن اعتراض کر رہے ہیں۔ ساتواں فخر پیغمبر خدا پر میرے حجرہ میں وحی نازل ہوتی تھی یا آنحضرت نے میرے زانو پر سر رکھ کے وفات پائی۔ یا آنحضرت میرے حجرہ میں مدفون ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ وحی کا حضرت بی بی عائشہ کے کمرہ میں آنا وہی معنے رکھتا ہے جو ہم نے نماز پڑھنے کے بیان میں بتایا ہے۔ حضرت جبرئیل روح القدس وحی لاتے تھے جس سے پایا جاتا ہے کہ آپ کی مبارک زندگی کا ایک لمحہ بھی تعلیم وتلقین سے خالی نہ ہوتا تھا یا بی بی عائشہ کے حجرہ میں جاکے بجائے اس کے کہ آپ آرام کرتے مگر نہیں وہاں بھی لَو اپنے معبود سے لگی رہتی تھی اور فی الحقیقت آپ کا کوئی نفس یادِ خدا اور اصلاح بنی نوع سے خالی نہ تھا۔ ایک عیسائی کے اعتراض میں لفظ کبھی کبھی کا موجود ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آپ کے حجرہ میں وحی نازل نہ ہوتی تھی اس میں بھی ایک عجیب بات پائی جاتی ہے اگر ہمیشہ نازل ہوتی تو ایک عادت خیال کی جاتی اور جب کبھی کبھی نازل ہوئی تو اس سے بخوبی یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آپ کے دل میں ربانی جذبوں کا اُبھار اور آپ کے منور قلب سے وحی کا فوارہ اچھلنا کسی خاص تنہائی میں ہوسکتا تھا۔ خاص حجرہ ہی پر کیا منحصر ہے وہ مقام اور وہ شخص جس سے وہ مقام تعلق رکھتا ہے وحی نازل ہونے پر جتنا فخر کرے بجا ہے اسی طرح وفات کے وقت حضرت بی بی عائشہ کے زانو پر سر رکھنے کے یہ معنی ہیں تاکہ مسلمان سمجھ لیں کہ عورتوں کا پاس ولحاظ آپ کتنا فرماتے تھے اور آپ کو اس کائنات کی ماں سے کس بلا کی محبت تھی بیشک جس طرح

جس شخص نے مشرکین میں یہ سراسیمگی پیدا کر رکھی ہے اس سے ملیں اور اسکی باتیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۲) بی بی عائشہ کو ان باتوں پر فخر ہے اسی طرح تمام دنیا کے مسلمانوں کو فخر ہے کہ ہمارے رسول کریم نے متعدد نکاح کر کے تعلقات زن و شوئی کی کیسی تصویر کھینچ دی ہے۔

یہ ساری باتیں جو بیان ہوئی ہیں ان میں سے بہت سی معتبر کتابوں میں نہیں ہیں۔ جن مسلمان مورخوں نے ان روایات کو نقل کیا ہے وہ مسلمانوں کے ہاں قابل اعتبار نہیں ہیں یہ صحیح ہے کہ حضرت بی بی عائشہ سے بکثرت حدیثیں منقول ہیں اور زیادہ تر ان میں سے وہ حدیثیں ہیں جو عورتوں کی رازدارانہ معاشرت سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً جب عبد اللہ بن عمر نے عورتوں کو سر کھول کے نہانے کا حکم دیا تو حضرت بی بی عائشہ بہت ہی ناراض ہوئیں اور فرمایا کہ عبد اللہ یہ کیوں نہیں فتوی دیتا کہ عورتیں سر ہی منڈوالیں اس قسم کی اصلاحیں عورتوں کی خاص معاشرت میں آپ نے بہت سی فرمائی ہیں حضور انور کی اور ازواج پاک سے بھی بہت سی حدیثیں منقول ہیں مگر ان حدیثوں کی تعداد سب میں زیادہ بڑھی ہوئی ہے جو آپ نے روایت فرمائی ہیں مگر یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ہمارے علما کل اُن روایتوں کو تسلیم نہیں کرتے جو حضرت بی بی عائشہ کی طرف منسوب ہیں مثلاً معراج کے بارے میں اس خاتون ام المومنین کا یہ مذہب ہے کہ پیغمبر خدا کو روحانی معراج ہوئی مگر اور علما اس روایت کے خلاف گئے ہیں اور انہوں نے معراج کو بجائے روحانی کے جسمانی مانا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ضرور نہیں کہ جو روایتیں آپ کے نام کے ساتھ منسوب کی جاتی ہیں فی الحقیقت وہ سب آپ ہی کی روایت کردہ ہوں۔ جبکہ لاکھوں اقوال کی نسبت رسول کریم کی اطہر و اقدس ذات سے دیدی گئی تو یہ کونسی بڑی بات تھی کہ آپ کی ازواج پاک سے ہزاروں روایتوں کی نسبت نہ دیجاتی ایسے راوی کا حدیث کے موضوع کرتے وقت فرض تھا کہ وہ کسی بڑے شخص کا نام لیتا اور اپنے موضوعی قول کو اس کی نسبت دیتا کہ سننے والے

سنیں پھر آپ نے دینِ آلٰہی کے اصول کی انہیں تعلیم دی اور آسمانی نبوت کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲) اُس پر اعتراض نہ کریں اور انہیں اس کے یقین کرنے میں کچھ تامل نہ ہو
حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے چونکہ سیاسی معاملات میں بہت بڑا حصہ لیا تھا
اس لئے آپ کی شہرت بہ نسبت اور ازواج پاک کے بہت ہی زیادہ ہو گئی تھی یہی وجہ ہے کہ
اکثر اقوال کی آپ کے نام کے ساتھ نسبت دی گئی ہے۔ اکثر آپ پر نئے نئے الزام قایم کئے
گئے ہیں حتے کہ آپ کو رسول کریم کا پکا دشمن بنا کے دکھایا ہے (معاذ اللہ) وہ اقوال جو سنیوں
کی کتابوں میں آپ کے نام سے مرقوم ہیں ان اقوال سے بہت ہی کم درجہ کے ہیں جو شیعوں
کی کتابوں میں آپ کے سر چپکے گئے ہیں۔ پھر خوارج کی کتب ہیں اُن میں بھی صدہا بلکہ ہزارہا
آپ کے اقوال نقل ہیں مگر صداقت کی روشنی بہت ہی کم اقوال پر پڑ سکتی ہے۔ جب
سے آپ کو ام المومنین کا فخر حاصل ہوا ہے اور جب تک آپ کی وفات ہوئی ہے الزاموں
اتہاموں اور ناروا طوفانوں کا ایک دریا ہے جو موجیں مار رہا ہے اور ایک انبار ہے جو
کتابوں میں بھرا ہوا ہے اس طوفان بے تمیزی سے پہلو بچانا اور اس لایعنے انبار میں سے
صحیح صحیح باتوں کا انتخاب کرنا حقیقت میں بہت بڑا کام رکھتا ہے۔ عیسائی معترضین کو تو
ان الزامات کی ہوائیں بھی نہیں لگی ہیں جو اس ام المومنین پر مسلمانوں ہی کے ایک فرقہ
نے قایم کئے ہیں۔ وہ روایتیں کہ خود رسول کریم کے زمانہ میں آپ پر تہمت لگائی گئی۔
اور آپ کا ناقہ قافلہ سے بھٹک کے ذرا پیچھے رہگیا تھا اور آپ کی تطہیر کی نسبت پھر وحی
نازل ہوئی ایک عجیب بے معنی قیاس ہے جسے بلا وجوہات سنیوں کی معتبر کتابوں
نے بھی تسلیم کر لیا ہے نہ آپ کبھی قافلہ کے پیچھے رہگئیں نہ آپ پر رسول کریم کے سامنے
کوئی تہمت لگائی گئی نہ آپ کی تطہیر کی نسبت کوئی وحی نازل ہوئی۔ یہ ساری باتیں
بعد ازاں تراشی گئی ہیں اور انہیں فی الحقیقت صداقت سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔
ہم ان روایتوں پر جب بالتفصیل بحث کریں گے اور انہیں نفس صداقت کی محک پر
رکھ کے پرکھیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت سے ان کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے اور

ضرورت بتائی۔ اور ارشاد کیا کہ اہل مکہ نے کلام خدا سننے سے انکار کر دیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۴) ساری شرمناک باتیں صرف اس مخالف فریق کی معاندانہ خیالات کا نتیجہ ہیں جو مسلمانوں میں خلیفہ ثالث کے وقت سے پیدا ہو گیا اور اسی نے ان مصنوعی روایات کو اسقدر شہرت دی کہ وہ درجہ تواتر تک پہنچ گئیں اور عام طور پر سب کو اس کا یقین ہونے لگا۔ اگر قرآن مجید بہت سی روایتوں کی تکذیب نہ کرتا تو اسلام میں اور بھی خرابی پیدا ہو جاتی اور پھر صحیح واقعات کا بمشکل کھوج مل سکتا۔ حضرت بی بی عائشہ کی مثل اور ازواج پاک کی خانگی زندگی نہ تھی کہ اُن کے حالات قلمبند نہ ہوتے اور بہت سی جھوٹی باتیں انکے نام سے مشہور نہ ہوتیں جتنے مشہور لوگ ہوئے ہیں بشرطیکہ وہ مذہبی بھی ہوں ان کے نام سے ہزاروں اقوال ایجاد ہو گئے اور ایسی ہزاروں باتیں موضوع کر لی گئیں جنہیں صداقت سے کوئی سروکار نہیں ہے مثلاً لاکھوں حدیثیں حضور انور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے نام سے شہرت پا گئیں اگرچہ بعد ازاں انکی تحقیق و تدقیق بے انتہا کی گئی لیکن پھر بھی بہت سی روایتیں ایسی باقی رہگئیں جن کا کسی طرح بھی اعتبار نہیں ہو سکتا۔ ابتدائی سنین ہجری میں خلفا کا باہم جھگڑا نئے گروہوں کا پیدا ہونا اور ان میں کشش ہونی روایتوں کے موضوع ہونے کی کافی شہادت ہو سکتی ہے ہزاروں اقوال جو حضرت ابو بکر صدیق کے نام سے بیان کئے جاتے ہیں فی الحقیقت ان کے نہیں ہیں۔ اسی طرح نئے نئے اقوال کو ہر خلیفہ اور ام المومنین کی نام سے نسبت دی گئی ہے جن سے واقعی انہیں کچھ بھی سروکار نہیں تھا۔ مصنوعی حکایتوں کا طوفان بے تمیزی برپا ہے اور صداقت پر یہ موضوع اقوال مثل ایک جال کے پھیلے ہوئے ہیں ایک محقق کے لئے صداقت کو اس جال میں نکال لینا اگر ناممکن نہیں ہے تو مشکل تو ضرور ہے۔

ان جھوٹی روایتوں کی ایجاد کا باعث دراصل وہ خانہ جنگیاں یا ملکی لڑائیاں ہوئی ہیں جو آغاز سنین ہجری میں بدقسمتی سے مسلمانوں میں پھیل گئی تھیں اور جن کا سلسلہ

اور ان کے مظالم کی انتہا ہو چکی ہے اس لئے یہاں رہنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۵) دراز عرصہ تک رہا اگرچہ زمانہ نے اُن لڑائیوں کا خاتمہ کر دیا ہے مگر جو نتائج کہ ایسی خانہ جنگیوں سے فطرتاً پیدا ہو سکتے ہیں وہ مسلمانوں کو بہمہ وجوہ حاصل ہیں اور صدیوں کا غبار ان کے خون میں ایسا آمیز ہو گیا ہے کہ نسلوں پر نسلیں گزری چلی جاتی ہیں مگر اس اثر میں کچھ کمی نہیں آتی اگرچہ اس زہریلے اختلاف میں بھی اسلام کا معجزہ باقی ہے یعنی سب کلمہ توحید پڑھتے ہیں محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں اور اسلام کے دل سے پیرو ہیں مگر پھر بھی اس خطرناک اختلاف نے نہ صرف اخلاقی حالت پر برا اثر کیا ہے بلکہ دنیاوی معاشرت پر بھی کچھ اچھا اثر نہیں کیا یہ مخالفت جو اس وقت ہو رہی ہے یہ صرف اُن اختلافی روایات کی خرابی ہے جو اسلام کے عظیم گروہوں میں لاکھوں پائی جاتی ہیں ان اختلافی روایتوں نے قرآن مجید کے معنے پر بھی اثر ڈالا ہے اور مجبوراً اس کی آیتوں کو ان ہی جھوٹی روایات کا جامہ پہنایا گیا جو مسلمانوں کو بطور ورثہ پہنچی تھیں اس لئے اکثر تفاسیر میں وہ وہ واقعے بیان ہوئے ہیں کہ جن کا کبھی ظہور نہ ہوا اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ ان کی کچھ اصل ہے بھلا کہاں شام۔ کجا چین اور کجا ایک درخت کا وجود اور کجا اس کی شاخوں کا چین جا کے گرنا یہ ایسی باتیں ہیں جن میں محض مشرقی فسانوں کا رنگ پایا جاتا ہے اور کلام الٰہی یا فطرت کی بیاض کو ان بیہودہ باتوں اور خیالی لطیفوں سے کچھ بھی سروکار نہیں۔

یہی وجہ بہت بڑی ہے کہ ہمیں بہت سی روایتوں کی اگرچہ وہ مشہور ہوتے ہوتے تواتر تک پہنچ گئی ہیں تکذیب کرنی پڑی ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارا یہ جدید قسم کا استدلال آئندہ نسلوں کے لئے مفید ثابت ہوگا تاریخوں میں ہزاروں واقعات بھرے پڑے ہیں ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ ہم آنکھیں بند کر کے اُن واقعات کو تسلیم کر لیں اور یہ تحقیق نہ کریں کہ آیا جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کا تطابق بھی اس زمانہ کی معاشرت سے ہو سکتا ہے اور آیا جس کی نسبت مذکور ہوا ہے اس پر پھبتا بھی ہے یا نہیں۔ اور اس کی معاشرت

میں تم سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر میں مدینہ آ جاؤں تو تم مجھے مدد دو گے۔ اُنہوں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۶) اس کی شان اور اس کی وضع کے کہاں تک مخالف ہے اور کہاں تک موافق ہے۔ اس کا راوی کون ہے آیا وہ سنی ہوئی لکھتا ہے یا چشم دید بیان کرتا ہے اگر سنی ہوئی کہتا ہے تو اُس نے کس شخص سے سنا اور آیا جس شخص نے اس سے بیان کیا ہے اُس نے بھی آنکھوں سے دیکھا ہے یا وہ بھی سنی سنائی کہتا ہے اور اگر لکھنے والا چشم دید واقعات لکھ رہا ہے تو یہ دیکھنا فرض ہے کہ وہ کس کی تائید اور کس کی مخالفت میں ہے اور جو واقعات اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اُن سے نتیجہ نکالنے میں تو اس نے دھوکا نہیں کھایا غرض جب تک ایسی اور ان جیسی بہت سی باتوں کا نہ خیال کر لیا جائے گا کبھی مختلف تواریخوں میں سے خواہ ہمعصر مورخوں کی ہوں یا بعد کی صحیح واقعات کا انتخاب نہیں ہو سکتا کون ہے جو یہ عرق ریزی کر کے واقعات کا انتخاب کرتا ہے اور کون ہے جس نے انصاف سے ایسی جاں کاہی کی ہے۔

ہم نے جو اصول واقعات کے جانچنے کے اوپر لکھے ہیں انشاء اللہ ہم ان پر کار بند ہونے کی کوشش کریں گے اور حتے الامکان انہیں نبھائینگے۔ خدا ہماری مدد کرے اور اُس کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کرے۔

ہم سب سے پہلے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے شرمناک واقعہ کی اپنے اصول متعارفہ سے جانچ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ کہاں تک صحیح ہے زیادہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی ہمعصر شہادت اس واقعہ کی نہیں ہے کہ آپ کارواں سے پیچھے رہ گئی تھیں اور اس وجہ سے آپ پر کچھ شبہہ ہوا تھا اور اگر فرض کریں کہ اس واقعہ کی کوئی ہمعصر شہادت بھی ہو تو وہ اس وقت قلمبند نہیں ہوئی تھی بلکہ تیسری صدی ہجری کے آغاز میں یہ واقعہ تحریر میں آیا اور جس وقت یہ واقعہ لکھا گیا وہ زمانہ المامون کی سلطنت کا تھا جو متعزلی تھا اور اسے اس جیسے واقعہ کے لکھے جانے کی زیادہ پروا نہیں تھی۔ اگرچہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ لکھنے والوں نے بہ نسبت کہنے والوں کے محض نیک نیتی سے

اقرار کیا۔ ان چھ آدمیوں کے نام یہ تھے۔ اسعد بن زرارہ۔ عوف بن حارث

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۷) قلمبند کیا اور اُن کی نیک نیتی اسی سے عیاں ہے کہ انہوں نے ساتھ ہی آیہ تطہیر کو بھی قلمبند کر دیا کہ جو اس الزام کے غلط ہونے پر آسمان سے نازل ہوئی تھی پھر بھی وہ انسانی مجبوری کی وجہ سے اُس غلطی سے نہیں بچ سکے جو بحیثیت انسان ہونے کے لازمی تھی اور اُس سے بچنا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ یعنے انہیں تحقیق کے سخت مراحل درپیش تھے۔ اور بہ نسبت ہمارے انہیں صدہا درجہ مشکلات کا سامنا تھا اُن پر سلطنت کا بھی کچھ نہ کچھ دباؤ تھا۔ انہیں لاکھوں غلط روایتوں میں سے صحیح روایات کا انتخاب کرنا تھا انہیں لوگوں کے خیالات اور محسوسات کو بھی مدنظر رکھنا تھا۔ انہیں عامہ خلایق کے اعتقادات پر بھی پوری نظر کرنی تھی اور ان سب مشکلات پر ایک یہ مشکل انہیں درپیش تھی کہ کوئی معیار ابھی تک صحیح اور غیر صحیح روایتوں کے جانچنے کا اُن کے پاس نہ تھا۔ پھر بھی جو کچھ اُنہوں نے کیا وہ معمولی انسان کی طاقت سے باہر کیا اور ایسا کیا جس کی زمانہ تا بقائے اسلام یعنے قیامت تک داد دے گا۔ چونکہ وہ اسلامی اصول کے مطابق معصوم نہ تھے اسلئے ممکن ہو کہ اُن سے کہیں اغلاط رہ گئی ہوں اور وہ انسانی مجبوری کی وجہ سے اس فروگذاشت میں پڑ گئے ہوں جس میں اگر وہ واقف ہوتے تو کبھی بھی نہ پڑتے۔

منجملہ اور واقعات کے جن میں قطعی فروگذاشت ہوئی حضرت صدیقہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے عقل باور نہیں کرتی کہ جو الزام آپ پر لگایا جاتا ہے وہ نبی اور آپ کی نبوت اور پھر ام المومنین کی حالت پر چسپاں ہو۔ جب نظر غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ الزام اگرچہ ظاہرا طور پر حضرت بی بی عائشہ پر لگایا جاتا ہے مگر اصلی ملزم (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ٹھیرتے ہیں کیونکہ حضرت صدیقہ نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ کوئی نافرمانی نہیں کی بلکہ اتفاق سے اُن کا اونٹ پیچھے رہ گیا تھا صرف اونٹ کے پیچھے رہجانے سے کسی کو کیا حق تھا جو آپ کی طرف بدگمانی کرتا اور خیال میں بھی کوئی برا نتیجہ پیدا کرتا جبکہ کسی نے کوئی شکایت نہیں کی تھی کسی نے کوئی عینی شہادت نہیں دی تھی پھر کیوں اور کس وجہ سے

بن عفران ۔ رافع بن مالک بن عجلان ۔ قطیبہ بن عامر بن حدیدہ عتبہ بن عامر بن مالی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۸) ایسا ہوا کہ محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم جیسا جلیل القدر نبی شبہ کرنے لگے اور شبہ بھی ایسا کہ دنوں بات نہ کرے اور سخت متردد رہے کہیں اپنے صحابہ سے مشورہ کرے کہ کیا کروں کہیں بی بی عائشہ سے یہ کہے کہ تم توبہ کرو۔ بس معلوم ہو گیا کہ یہ ساری باتیں گھڑی ہوئی ہیں اور انہیں حقیقت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اسی واقعہ کا ایک پہلو اور بھی غور کرنے کے قابل ہے عرب میں مثل ہندوستان کے پردہ نہیں تھا۔ اور نہ عرب کی یہ معاشرت کے خلاف تھا کہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ کسی کام کو کہیں چلی جائے تو اس پر شبہ کیا جائے۔

عورتوں کی حالت مثل مردوں کے آزاد تھی خواہ اُن سے برتاؤ کیسا ہی ہوتا تھا مگر وہ مردوں کے پہلو بہ پہلو ہر جنگ میں جاتی تھیں۔ اپنے خاوندوں بھائیوں اور باپ کے علاوہ کنبہ کے اور مردوں کے ساتھ بھی سفر کرتی تھیں مگر بدگمانی کا خیال بھی کسی کے دل میں نہ آتا تھا۔ مثلاً جب مشرکین عرب نے پے درپے مدینہ منورہ پر حملے کئے ہیں تو مشرکین عرب کی عورتیں برابر فوج کے ساتھ آئی تھیں اور دف بجا بجا کے اپنے سپاہیوں کو جنگ کا جوش دے رہی تھیں اور کوئی شبہ کرنے والا نہ تھا۔ حضرت بی بی خدیجۃ الکبرٰے کا قبل از نکاح نبی معصوم غیر مردوں سے تجارت کے معاملات طے کرنے اور آزادی سے کل کاموں کا انجام دینا اس امر کی شہادت کافی ہے کہ معمولی لین دین اور آمد و رفت میں اُن کے ہاں شبہ کرنے کا کوئی طریقہ نہ تھا۔ ابولہب کی بی بی کا لکڑیاں لینے کے لئے تنہا جنگل میں جانا اور اسی میں پھنس کے مرجانا عورتوں کی آزادی کے یہ کل واقعات پورے شاہد ہیں۔ اسی طرح حضرت عائشہ پیچھے رہ گئیں اور بہ سبب بھٹک جانے کے کچھ عرصہ تک نہ پہنچ سکیں تو یہ عربوں کی آزادانہ معاشرت اور ملکی رسم کے بموجب اعتراض اور شبہ کی جگہ نہ تھی۔ جب یہ ساری باتیں ایسی بدیہی ہیں پھر کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ معمولی بات پر ایک جلیل القدر پیغمبر شبہ کرتا اور کئی دن تک خود بھی پریشان رہتا اور

جابر بن عبد اللہ بن رباب۔ جب یہ لوگ مدینہ واپس چلے آئے تو انہوں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۹) اپنے صحابہ اور اپنی پیاری بی بی کو بھی پریشان رکھتا۔ ایسے بیہودہ شبہوں کی اسلام میں کوئی بھی وقعت نہیں ہے تمام متواتر تواریخی واقعات جو صحابہ راشدین کے سامنے گذرے اور انہوں نے ایسے امور میں فیصلہ کیا۔ اس کی خاص دلیل ہیں کہ اسلام نے اس قسم کے شبہات کو کبھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ حضرت فاروق اعظم کے زمانۂ خلافت میں ایک عورت پر زنا کا الزام لگایا گیا اور جو شہادتیں برہنہ وغیرہ ہونے کی گزریں اُن سے بظاہر کافی ثبوت وقوع جرم کا ہوسکتا تھا مگر جبکہ کوئی شہادت وقوع فعل کے متعلق نہ تھی آپ نے عورت و مرد کو بری کر دیا۔ اور فی الحقیقت انصاف بھی یہی چاہتا تھا جب یہاں تک معاملات کی چھان بین ہوتی تھی تو بھلا کب خیال میں آسکتا ہے کہ قافلہ سے بھٹک کے پیچھے رہ جانے پر شبہ کیا گیا اور خواہ مخواہ ایک فرضی معاملہ کو اس قدر طول دیا گیا ہو۔ یہ الزام اور اس قسم کے بہت سے الزام محض معاملات سیاسی کی کشمش اور خانہ جنگیوں سے بنائے گئے ہیں ورنہ ایسی باتوں کی کوئی وجہ نہیں دکھائی دیتی۔

جب حضرت بی بی عائشہ کی سوانح عمری پر ایک گہری نظر ڈالی جائے اور ان الزامات کو بھی قبول کر لیا جائے جو آپ پر قایم کئے گئے ہیں۔ پھر بھی آپ کی غیر معمولی فقیہانہ قابلیت اور انتظامی و جنگی لیاقت میں کسی کو بھی شبہ نہیں ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ صرف آپ ہی کے طفیل سے ہزاروں ایسے مسایل کا کھوج ملتا ہے جو عورتوں کے متعلق ہیں اور ایسے مسایل کا سمجھانا ایک مرد کے لئے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ جس طرح دنیاوی معاشرت اور تمدن کے بارے میں مردوں کو اصلاح کی بہت ضرورت تھی اسی طرح عورتوں کو بھی اس کی ازحد حاجت تھی۔ اور بغیر اس کے پاکی کے مسایل کبھی سمجھ ہی میں نہ آسکتے تھے جبتک آپ زندہ رہیں آپ نے بہت کچھ مسایل جو رسول کریم سے آپ کو معلوم ہو چکے تھے بیان فرمائے اور ملکی معاملات میں بھی آپ نے پورا حصہ لیا۔ آپ نے ہمیشہ امیر معاویہ کے مقابلہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بڑی سرگرمی سے تائید فرمائی اور آپ وہ امیر معاویہ سے

اپنے احباب میں حضور انور کی بابت تذکرہ کیا اور اس طرح تمام مدینہ میں شہرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۰) حسنین کے بارے میں لڑی ہیں۔ چنانچہ جب امیر معاویہ مدینہ آئے ہیں اور ایک جلسہ کیا ہے تو وہاں حضرت امام حسین کو بلایا تھا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے اپنے بیٹے یزید کی خلافت کا ذکر چھیڑا اور حضرت امام حسین سے درخواست کی کہ آپ اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں آپ نے انکار کیا تو چند شامی سپاہی جو امیر معاویہ کے ہمراہ شام سے آئے تھے۔ اس انکار پر بھڑک اُٹھے اور انہوں نے تلواریں نکال لیں امیر معاویہ نے یہ دیکھ کے سپاہیوں کو ڈانٹا کہ خبردار تلوار نہ نکالنا امام حسین فہمیدہ شخص ہیں سوچ سمجھ کے راضی ہو جائیں گے۔ چنانچہ اخیر میں امام حسینؓ نے بیعت کی مرضی ظاہر فرمائی۔ اس جلسہ کی خبر فوراً حضرت عائشہ کو ہوئی اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین کی جناب میں شامیوں نے گستاخی کی آپ یہ سن کے مارے غصہ کے کانپ گئیں اور کئی عورتوں کو ساتھ لے کے مسجد نبوی میں آئیں اور امیر معاویہ کو طلب کیا وہ فوراً آئے صورت دیکھتے ہی للکارا اور فوراً تلوار نکال کے کہا میں نے سُنا ہے کہ تو نبی معصوم و برحق کے نواسہ سے اس طرح پیش آیا ہے تو نہیں جانتا کہ میں زندہ ہوں تیری ساری امیری کو خاک میں ملا دوں گی یہ سُن کے معاویہ نے باوب عرض کیا کہ اے ام المومنین کسی نے آپ کو غلط خبر دی نہ میں نے حضرت امام حسین کی ایسی گستاخی کی نہ ہیں کر سکتا تھا یہ بیشک ہوا کہ بعض غیر محتاط شامیوں نے بیعت کے انکار پر تلوار نکال لی تھی اس لئے یہ خبر اُڑی ہے حالانکہ میں نے انہیں ڈانٹ دیا۔ حضرت ام المومنین نے فرمایا کہ زبردستی بیعت لینے کا تجھی کوئی حق حاصل نہیں ہے تو جان اگر پھر کوئی ایسی بات ہوئی تو اپنی خیر نہ سمجھیو۔

یہ تھا فدائیانہ عشق جو آپ اہلبیت سے رکھتی تھیں اور یہ تھی سپاہیانہ روح جو آپ میں اول روز سے ودیعت ہوئی تھی۔ آپ کے پر جلال اقوال اور آپ کے زبردست کلمے ابھی تک موجود ہیں۔ جنگ جمل میں جب بڑا گھمسان کا میدان ہو چکا ہے تو حضرت علی نے آپ کے بھائی کو آپ کے پاس سمجھانے کے لئے بھیجا چنانچہ وہ آئے اور انہوں نے

ہو گئی جس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔ لیکن علی بن ہاشم کی اس معاملہ کی نسبت یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۱) کجاوے پر ہاتھ رکھ کے پاس آکے کچھ کہنا چاہا تھا آپ چونکہ پردہ میں تشریف رکھتی تھیں اپنے بھائی کی صورت نہیں دیکھ سکیں نہایت دلیری سے بولیں یہ کون ہے جو یہاں تک ہاتھ لے آتا ہے حالانکہ سوائے نبی معصوم کے کسی کا ہاتھ کبھی میری طرف نہیں بڑھا ہے۔ میں تلوار سے اُڑاتی ہوں نہیں ہاتھ کو ہٹالے۔ یہ سن کے آپکے بھائی نے کہا بہن میں ہوں تم سے علی کا ایک پیغام کہنے آیا ہوں۔ پھر آپ نے پاس بلا کے وہ پیغام سُنا۔ اللہ اکبر جس خاتون کا یہ دبدبہ اور یہ جلال ہو اس کی نسبت شبہ کرنا اور بلاوجہ اس شبہ کو یقین کا جامہ پہنانا عقل اور انصاف سے کس درجہ بعید ہے۔

آپ کے آگے آنے والے مختصر سوانح عمری سے پوری کیفیت کھل جائے گی کہ آپ کیا تھیں اور آپ نے اپنی زندگی میں کیا کیا۔ بغیر سوچے سمجھے ایک ایسے واقعہ پر رائے قایم کر دینی جسے تیرہ سو برس گذر چکے ہوں اور پھر اپنی رائے کو صحیح سمجھ کے اس سے نتیجہ نکال لینا یہ فہمیدہ اشخاص کا کام نہیں ہو سکتا جتنے اعتراضات اسلام کا ایک فریق حضرت بی بی عائشہؓ پر کر چکا ہے وہ ہمارے پیش نظر ہیں اور جتنی نکتہ چینیاں کہ نو پید اعیسائیوں اور آریوں نے کی ہیں اُنہیں بھی ہم نے نظرانداز نہیں کیا ہے۔ خوب غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تمام اعتراضوں کی بنیاد تقلید۔ ناواقفیت اور موروثی عداوت ہے ورنہ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں معلوم ہوتا جو سچا ہو اور اصول تاریخ سے اس کا ثبوت ہوتا اور صداقت کی محک پر گھسنے کے بعد وہ کھرا اترتا ہو۔

اسلامی فریق نے اگرچہ اعتراض کئے تھے تو وہ محض کشیدگی کی بنا پر مگر عیسائیوں اور آریوں کے نو پید اگروہوں نے جو نکتہ چینیاں کی ہیں بلکہ بعض تو تہذیب سے بھی معرا ہو گئے اور انہوں نے وہ گالیاں سُنائیں کہ العظمۃ للہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ازواج پاک سے انہیں کاہے کی دشمنی پڑگئی اور انہوں نے ناحق بیٹھے بٹھائے کیوں اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا یہ تین میراثہ تیرہ میں اشل لونے کے مہینے کے بیچ میں آکودے۔ ہاں اگر حضرت بی بی مریم کی شان میں

روایت ہے کہ جب اوس اور خزرج میں لڑائی ہوئی اور اوس کا غلبہ رہا تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۲) گستاخی کی جاتی اور یہودیوں کے اقوال بیان کئے جاتے اور ہندوؤں کی دیبیوں پر تبرے بازی ہوتی یا ان سے کوئی سیاسی تعلق رہتا اور مثل جنگ جمل وغیرہ کے کتا چھپی ہوئی ہوتی تو ایک بات بھی تھی۔ مگر جب ان میں سے کوئی بات نہیں ہے تو پھر محض ذاتی خباثت کے سوا اور کیا خیال کیا جا سکتا ہے خوب سمجھ لیا جائے کہ کوئی مذہب دنیا میں ایسا نہیں ہے جس میں ہزاروں اس قسم کی روایتیں نہ ہوں کہ انہیں ہر شخص اپنے پہلو پر لا کے بہت کچھ اعتراضات نہ کر سکے۔ کسی شخص کی عالم بالا پر پرورش نہیں ہوئی ہے سب اسی دنیا کے رہنے والے ہیں سب کے ساتھ فروگذاشت اور کمزوری لگی ہوئی ہے اور سب کے ساتھ مرتے دم تک ضرورتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا پھر کتنی حماقت ہے کہ اپنے گریبان میں تو منہ نہ ڈالا جائے اور دوسروں کو گالیاں دیجائیں۔

ہمارا شیوہ یہ نہیں ہے کہ ہم نا ملایم الفاظ زبان سے نکالیں یا الزامی جواب دینے بیٹھ جائیں۔ بلکہ ہمیں بہت ہی صبر سے ان گالیوں کو سننا چاہیے۔ اور گالیاں دینے والے کی حالت پر افسوس کرنا چاہیئے کہ وہ کس تاریکی میں مبتلا ہے اور اس کی اخلاقی حالت حالانکہ وہ اشرف المخلوقات ہے کس درجہ ردی ہوگئی ہے۔ گالی کا جواب گالی بہت آسان ہے کون گالی دینا نہیں جانتا اور کس کو سیر کا جواب سوا سیر اور اینٹ کا جواب پتھر دینا نہیں آتا مگر اس قسم کے ترکی بترکی جواب دینا کچھ خوبی کی بات نہیں ہے انسان کی عین شرافت یہ ہے کہ وہ ایسے شخصوں کے حق میں رب الافواج کی بارگاہ عالی میں دعا کرے اور کبھی اس قسم کی گالیوں سے آزردہ نہ ہو۔ اور خوب یقین کرے کہ آفتاب کی کرنیں میلا ہاتھ لگانے سے میلی نہیں ہوا کرتیں۔ اگر ایک دریا میں سے چند کتے پانی پی لیں اور چند سور اس میں منہ ڈالیں تو وہ دریا ناپاک نہیں ہو جانے کا جس کی شان میں گستاخی کی گئی ہے اور جن امہات المومنین کو گالیاں دی گئی ہیں ان کی شان ان گالیوں اور الزاموں سے بہت ہی ارفع ہے ان پر سر جھکانے والے کروڑوں موجود ہیں اور انکی

ماہ رجب میں اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد قیس مکہ میں آئے کہ قریشوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳) تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے ان گالیوں سے اُن کے مرتبہ میں کچھ فرق نہیں آسکتا جبکہ تیرہ سو برس سے گالیاں دی جارہی ہیں انکا کچھ نتیجہ نہیں نکلا تو ان نو پید اعیسائیوں اور آریوں کی گالیوں سے کیا نتیجہ ہوگا سوائے اس کے کہ اخلاق مسیحی اور اخلاق ہنود کا وزن معلوم ہو جائے گا اور بس۔

ہمارا فرض ہے کہ اس دیرینہ غلط فہمی کو مٹائیں جو اسلام کے دونوں فریقوں میں پڑ گئی ہے اور فریقین اُسے صحیح سمجھے بیٹھے ہیں یہ محض غلط ہے کہ حضور انور رسول کریم کی ازواج پاک میں کچھ کشش تھی یہ محض غلط ہے کہ وہ ایک دوسرے کے تعلق پر رنجیدہ ہوتی تھیں یہ محض غلط ہے کہ آپ نے کوئی راز کی بات اپنی کسی بی بی سے کہی اور اُس نے ظاہر کر دی یہ محض غلط ہے کہ آپ نے کسی کو طلاق دینے کا محض بڑھاپے کی وجہ سے ارادہ کیا ہو یہ محض غلط ہے کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگا ہو اور آپ کو ان کی نسبت شبہ ہوا ہو یہ محض غلط ہے کہ حضرت بی بی عائشہ حضرت علی سے اپنی قدیمی دشمنی کی بنا پر لڑی ہوں اور آپ کو اہل بیت سے کچھ عداوت ہو ان کا اور اس قسم کی اور باتوں کا ہرگز ثبوت نہیں ملتا اگرچہ تاریخوں میں اور فریقین کی معتبر کتابوں میں درج ضرور ہیں مگر ان کے اختلافات سے صاف پایا جاتا ہے کہ ان میں صداقت کا مادہ مطلق نہیں ہے اب ہم مختصر طور پر حضرت بی بی عائشہ کی سوانح عمری لکھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ہم اُن الزامات کا بھی جواب دیتے جائیں گے جو معترضوں نے آپ پر کئے ہیں۔

آپ سات سال کی عمر کی تھیں۔ جب آپ کا نکاح حضور انور سے ہوا اور تین سال کے بعد آپ اپنے گھر سے رخصت ہو کے حضور انور کے ہاں چلی آئی تھیں۔ آپ کی زندگی کے واقعات کچھ عجیب و غریب ہیں۔ جو جو کچھ تعلقات آپ کے ساتھ حضور انور کو تھے وہ ایسے بدیہی ہیں کہ اُن سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جو کچھ آپکو رسول کریم کے گھر میں تعلیم ملی تھی اس کا نتیجہ بعد ازاں امت نے دیکھا۔ آپ کی فقیہانہ

اوس کے خلاف مدد مانگیں اور اسعد کی دوستی چونکہ عتبہ بن ربیعہ سے تھی اس لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۴) قابلیت اور عالی دماغی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا جو کچھ زندگی تک آپ نے کیا وہ اسلام میں بڑی وقعت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے آپ نے عورتوں کی معاشرت میں ایک بڑی بھاری اصلاح کی اور صحابہ کو بہت سی غلط فہمیوں سے جو عورتوں کے متعلق پڑ گئی تھیں بچا لیا اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ آپ کو حضور انور کی احادیث پر عبور تھا اور کسی کو کم ہو سکتا ہے آپ کی صداقت اور راستبازی کی ادنے شہادت یہ ہے کہ آپ کی روایتیں سب قبول کر لیتے تھے اور کسی کو بھی انکار کرنے کا یارا نہ تھا۔ آپ کی زندگی کے واقعات نے اگرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت سے نیا رنگ اختیار کر لیا اور اسی سبب سے ایک فرقہ کی آپ مورد طعن و تشنیع نہیں۔ لیکن حضور انور کی زندگی ہی میں بہت سی باتیں ایسی پیدا ہو گئی تھیں جنہوں نے ایک سخت غلط فہمی میں لاکھوں مخلوق خدا کو مبتلا کر رکھا ہے اور اسلامی دنیا میں اسی سے ایک عجیب ہل چل پیدا ہو گئی ہے۔

واقعات جو بیان کئے جاتے ہیں ان کی بنیاد دراصل کچھ بھی نہیں ہے نہ انہیں نفس صداقت سے کچھ تعلق ہے مگر ان غلط روایات نے ایسا مذہبی جامہ پہن لیا ہے کہ انکو دلوں سے نسیاً منسیاً کرنا اگرچہ ناممکن تو نہیں ہے مگر مشکل ضرور ہے ایک طرف تو یہ روایتیں بیان کی ہیں کہ حضرت بی بی عائشہ سے آنحضرت سے بہت ہی محبت تھی اور دوسری طرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت بی بی عائشہ آنحضرت کی جانی دشمن تھیں لیکن یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ دشمنی کے کیا اسباب تھے اور کیوں ایک بی بی جبکہ اُس کا خاوند اُس پر فدا ہو بلا وجہ اور سبب دشمنی کرے گی۔ اس دشمنی کی متعلق جتنی روایتیں ہیں ۔۔۔ وہ ایسی مہمل اور خلاف قیاس ہیں کہ مطلق سمجھ میں نہیں آتیں اور نہیں کھلتا کہ اخیر ان باتوں کا ظہور کیوں ہوا اور آیا ایسے شرمناک امور حضور انور کے سامنے ہو بھی سکتے تھے یا نہیں۔

وہ اپنے دوست کے گھر میں اترا اور اپنے آنے کی پوری کیفیت بیان کی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۵) ڈھائی پونے تین صدی تک تو باتیں دبی رہیں اور کسی نے کچھ بھی نہ جانا۔ ہاں تیسری صدی کے آغاز میں جب صحیح بخاری کی ترتیب ہوئی ہے تو کچھ سرگوشیاں ہونے لگی تھیں اور کوشش کی جانے لگی تھی کہ اس کے مقابلہ میں ضرور کچھ تصنیف کیا جائے تحریک ہوتی رہی اور اسے پورا پچاس سال کا عرصہ گذر گیا اخیر نصف صدی کے بعد روایتیں بنی شروع ہوئیں اور انہیں زبردستی مخالفت کا جامہ پہنانا شروع کیا مگر سلطنت ایسے خلفار کی تھی جو ایسی صریح غلط باتیں شایع ہونی شاید گوارا نہ کرتے اسلئے اُن میں صداقت کا بھی کچھ رنگ دیا گیا اور بعد از ان صحیح اقوال کی ایسی مٹی خراب ہوئی کہ العظمۃ للہ کہیں مقتضائے وقت بتایا گیا اور کہیں مجبوری کا عذر کیا گیا اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ جتنے اقوال درج کئے گئے ہیں وہ فرضی ہیں یا ایمہ نے ظالموں کے ظلم سے ایسا کہدیا ورنہ ہیں یہ سب غلط۔

ان ہی مذبذب اقوال میں سے بہت سے اقوال حضرت بی بی عائشہ کی نسبت بھی ہیں اور نہایت سختی سے بیان کیا گیا ہے اگر رسول خدا کی کوئی بی بی دشمن تھی تو وہ عائشہ صدیقہ تھیں خیال نہیں ہوسکتا کہ پونے تین صدی کے بعد جبکہ ہزارہا انقلاب ہوچکے ہوں اور سوائے قرآن مجید کے اور کوئی نوشتہ موجود نہ ہو کئی نسلیں بھی اس عرصہ میں گذر گئی ہوں اور پھر راویوں کو جدید اقوال کہاں سے مل گئے اور انہوں نے ان کی صحت کی کیونکر تصدیق کرلی پھر مسلمانوں کے ایک گروہ کثیر نے کیوں اُن روایتوں سے اختلاف کیا اور کیوں انہیں مجبوراً اُنہیں تسلیم کرنا پڑا۔

جہاں تک ہمارا خیال ہے یہ مخالفت کا مادہ کبھی نہ ابھرتا اگر حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتوں کا انضباط نہ ہوتا چونکہ آپ ملکی معاملات میں بخوبی حصہ لے چکی تھیں اور آپ کا ایک مخالف خلیفہ ثالث ہی کے وقت سے پیدا ہوگیا تھا اس لئے وہ گروہ ابھی تک موجود تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ احادیث نبوی کا ایک دفتر منضبط ہوگیا ہے تو اُس نے بھی

عتبہ نے کہا ایک بات تو یہ ہے کہ ہم میں اور تم میں مسافت زیادہ ہے اگر یہ بات بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶) ایک نئے دفتر کے انضباط کی جرأت کی اور اخیر ایک بہت بڑی کتاب تصنیف کرکے ایمہ پاک کے مبارک ناموں سے اسے مرتب کیا۔ کیونکہ پہلے دفتر میں ایمہ پاک کے اقوال یا اُن کی روایتیں رہ گئی تھیں اور پھر اُن کی اس بری طرح سے ترتیب دی گئی کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو کبھی بھی پسند نہ کرتے۔

ہزاروں الزامات ہیں جو ان ہی فرضی روایتوں کے ذریعہ سے حضرت بی بی عائشہ پر لگائے ہیں۔ مگر اُن الزاموں میں سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ آپ نے ایک راز سرور انور پیغمبر کا افشا کر دیا تھا اُس سے آنحضرت کو بہت ہی صدمہ ہوا تھا۔ اور آپ نے تیئیس روز اپنی کسی بی بی سے بات چیت تک نہیں کی تھی اور اس راز کے افشا کرنے کا ذکر قرآن مجید میں بھی بصراحت آگیا ہے اور مفسرین نے اس راز والی آیت کے عجیب و غریب معنی بیان کئے ہیں۔ جن سے آیت کے نفس مطلب کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ ماریہ قبطیہ حرم رسول کریم اور حضرت بی بی حفصہ اور حضرت بی بی عائشہ کی ایک روایت بنائی ہے اور وہ حکایت گویا اس آیت کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔

یہ حکایت دیکھ کے عیسائیوں کو ایک موقعہ ہاتھ لگا اُنہوں نے فوراً اسے رنگ آمیزی کرکے شائع کر دیا اور راز کار توضیحات سے رسول کریم کی شان میں ہزاروں ناملایم الفاظ کہدیئے اور اپنی بُزدلانہ فتحمندی پر خوب ہی بغلیں بجائیں۔

مسلمان فی الحقیقت اُس آیت ہی کو نہیں سمجھے اور نہ اُنہوں نے اس کے اصلی معنوں پر غور کیا اور نہ خدا تعالیٰ کی مرضی کی اُس میں جستجو کی۔ کسی نے کچھ اُس کے معنی لکھے اور کسی نے کچھ مگر سب نے اٹکل پچو تفسیر کی ہے اور محض ایک فرضی قصہ کی بنا پر جو آغاز سنین ہجری سے مشہور چلا آتا تھا۔ سب نے اسی قصہ کو اس آیت کا شان نزول ٹھیرا کے وہ نئے نئے معنی اُسے پہنائے ہیں کہ جس کا سر نہ پیر اور عجیب تماشہ کی بات تو یہ ہی کہ ایک ہی قصہ اور اس میں اختلاف کوئی راوی کچھ بیان کرتا ہے اور کوئی کچھ۔ جب خائن ایک ہیں

تسلیم نہ کی جائے تو ایک بڑی آفت میں ہم پھنسے ہوئے ہیں اور ہمیں ایک مہم عظیم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۷) واقعہ میں اختلاف ہے پھر کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ واقعہ سچا ہوگا جس آیت پر مفسروں نے مغالطہ کھایا ہے وہ آیت قرآن مجید کی یہ ہے واذا اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فلما نبات بہ واظھرہ اللہ علیہ عرف بعضہ واعرض عن بعض فلما نبأھا بہ قالت من انبأک ھذا قال نبانی العلیم الخبیر۔ یعنے اس وقت جب پیغمبر نے اپنی بعض ازواج سے کوئی بات خفیہ یا راز دارانہ کہی پس اس عورت نے وہ راز افشا کر دیا اور آپ کو خدائے تعالے نے اس کی خبر دیدی اور آپ نے اُن میں سے بعض سے اعراض کیا اور پھر آپ سے اس عورت نے پوچھا کہ آپ کو کہاں سے خبر ہوئی آپ نے کہا خدائے علیم نے مجھے خبر دی ہے۔

اس راز سے ایک حکایت بنائی گئی ہے اور وہ ایسی ہی لغو ہے کہ جس کا سر نہ پیر خیر ہم اس حکایت کو تو پیچھے نقل کریں گے۔ پہلے ہم اس آیت کو دیکھتے ہیں کہ اس کے کیا معنے ہیں۔

اس آیت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی راز کی بات تھی جو آنحضرت نے اپنی کسی بی بی سے کہی تھی اور وہ اُس نے نہیں چھپائی اور وہ بات دوسری سے ذکر کر دی اور بس سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں ہے اب رہا یہ کہ وہ راز کیا تھا جو ظاہر کر دیا اور وہ ایسا کونسا عظیم امر تھا کہ جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا۔ یہ بات فی الحقیقت غور کرنے کی ہے اور بغیر مزید توجہ کے سمجھ میں نہیں آئے گی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ رسول کریم کو عورتوں کی اصلاح بھی مردوں کے برابر منظور تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ جو عیب محض مردوں کی ناقدردانی سے عورتوں میں آگئے ہیں وہ جاتے رہیں آپ نے ہزاروں صورتیں ان کی اصلاح کی نکالی تھیں۔ اور خداوند تعالے کی یہ مرضی ٹھیر چکی تھی کہ خاتم النبیین کے ہاتھ سے عورتوں کی اصلاح ہو۔

جن بیبیوں سے آپ نے نکاح کیا تھا اور متعدد نکاح سے آپ کی یہ غرض تھی کہ

درپیش ہے۔ جس کی وجہ سے ہم تمہاری مدد نہیں کر سکتے۔ اسعد نے دریافت کیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۸) ان ہی کے ذریعہ سے عورتوں کی اصلاح کا سلسلہ جاری ہوگا وہ بیبیاں اُسی آب و ہوا اور ملک کی رہنے والی تھیں جس میں عورتوں کی نفرت کا زہر ملا ہوا تھا اور بات بھی یہ تھی کہ عورتوں کے ظلم سہتے سہتے اخلاق بھی بہت بگڑ گئے تھے اور یہ فطری قاعدہ ہے کہ جب ابتدا سے کسی پر بیجا و بیجا زیادہ دباؤ ڈالا جائے گا تو ضرور اس کے اخلاق میں خرابی پیدا ہو جائے گی۔ ان جیسی عورتوں سے تو آپ کو سابقہ پڑا اور آپ نے اُن ہی کے ذریعہ سے اصلاح کرنی چاہی تو یہ بات اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتی تھی۔ جب تک خود وہ عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہو جاتیں۔ یہ ایک بڑا ضروری امر تھا آپ نے انہیں تعلیم دینی شروع کی اور آپ نے ہر پہلو جسمانی معاشرت اور روحانی صفات کا انہیں بتایا کہ راز داری کیسی اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اور راز داری کے کسقدر فوائد ہیں۔ شوہر اور زوجہ میں اتحاد قایم ہونے اور بی بی کی وقعت شوہر کی نظروں میں ہونے کی پہلی سیڑھی راز داری ہے۔ آپ نے ممکن ہے کوئی بات فرمائی ہو اور تاکید کر دی ہو کہ دوسری بی بی سے ذکر نہ کرنا اور اس نے اپنی عادت مستمرہ کے مطابق ذکر کر دیا اور پھر اُس کے راز کے افشا کرنے پر خدا تعالیٰ کی طرف سے اعتراض نازل ہوا کہ ایسا کرنا زیبا نہ تھا۔ یہ گویا ایک زبردست تعلیم تھی جو مستورات کو دی گئی اور اصل یہ ہے کہ راز داری کی تعلیم سے زیادہ اور کوئی تعلیم ہو بھی نہیں سکتی چونکہ عورتوں کی معاشرت ابتدا سے بہت ہی کمزور ہو گئی تھی اور اُن کے دل بھی نہایت کمزور تھے اور راز کو افشا کرنے کا عیب اگرچہ مردوں میں زیادہ ہوتا ہے مگر عورتوں کو سہار نہیں ہوتی اور وہ محض اپنی سادہ لوحی سے اپنی ہمجولیوں سے کہہ دیتی ہیں اور اُس سے فساد کا بہت بڑا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے لازم تھا کہ اس کی بابت تاکید کی جاتی اور جس پیرائے میں بیان کیا گیا ہے سوائے اس کے اور کوئی پیرایہ بہتر ہو بھی نہ سکتا تھا۔ اگر راز کے افشا کرنے پر امہات المومنین کو فہمایش نہ کی جاتی تو اس راز کا اثر مومنوں کی مستورات کو

کہ وہ کیا بات ہے جس سے تم ایسے خائف نظر آتے ہو. عتبہ نے کہا کہ ایک شخص نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۹) نہ پڑتا اب ہر خاتون اسلام سمجھے گی کہ جب راز نہ پوشیدہ رکھنے پر ازواج پاک پر یہ خفگی ہوئی تو ہم کس گنتی میں ہیں یہ ایک تازیانہ ہے جو عورتوں کی اس کمزور فطرت پر لگایا گیا ہے جس سے وہ راز کو نہ چھپا سکتی تھیں اور انہیں ضبط نہ ہوسکتا تھا. ظاہر نظروں سے دیکھا جائے تو یہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے. مگر غور کرنے کے بعد کھلے گا کہ اس سے بڑا عیب انسان میں اور نہیں ہوسکتا کہ ایک کا راز دوسرے سے کھول دے اور منع کرنے پر بھی باز نہ آئے دنیا کے تمام کاموں کا دارومدار محض راز کے پوشیدہ ہونے پر ہے. جس کام کا راز چھپا ہوا ہے وہ برابر چلتا رہے گا اور جہاں راز کھلا پھر اُس کا قیام محال ہو جائے گا. چھوٹے کاموں سے لیکے سلطنت کے عظیم الشان معاملات تک سب میں راز موجود ہے اور گویا ہر کام کی بنا راز ہی پر سمجھنی چاہیئے کل سلطنتیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی اپنے رازوں کے پوشیدہ ہونے پر زندہ ہیں اگر کسی سلطنت کا راز کھلجائے تو اس کی بنیادیں ہل جائیں اور پھر وہ سنبھالے بھی نہ سنبھلے یہ ایک بہت بڑی تعلیم تھی. جو رسول کریم نے اپنی ازواج پاک کے پردے میں عورتوں کو دی. اب یہ کھوج لگانا کہ وہ کیا راز تھا عبث ہے. اس راز کے دریافت کرنے میں جبکہ ہمارا کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ نہیں ہے اور لطف یہ ہے کہ رسول کریم نے بھی بیان نہیں فرمایا پھر کیا ضرور ہے کہ ہم اس میں جدوجہد کریں اور خواہ مخواہ اپنے عزیز وقت کو ضایع کریں. اگر فرض کرو ہمیں راز کا کھوج لگ گیا تو کیا فائدہ ہوا نہ کھوج لگا اور ہم نے اپنے قیاس سے خود بخود سمجھ لیا اور وہ نہ ہوا تو ہماری عاقبت خراب ہوئی.

غور کا مقام ہے کہ نبی کریم کے خانگی معاملات کی جس طرز سے تصویر اتاری گئی ہے وہ انتہا درجہ نازیبا ہے اپنے خانگی حالات کو جب پیغمبر خدا نے خود نہیں بیان فرمایا اور بعد ازاں راویوں نے اپنے اقوال کی صداقت جتانے کے لیئے اُن روایتوں کی

ہم ہی میں سے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے وہ علانیہ ہماری قوم کے عقلا کو بیوقوف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰) جن کے حقیقی راوی وہ خود تھے ازواج پاک سے نسبت دی۔ سمجھنے کی بات ہے۔ جب رسول کریم نے مرد ہوکے زن وشوئی کے تعلقات نہیں بیان کئے تو امہات المومنین عورتیں ہوکے کیونکر بیان کرتیں یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جس امر پر ایک جماعت کا اتفاق ہو وہ ضرور صحیح بھی ہو ہم مانتے ہیں کہ کم وبیش کل محدثوں مفسروں اور مؤرخوں نے اختلاف کے ساتھ ان روایتوں کو تسلیم کر لیا ہے جو ازواج پاک کی زبان سے بیان کی گئی ہیں مگر ہم کیا کریں جبکہ اُن کا اختلاف عظیم خود اُن کے سرتاپا غلط ہونے کی شہادت دے رہا ہے۔ مثلاً شیعوں نے جو کچھ حضرت بی بی عائشہ کا حال لکھا ہے اُسے ایک سنی کیوں نہیں مانتا اور جو کچھ شیعوں نے قلمبند کیا ہے۔ اُسے کیوں نہیں تسلیم کرتا۔ اور جو کچھ خارجی کہتے ہیں اُسے یہ دونوں فریق کیوں نہیں تسلیم کرتے اس کا جواب غالباً یہی دیا جائیگا کہ ایک فریق دوسرے فریق کی روایات کو غلط سمجھتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ذریعہ اُن روایات کا اس نے حاصل کیا ہے وہی سراسر غلط ہے ثبوت ہر فریق کے پاس موجود ہے مگر ایک فریق کا ثبوت دوسرے کے آگے صداقت کی کافی شہادت نہیں ہوسکتا۔ مثلاً شیعہ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ حضرت بی بی عائشہ نبی کریم کی دشمن تھیں اور اُنہوں نے بی بی حفصہ سے مشورہ کرکے کئی بار رسول کریم کو زہر دینے کا قصد کیا مگر موقع نہ ملنے کی وجہ سے اُن کی آرزو دل کی دل ہی میں رہی۔

سنّی اس واقعہ سے محض انکار کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کو رسول کریم سے کیسی محبت تھی۔ اور آپ اُن پر کس قدر مہربان تھے یہانتک کہ جب آپ پر مرض کا زور ہوا ہے آپ ہی کے مبارک حجرے میں آپ کو وصال باری تعالیٰ ہوا۔ اب ایک محقق شخص جب ان دو متضاد روایتوں پر نظر کرے گا تو ان سے کیا نتیجہ نکالے گا اور کس کو صحیح اور کس کو غلط بتائے گا۔ اُسے فی الحقیقت بہت ہی

بتلاتا ہے اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے اور ہمارے نوجوانوں کے عقائد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۱) بڑی دقت ہوگی اور جب وہ دونوں کے ثبوتوں کو دیکھے گا تو اُسے اور بھی پریشانی ہوگی کہ اس ثبوت کا کیا مطلب سمجھے اور کیا رائے قایم کرے یہی اس وقت ہماری کیفیت ہے اور ہم سخت پریشان ہیں کہ ثبوتوں کو کیونکر تسلیم کرلیں۔ ہر فریق نے اپنا دعوےٰ مضبوط کرنے کے لئے خود اُن ہی کی زبانی اقوال بیان کئے ہیں تاکہ سننے والے کو پھر شبہ ہی نہ رہے اور وہ بے چون وچرا یقین کرے مگر اس قسم کے اقوال زیادہ تر فریقین کی مخالفت سے پیدا ہو گئے ہیں ورنہ اُن کے منضبط ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ ایسی روایتوں کا دفتر دریابرد کردینے کے قابل ہے بلکہ جو ہمارا منشا ہے وہ یہ ہے کہ صحیح اور اصلی اقوال بھی ضرور ہوں گے مگر غلط واقعات اور صریح اتہامات بہت ہیں جسے عقل کبھی گوارا نہیں کرتی اور ہرگز خیال میں نہیں آتا کہ کبھی ایسا ہوا ہو اور ایک جلیل القدر نبی ایسا فعل کرے جو محض معمولی آدمی کی وضع کے خلاف ہو مثل اسی اوپر والی بحث کے متعلق کہ حضرت بی بی عائشہ نے حضرت رسول کریم کا راز افشا کردیا تھا۔ اس کی نسبت مجمع البیان طبرسی میں جو شیعی گروہ کی بڑی معتبر قرآنی تفسیر ہے یہ لکھا ہوا ہے۔

لو قیل ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قسم الایام بین النساء فلما کان یوم حفصۃ قالت یا رسول اللہ ان لی الی ابی حاجۃ فاذن لی ان ازورہ فاذن لھا فلما خرجت ارسل رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم الی جاریتہ ماریۃ القبطیۃ ام ابراہیم وقد کان اھداھا المقوقس فادخلھا بیت حفصۃ فوقع علیھا فاتت حفصۃ فوجدت الباب مغلقاً فجلست عند الباب فخرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم ووجھہ یقطر عرقاً فقالت حفصۃ انما اذنت لی من اجل ھذا ادخلت امتک بیتی ثم وقعت علیھا فی یومی وعلی فراشی ما رأیت لی حرمۃ وحقاً فقال صلے اللہ علیہ والہ وسلم الیس ھی جاریتی قد احل اللہ ذلک لی اسکتی وھی حرام علی التمس بذلک رضاک ولا تخبری بذلک

کو برباد کر رہا ہے۔ سعد نے پوچھا کہ اس دعوے کرنے والے کا نام کیا ہے۔ عتبہ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲) امرأة منهن و هو عندك امانة فلما خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فرعت حفصة الجدار الذى بينهما و بين عائشة فقالت الا ابشرك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد حرم عليه امته مارية و قد اراحنا الله منها واخبرت عائشة بما رأت وكانتا متصافيتين متظاهرتين على سائر ازواجه فنزلت يا ايها النبى لم تحرم ما احل الله لك. فاعتزل نساءه تسعة وعشرين يوما وقعد فى مشربة ام ابراهيم مارية حتى نزلت اية التخيير وقيل ان النبى صلى الله عليه واله وسلم خلا يوم عائشة مع جارية القبطية فوقفت حفصة على ذلك فقال لها رسول الله صلى الله عليه واله وسلم لا تعلمى عائشة بذلك وحرم مارية على نفسه فاعلمت حفصة عائشة واسكتتها اياه فاطلع الله نبيه على ذلك وهو قوله تعالى واذا اسر النبى الى بعض ازواجه حديثا يعنى حفصة و لما حرم مارية القبطية اخبر حفصة انه يملك من بعده ابوبكر وعمر فعرفها بعضه. انشت من الخبر واعرض عن بعض ان ابا بكر وعمر يملكان بعدى وقريب من ذلك ما رواه العياشى بالاسناد عن عبد الله بن عطاء المكى عن ابى جعفر عليه السلام الا انه زاد فى ذلك ان كلا واحد منهما حدثت اباها بذلك فعاتبهما فى امر مارية وما افشتنا عليه من ذلك واعرض ان يعاتبهما فى الامر الاخر انتهى۔

یعنی کہتے ہیں کہ رسول کریم نے اپنی راتیں اپنی بیبیوں میں تقسیم کر رکھی تھیں۔ جس دن حضرت بی بی حفصہ کی باری تھی انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اپنے والد سے کچھ کام ہے اگر حضور انور حکم فرمائیں تو میں ہو آؤں آپ نے اجازت دیدی جب بی بی حفصہ باہر چلی گئیں تو رسول کریم نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو جو ابراہیم کی ماں تھی اور جسے مقوقس نے ہدیۃً بھیجا تھا بلوایا۔ وہ آئی اور آپ نے اس سے مقاربت کی۔ پھر حفصہ آگئیں تو انہوں نے دروازہ کو بند دیکھا وہ دروازہ سے لگ کے ہو بیٹھیں۔ پھر

جواب دیا۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب اور وہ ہماری قوم میں شریف ترین ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۳) حضور انور باہر تشریف لائے آپ کے مبارک چہرے سے پسینہ ٹپک رہا تھا حفصہ نے دیکھتے ہی کہا کہ میرے حجرہ میں تونے لونڈی سے ایسا فعل کیا اور میرے ہی بستر پر اور تونے نہ میری حرمت کی اور نہ میرے حق کی طرف خیال رکھا حضور انور نے ارشاد کیا حفصہ تو جانتی ہے کہ خدا تعالے نے یہ میرے لئے حلال کی ہے مگر تو خاموش رہ کہ میں اسے آیندہ کے لئے اپنے اوپر حرام کر لیتا ہوں۔ میں صرف تیری رضامندی چاہتا ہوں تو اور بیبیوں سے اس کی خبر نہ کیجو یہ بات تیرے پاس امانت ہے۔

جب حضور انور رسول کریم باہر تشریف لائے تو بی بی حفصہ نے حضرت بی بی عائشہ کی دیوار میں ایک سوراخ (یہ دیوار بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کے حجروں کے بیچ میں تھی) کرکے کہا کہ میں تجھے ایک خوشخبری سناتی ہوں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر آیندہ سے حرام کر لیا ہے خدا نے ہمیں اس کے فکر سے نجات دی۔ اس کے علاوہ جو کچھ دیکھا تھا اُس کی اطلاع بھی بی بی عائشہ کو دیدی۔ یہ دونوں رسول کریم کی کل ازواج کے مقابل میں باہم بڑی دوست تھیں اور ان میں اتفاق بھی زیادہ تھا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ اے نبی جو چیز خدا نے تجھپر حلال کردی ہے وہ تونے اپنے اوپر حرام کیوں کر لی۔ اس آیت کے نازل ہوتے ہی آنحضرت نے ۲۹ دن اپنی بیبیوں سے صحبت ترک کردی اور ماریہ قبطیہ ابراہیم کی ماں کے بالاخانہ پر رہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی عائشہ کے حجرہ میں ماریہ قبطیہ سے مقاربت فرما رہے تھے کہ بی بی حفصہ نے دیکھ لیا آنحضرت نے منع فرمایا کہ عائشہ سے اسکا تذکرہ نہ کیجو میں نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ لیکن بی بی حفصہ نے کہدیا اور بی بی عائشہ سے تاکید کردی دیکھو یہ بات کھلنے نہ پائے مگر خدا ئے تعالے نے رسول کریم

ہمارے مذہب میں معراج کے متعلق دو خیالات ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے بموجب معراج ایک خواب ہے مگر دوسری روایتوں کے بموجب حضور انور مع جسم آسمان پر تشریف لے گئے تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ امور رکن مذہب قرار نہیں دیئے گئے ہیں یہ صرف اعتقادی باتیں ہیں جن پر مسلمان ہونے نہ ہونے کا دارومدار نہیں ہے۔ عیسائیوں نے ناحق نامعقول لفظ استعمال کر کے نصرانیت کی تہذیب کا پردہ اُٹھا دیا ہے۔ ہم اس پر ذرا تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۰) اور ہم میں سے کئی عورتوں نے بھی ہم کو گھبرا رکھا ہے کہ تڑکے اُس کی قبر پر گئیں اور اُس کی لاش کو نہ پاکر آئیں اور بولیں کہ ہم نے فرشتوں کی رویت دیکھی جنہوں نے کہا وہ زندہ ہے اور بعضوں نے ہمارے ساتھیوں میں سے قبر پر جا کے جیسا کہ ان عورتوں نے کہا پایا پر اس کو نہ دیکھا۔ تب اُس نے اُن سے کہا کہ اے نادانو اور نبیوں کی ساری باتوں کے نہ ماننے میں سُست مزاجو۔ کیا ضرور نہ تھا کہ مسیح یہ دکھ اُٹھاوے اور اپنے جلال میں داخل ہو۔ اور موسیٰ اور سب نبیوں سے شروع کر کے وہ باتیں جو سب کتابوں میں اُس کے حق میں ہیں اُن کے لئے تفسیر کیں اور وے اُس بستی کے جہاں جاتے تھے نزدیک پہنچے اور ایسا معلوم پڑا کہ وہ آگے بڑھا چاہتا ہے تب اُنہوں نے اُسے یہ کہکے روکا کہ ہمارے ساتھ رہ کیونکہ شام ہوا چاہتی ہے اور دن ڈھلا تب وہ بھیتر جا کے اُنکے ساتھ رہا اور ایسا ہوا کہ جب وہ اُن کے ساتھ کھانے بیٹھتا تھا روٹی لیکر اسے متبرک کیا اور توڑ کر اُن کو دی تب اُنکی آنکھیں کھل گئیں اور اسکو پہچانا اور وہ اُن کے پاس سے غائب ہو گیا تب اُنہوں نے آپس میں کہا جب راہ میں ہم سے باتیں کرتا اور ہمارے لئے کتابوں کا بھید کھولتا تھا تو کیا ہم لوگوں کے دل میں جوش نہ ہوا اور اُسی گھڑی اُٹھکر وے یروسلم کو پھرے اور گیارہوں اور اُن کے ساتھیوں کو اکھٹے پایا۔

ہشامی اپنی تاریخ صفحہ ۱۳۰ میں لکھتا ہے کہ جب مشرکوں کو یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور انور شب کو بیت المقدس ہو آئے ہیں تو انہوں نے بیت المقدس کی نسبت حضور انور سے مختلف سوالات کئے۔ آپ نے بیان فرمایا کہ جب بیت المقدس جا رہا تھا تو مجھے ایک کارواں ملا جو شام سے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۱) جو کہتے تھے کہ خداوند سچ مچ اُٹھا اور شمعون کو دکھائی دیا ہے تب اُنہوں نے راہ کا حال بیان کیا اور یہ کہ کیونکر اُنہوں نے اسکی روٹی توڑنے میں اُسی پہچانا اور وے یہ باتیں کہہ رہے تھے کہ یسوع آپ اُنکے بیچ میں کھڑا ہوا اور ان سے کہا تمہیں سلام۔ پر اُنہوں نے گھبرائے اور ڈر کے خیال کیا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں۔ مگر اُس نے اُن سے کہا کہ تم کیوں گھبراہٹ میں ہو اور کاہے کو تمہارے دلوں میں اندیشے پیدا ہوا۔ میرے ہاتھ پاؤں کو دیکھو کہ میں ہی ہوں اور مجھے چھوؤ اور دیکھو کیونکہ روح کو جسم اور ہڈی نہیں جیسا مجھ میں دیکھتے ہو۔ اور یہ کہکے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے اور جب وے مارے خوشی کے اعتبار نہ کرتے اور متعجب تھے اُسنے اُنسے کہا کہ کیا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے اُنہوں نے بھونی ہوئی مچھلی کا ایک ٹکڑا اور شہد کا ایک چھتہ اسکو دیا اُس نے لیکر اُنکے سامنے کھایا اور اُنسے کہا کہ یہ وے ہی باتیں ہیں جنہیں میں نے جبکہ تمہارے ساتھ تھا تم سے کہا کہ ضرور ہے کہ سب کچھ جو موسیٰ کی توریت اور نبیوں کے نوشتوں اور زبوروں میں میری بابت لکھا ہے پورا ہو۔ تب انکے ذہنوں کو کھولا کہ کتابوں کو سمجھیں اور انسے کہا کہ یوں لکھا ہے اور یوں ہی ضرور تھا کہ مسیح دکھ اُٹھاوے اور تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھے اور یروشلم سے لیکے ساری قوموں میں توبہ اور گناہوں کی معافی کی منادی اُسکے نام سے کیجائے اور تم ان باتوں کے گواہ ہو۔ اور دیکھو میں اپنے باپ کے اُس موعود کو تم پر بھیجتا ہوں لیکن تم جبتک عالم بالا کی قوت سے ملبس نہو یروشلم شہر میں ٹھیرو۔ تب وہ انہیں وہاں سے باہر بیت عنیا تک لے گیا اور اپنے ہاتھ اُٹھا کے انہیں برکت دی اور ایسا ہوا کہ جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا اُنسے جدا ہوا اور آسمان پر اُٹھایا گیا اور انہوں نے اُسکو

آتا تھا اور اس کے ساتھ اتنے اونٹ اور اتنے آدمی اور یہ سامان تھا اور جب میں وہاں سے واپس آرہا تھا اسوقت بھی مجھے ایک کارواں سے سابقہ پڑا اسکے ساتھ ایک ظرف میں ڈھکا ہوا پانی تھا اس ظرف کو کھول کے میں نے پانی پیا اور اُسے اُسی طرح ڈھانک دیا۔ کہتے ہیں کہ جب یہ دونوں کارواں مکہ میں پہنچے۔ تو اُنھوں نے حضور انور کی باتوں کی تصدیق کی اس پر نصرانی مورخ سرولیم میور صاحب بہادر یہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ صرف بچوں کی سی باتیں ہیں جسے عقل سلیم سے کچھ تعلق نہیں مگر ان کے دوست اسپرینگر صاحب تو اس سے بھی بڑھ گئے ہیں انہوں نے معاذ اللہ حضور انور کی اقدس و اطہر ذات پر فریب کا الزام لگایا وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کو زبانی خبروں اور مختلف کتابوں سے بیت المقدس کے جو حالات معلوم ہوئے تھے انہوں نے بیان کر دیئے۔ ہم دونوں مورخ صاحبان کی توجہ یوحنا[1] کے مکاشفات کی طرف مبذول کرتے ہیں

---

[1] مکاشفات یوحنا باب ۴ مابعد اس کے جو میں نے نگاہ کی تو دیکھا کہ آسمان پر ایک دروازہ کھلا ہے اور پہلی آواز جو میں نے سنی نرسنگھے کی سی تھی جو مجھ سے بولتی تھی اُس نے کہا کہ ادھر اُوپر آ اور میں تجھے وے باتیں دکھاؤں گا کہ اس کے بعد ضرور ہوں گی۔ ۲ تب انہیں میں روح میں شامل ہو گیا پھر کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان پر ایک تخت دھرا ہے اور اُس تخت پر کوئی بیٹھا ہے ۳ اور جو اس پر بیٹھا تھا وہ دیکھنے میں سنگ یشم اور عقیق سا تھا اور ایک دھنک جو دیکھنے میں زمرد سا تھا اس تخت کے گرد تھا ۴ اور اس تخت کے آس پاس چوبیس تخت تھے اور ان تختوں پر میں نے چوبیس بزرگ سفید پوشاک پہنے ہوئے بیٹھے دیکھے اور ان کے سروں پر سونے کے تاج تھے ۵ اور بجلی اور گرج اور آوازیں اس تخت سے نکلتی تھیں اور آگ کے سات چراغ اس تخت کے آگے روشن تھے یہ خدا کی سات روحیں ہیں ۶ اور اُس تخت کے آگے شیشہ کا ایک سمندر بلور کی مانند تھا اور تخت کے بیچوں بیچ اور تخت کے گرداگرد

ہیں جو باوجودیکہ حضرت مسیح کا ایک زبردست اور پیارا حواری ہے اس قسم کی مجذوبانہ بڑھیں ہانکی ہیں جنہوں نے مشرقی فسانوں کو بھی پرے بٹھا دیا ہے حضور انور کی معراج میں اگر وہ جسم کے ساتھ بھی مانی جائے جب بھی اتنی فسانہ انگیز اور داستان گوؤں کی سی باتیں نہیں ہیں مگر یوحنا نے تو غضب ہی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۳) چار جاندار تھے جو آگے پیچھے آنکھوں سے بھرے تھے ۷ اور پہلا جاندار ببر کی مانند تھا اور دوسرا جاندار بچھڑے کی مانند اور تیسرے جاندار کا چہرہ انسان کا سا تھا اور چوتھا جاندار اڑتے عقاب کا سا تھا ۸ اور ان چاروں جانداروں میں سے ایک ایک کے چھ چھ پر تھے اور ان کی چاروں طرف اور اندر آنکھیں ہی آنکھیں تھیں اور وے رات دن فراغت نہیں رکھتے مگر کہتے رہتے کہ قدوس قدوس قدوس خداوند خدا قادر مطلق جو تھا اور جو ہے اور جو آنے والا ہے ۹ اور جب وے جاندار اُسکی جو تخت پر بیٹھا ہے اور ابدالآباد زندہ ہے بزرگی اور عزت اور شکرگذاری کرتے ہیں ۱۰ تب وے چوبیس بزرگ اس کے سامنے جو تخت پر بیٹھا ہے گر پڑتے ہیں اور اس کو جو ابتک زندہ ہے سجدہ کرتے ہیں اور اپنے تاج یہ کہتے ہوئے اس تخت کے آگے ڈال دیتے ہیں ۱۱ کہ اے خداوند تو ہی جلال و عزت اور قدرت کے لائق ہے کیونکہ تو نے ہی ساری چیزیں پیدا کیں اور وے تیری ہی مرضی سے ہیں اور پیدا ہوئی ہیں

باب ۵ - اور میں نے اس کے دہنے ہاتھ میں جو تخت پر بیٹھا تھا ایک کتاب دیکھی جو اندر اور باہر لکھی ہوئی اور سات مہروں سے بند تھی ۲ اور میں نے ایک زورآور فرشتے کو دیکھا جو بلند آواز سے یہ منادی کرتا تھا کہ کون اس لائق ہے کہ اس کتاب کو کھولے اور اس کی مہریں توڑے ۳ پر کسی کو مقدور نہ ہوا نہ آسمان پر نہ زمین پر نہ زمین کے نیچے کہ اس کتاب کو کھولے یا اُسے دیکھے ۴ اور میں بہت رویا کہ کوئی اس لائق نہ ٹھہرا کہ کتاب کو کھولے اور پڑھے یا اُسے دیکھے ۵ تب اُن بزرگوں میں سے ایک نے مجھے کہا کہ مت رو دیکھ کہ وہ ببر جو فرقہ یہوداہ سے ہے اور داؤد کی اصل ہے غالب ہوا ہے

ڈھا دیا بوستاں خیال کی ساری کہانیاں اس کے آگے گرد ہیں. تعجب ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۴) کہ اس کتاب کو کھولے اور اس کی ساتوں مہروں کو توڑے ۶
اور میں نے نگاہ کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ اس تخت اور چاروں جانداروں کے درمیان
اور اُن بزرگوں کے بیچ میں ایک برہ یوں کھڑا ہے کہ گویا ذبح کیا گیا ہے جس کے سات
سینگ اور سات آنکھیں تھیں جو خدا کی ساتوں روحیں ہیں. اور تمام روئے زمین پر
بھیجی گئی ہیں ۷ چنانچہ وہ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ سے جو تخت پر بیٹھا ہے اس کتاب
کو لیا ۸ اور جب اس نے کتاب لی تھی تب وے چار جاندار اور چوبیس بزرگ اس
برے کے آگے گر پڑے اور ہر ایک کے ہاتھ میں بربط اور بخور سے بھرے ہوئے
سونے کے پیالے تھے. یہ مقدسوں کی دعائیں ہیں ۹ اور وے ایک نیا راگ یہ
کہتے ہوئے گاتے کہ تو ہی اس لائق ہے کہ اس کتاب کو لیوے اور اسکی مہریں
توڑے کیونکہ تو ذبح ہوا اور اپنے لہو سے ہم کو ہر ایک فرقہ اور اہل زبان اور ملک اور
قوم میں سے خدا کے واسطے مول لیا ۱۰ اور ہم کو ہمارے خدا کے لئے بادشاہ
اور کاہن بنایا اور ہم زمین پر بادشاہت کریں گے ۱۱ پھر میں نے نگاہ کی اور تخت
اور ان جانداروں اور بزرگوں کے گرداگرد بہت سے فرشتوں کی آواز سنی
جنکا شمار لاکھا لاکھ اور ہزار ہا ہزار تھا ۱۲ اور بڑی آواز سے کہتے تھے کہ برہ جو ذبح
ہوا اس لائق ہے کہ قدرت اور دولت اور حکمت اور طاقت اور عزت اور جلال
اور برکت پاوے ۱۳ اور میں نے ہر ایک مخلوق کو جو آسمان پر اور زمین پر اور
زمین کے نیچے ہے اور ان کو جو سمندر میں ہیں اور ساری چیزوں کو جو اُن میں
ہیں یہ کہتے سنا کہ اُس کے لئے جو تخت پر بیٹھا ہے اور برے کے لئے برکت اور
عزت اور جلال اور قوت ابد تک ہے ۱۴ اور چاروں جاندار آمین بولے. اور
چوبیس بزرگوں نے گر کے اُسے جو ابد تک زندہ ہے سجدہ کیا۔
باب ۶- ۱ اور جب برے نے اُن مہروں میں سے ایک کو توڑا تب میں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۵) دیکھا اور ان چاروں جانداروں میں سے ایک کی آواز بادل کے گرجنے کی مانند سُنی جو بولا آ اور دیکھ ۲ اور میں نے نظر کی اور دیکھا کہ ایک نقرئی گھوڑا اور وہ جو اسپر سوار تھا کمان لئے ہے اور ایک تاج اسے دیا گیا اور وہ فتح کرتا ہوا اور فتحمند ہونے کو نکلا ۳ اور جب اُس نے دوسری مہر توڑی تب میں نے دوسرے جاندار کو یہ کہتے سنا کہ آ اور دیکھ ۴ تب ایک دوسرا سرنگ گھوڑا نکلا اور اس کے سوار کو یہ دیا گیا کہ صلح کو زمین سے چھین لے اور یہ کہ لوگ ایک دوسرے کو قتل کریں اور ایک بڑی تلوار اس کو دی گئی ۵ اور جب اس نے تیسری مہر توڑی تب میں نے تیسرے جاندار کو یہ کہتے سنا کہ آ اور دیکھ پھر میں نے نظر کی اور دیکھا کہ ایک مشکی گھوڑا اور جو اس پر سوار تھا ترازو ہاتھ میں لئے ہے ۶ اور میں نے ان چاروں جانداروں کے بیچ میں سے ایک آواز یہ کہتے سُنی کہ گیہوں دینار کا سیر بھر اور جَو دینار کے تین سیر پر تیل اور مے کو ضرر مت پہنچا ۷ اور جب اُس نے چوتھی مہر توڑی تو میں نے چوتھے جاندار کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آ اور دیکھ ۸ اور پھر میں نے نظر کی اور دیکھا کہ ایک گھوڑا پھیکے رنگ کا اور ایک اُس پر سوار ہے۔ جس کا نام موت ہے اور عالم غائب اس کے پیچھے رواں ہے اور اُنہیں زمین کی چوتھائی پر یہ اختیار دیا گیا کہ وے تلوار اور بھوک اور موت اور زمین کے درندوں سے ہلاک کریں ۹ جب اس نے پانچویں مہر توڑی تو میں نے قربانگاہ کے نیچے ان کی روحوں کو دیکھا جو خدا کے کلام اور اس گواہی کے لئے جو اُنہوں نے دی تھی مارے گئے ۱۰ اور اُنہوں نے بلند آواز سے چلّا کے کہا کہ اے مالک پاک اور برحق تو کب تک عدالت نہ کرے گا اور زمین کے رہنے والوں سے ہمارے خون کا بدلا نہ لے گا ۱۱ تب ان میں سے ہر ایک کو سفید پیراہن دیا گیا اور اُنہیں کہا گیا کہ اور تھوڑی مدت تک صبر کریں جب تک کہ اُن کے ہم خدمت اور اُنکے

کی اور کیوں اسے فریب اور مکر اور بچّوں کی سی باتیں نہ کہا حضرتِ مسیح نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۶) بھائی جو اُن کی طرح مارے جانے پر تھے تمام ہوں ۱۲
اور میں نے نظر کی کہ جب اس نے چھٹی مہر توڑی اور دیکھا تو بڑا بھونچال آیا اور
سورج بالوں کے کمل کی مانند کالا اور چاند لہو سا ہو گیا۔
۱۳۔ اور آسمان کے ستارے اُسی طرح زمین پر گر پڑے جس طرح انجیر
کے درخت سے اسکے کچے پھل گر جاتے ہیں جب اُسے بڑی اندھی ہلاتی ہے۔
۱۴ اور آسمان طومار کی طرح جب آپ سے لپیٹا جائے دو حصّہ ہو گیا اور ہر ایک
پہاڑ اور ٹاپو اپنی اپنی جگہ سے ٹل گیا ۱۵۔ اور دنیا کے بادشاہوں اور امیروں
اور مالداروں اور سپہ سالاروں اور زوروالوں اور ہر ایک غلام اور آزاد
نے اپنے تئیں غاروں اور پہاڑوں کی چٹانوں کے درمیان چھپایا ۱۶ اور پہاڑوں
اور چٹانوں سے یہ کہا کہ ہم پر گر پڑو اور ہم کو اسکے چہرہ سے جو تخت پر بیٹھا ہے اور
برّے کے غضب سے چھپاؤ۔ ۱۷ کیونکہ اس کے قہر کا روزِ عظیم آ پہنچا اب
کون ٹھہر سکتا ہے۔

باب ۷۔ اور بعد اسکے میں نے زمین کے چاروں کونوں پر چار فرشتے کھڑے
دیکھے کہ زمین پر چاروں ہواؤں کو تھامتے تھے تا نہ ہوے کہ ہوا زمین یا سمندر
یا درخت پر چلے ۲ پھر میں نے ایک اور فرشتے کو پورب سے اُٹھتے دیکھا جسکے
پاس زندہ خدا کی مہر تھی اور اُس نے ان چاروں فرشتوں سے جنہیں یہ دیا گیا
تھا کہ زمین اور سمندر کو ضرر پہنچاویں بلند آواز سے پکار کر کہا ۳ جب تک کہ
ہم اپنے خدا کے بندوں کے ماتھے پر مُہر نہ کریں تو زمین اور دریا اور درختوں
کو ضرر نہ پہنچانا ۴ اور میں نے ان کا شمار جن پر مہر کی گئی تھی سنا کہ بنی اسرائیل
کے سب فرقوں میں سے ایک سو چوالیس ہزار پر مہر کی گئی ۵ یہوداہ کے فرقے
سے بارہ ہزار پر مہر کی گئی۔ روبن کے فرقے سے بارہ ہزار پر مہر کی گئی۔ جد کے

سچ کہا ہے اپنی آنکھ کا شہتیر تنکا دکھائی دیتا ہے اور دوسری آنکھ کا
تنکا شہتیر نظر آتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۷) فرقے سے بارہ ہزار پر مہر کی گئی ۶ آشر کے فرقے سے
بارہ ہزار پر مُہر کی گئی۔ نفتالی کے فرقے سے بارہ ہزار پر مُہر کی گئی۔ منسی کے فرقے سے
بارہ ہزار پر مُہر کی گئی۔ ۷ شمعون کے فرقے سے بارہ ہزار پر مُہر کی گئی۔ لاوی کے
فرقے سے بارہ ہزار پہ مُہر کیگئی ۸ اشکار کے فرقے سے بارہ ہزار پہ مہر کیگئی۔ زبلون کے فرقے سے بارہ ہزار پہ مہر کیگئی
یوسف کے فرقہ سے بارہ ہزار پہ مہر کی گئی۔ بنیمین کے فرقے سے بارہ ہزار پر
مُہر کی گئی ۹ بعد اس کے میں نے نظر کی اور دیکھا کہ ہر ایک قوم اور فرقے اور
لوگ اور اہل زبان میں سے ایک بڑی جماعت جسے کوئی شمار نہیں کر سکتا سفید
جامہ پہنے اور خرما کی ڈالیاں ہاتھوں میں لئے اس تخت کے آگے اور برّے
کے حضور کھڑی ہے۔ ۱۰ اور بلند آواز سے چلّا کے یوں کہتی ہے کہ نجات ہمارے
خدا کو جو تخت پر بیٹھا ہے اور برّے کو۔ ۱۱ اور سارے فرشتے تخت اور اُن
بزرگوں اور اُن چاروں جانداروں کے گرد کھڑے تھے۔ پھر تخت کے آگے
اوندھے گر پڑے اور خدا کو سجدہ کیا۔ ۱۲۔ اور بولے آمین برکت اور جلال
اور دانش اور شکرگذاری اور عزت اور قدرت اور طاقت ابد تک ہمارے
خدا کے لئے۔ آمین۔ ۱۳۔ اور ان بزرگوں میں سے ایک نے جواب دیکے
مجھ سے پوچھا کہ وے جو سفید جامہ پہنے ہیں کون ہیں اور کہاں سے آئے۔
۱۴۔ اور میں نے اُس سے کہا کہ اے خداوند تو جانتا ہے۔ تب اُس نے مجھے
کہا یے وے ہی ہیں جو بڑی مصیبت میں سے نکل آئے اور اُنہوں نے اپنے
جاموں کو برّے کے لہو سے دھویا اور انہیں سفید کیا۔ ۱۵۔ اسی واسطے وے
خدا کے تخت آگے ہیں۔ اور اُس کی ہیکل میں رات دن اُس کی بندگی کرتے ہیں
اور وہ جو تخت پر بیٹھا ہے اُن کے درمیان سکونت کرے گا۔ ۱۶۔ وے

قرآن مجید میں صرف معراج کے متعلق اس قدر بیان ہوا ہے۔ سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی برکنا حولہ لنریہٗ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۸) پھر بھوکے نہونگے اور نہ پیاسے اور روے نہ دھوپ اور نہ گرمی اٹھاویں گے۔ ۱۷۔ کیونکہ برہ جو تخت کے بیچوں بیچ ہے انکی گلہ بانی کرے گا اور اُنہیں پانیوں کے زندہ سوتوں کے پاس پہنچائے گا اور خدا اُن کی آنکھوں سے ہر ایک آنسو پونچھے گا۔

باب ۸۔ اور جب اُس نے ساتویں مہر توڑی تب آسمان میں قریب آدھی گھڑی کے خاموشی تھی۔ ۲ اور میں نے ان ساتوں فرشتوں کو جو خدا کے آگے کھڑے تھے دیکھا کہ انہیں سات نرسنگے دیئے گئے۔ ۳ پھر ایک اور فرشتہ آیا اور سونے کا بخوردان لئے ہوئے قربانگاہ کے اوپر کھڑا ہوا تھا اور بہت بخور اُسے دیا گیا تاکہ اُسے سارے مقدسوں کی دعاؤں کے ساتھ سنہری قربانگاہ پر جو تخت کے آگے ہے گذرانے ۴ اور اس بخور کا دھواں مقدسوں کی دعاؤں میں مل کے فرشتے کے ہاتھ سے خدا کے پاس اوپر گیا ۵۔ پھر اس فرشتے نے بخوردان کو لیا اور اُس میں قربانگاہ سے آگ لے کے بھری اور زمین پر پھینکی تب آوازیں ہوئیں اور گرج اور بجلی اور بھونچال ۶ اور اُن سات فرشتوں نے جن کے پاس سات نرسنگے تھے پھونکنے کے لئے آپکو تیار کیا ۷۔ اور پہلے فرشتے نے نرسنگا پھونکا۔ تب اولے اور آگ خون آمیز موجود ہوئی اور زمین پر ڈالی گئی اور تہائی درخت جل گئے اور تمام ہری گھاس جل گئی ۸۔ پھر دوسرے فرشتے نے نرسنگا پھونکا تب جیسے ایک بڑا پہاڑ آگ سے جلتا ہوا سمندر میں ڈالا گیا اور سمندر کا تیسرا حصہ لہو ہو گیا ۹۔ اور مخلوقات کی تہائی جتنے سمندر میں جان رکھتے تھے مر گئے اور جہازوں کا تیسرا حصہ تباہ ہو گیا ۱۰ پھر تیسرے فرشتے نے نرسنگا پھونکا۔ تب بڑا ستارہ چراغ سا جلتا ہوا آسمان سے ٹوٹا اور ندیوں اور پانی کے سوتوں کی

من اٰیتنا انہٗ ھو السمیع البصیر۔ (ترجمہ) پاکی ربیان کرو اُس (خدا) کی جو اپنے
بندے کو ایک رات مسجد حرام (یعنے کعبہ) سے مسجد اقصےٰ (یعنے بیت المقدس) کی طرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۹) تہائی پر جا گرا۔ ۱۱۔ اس ستارے کا نام ناگدونا ہے اور پانیوں کی
تہائی ناگدونا ہو گیا اور بہت سے آدمی اُن پانیوں کے سبب سے مر گئے کہ وے کڑوی
ہو گئے تھے۔ ۱۲۔ پھر چوتھے فرشتے نے نرسنگا پھونکا تو تہائی سورج اور تہائی چاند
اور تہائی ستارے مارے گئے یہاں تک کہ اُن کی تہائی تاریک ہو گئی اور دن
کی تہائی اور ویسے ہی رات کی تہائی بھی روشن نہ تھی ۱۳۔ پھر جو میں نے نظر کی تو ایک
فرشتے کو آسمان کے بیچوں بیچ اڑتے ہوئے اور بڑی آواز سے یہ کہتے ہوئے سنا
کہ زمین کے رہنے والوں پر ان تین فرشتوں کے نرسنگے کی باقی آوازوں کے
سبب جو پھونکنے پر ہیں۔ افسوس افسوس افسوس۔
باب ۹۔ اور پانچویں فرشتے نے نرسنگا پھونکا۔ تب میں نے ایک ستارہ
آسمان سے زمین پر گرا ہوا دیکھا اور اس کوئے کی کنجی جس کی تھاہ نہیں اُسے دی گئی
۲۔ اور اُس نے اُس کوئے کو جس کی تھاہ نہیں کھولا تو اس کوئے سے بڑے
تنور کا سا دھواں اُٹھا اور اس کوئے کے دھوئیں سے سورج اور ہوا تاریک
ہو گئی ۳۔ اور اس دھوئیں سے زمین پر ٹڈیاں نکلیں اور اُنہیں ویسا ہی مقدور
دیا گیا جیسا کہ زمین کے بچھوؤں کا ہے۔ ۴۔ اور اُنہیں یہ کہا گیا کہ زمین کی گھاس
یا کسی سبزی یا کسی درخت کو ضرر نہ پہنچائیں مگر صرف اُن آدمیوں کو جن کے ماتھوں
پر خدا کی مُہر نہیں۔ ۵۔ اور انہیں یہ دیا گیا کہ وے انکو جان سے ماریں بلکہ یہ کہ
وے پانچ مہینوں تک اذیت اٹھاویں۔ اور ان کی اذیت بچھو کے ڈنک جیسی
تھی جب وہ آدمیوں کو مارتا ہے۔ ۶ اور ان دنوں آدمی موت ڈھونڈینگے
اور اُسے نہ پاویں گے۔ اور مرنے کے مشتاق ہونگے اور موت ان سے بھاگے
گی ۷۔ اور ان ٹڈیوں کی صورتیں ان گھوڑوں جیسی تھی جو لڑائی کے لئے تیار

سے لے گیا جس کے گرد ہم نے ایک برکت رکھی ہے تاکہ ہم اُسے (اپنی قدرت) کی بعض نشانیاں دکھائیں بیشک وہی (خدا) سننے والا (اور) بینا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۰) گئے گئے ہیں اور ان کے سروں پر . . . گویا سونے کے تاج اور ان کے چہرے آدمیوں کے سے تھے۔ ۸۔ اور ان کے بال عورتوں کے بالوں کی مانند اور ان کے دانت ببر کے سے تھے۔ ۹۔ اور اُنکے بکتر لوہے کے بکتروں مانند اور ان کے پروں کی آواز رتھوں اور بہت گھوڑوں کی سی آواز جو لڑائی میں دوڑیں۔ ۱۰۔ اور انکی دُمیں بچھو کی سی تھیں اور ڈنک اُن کی دموں میں تھے اور انہیں اختیار ملا کہ پانچ مہینوں تک آدمیوں کو ضرر پہنچاویں۔ ۱۱۔ اور اس اتھاہ کوئے کا فرشتہ ان کے اوپر بادشاہ تھا اس کا نام عبرانی میں ابدّون اور یونانی میں اپلیون ہے ۱۲۔ ایک افسوس گذر گیا دیکھو دو افسوس اور ان باتوں کے بعد آنے والے ہیں ۱۳۔ پھر چھٹے فرشتے نے نرسنگا پھونکا اور میں نے سونہلی قربانگاہ کے چاروں سینگوں میں سے جو خدا کے حضور ہے ایک آواز سنی ۱۴۔ جو اُس چھٹے فرشتے نے جسکے پاس نرسنگا تھا کہتی تھی کہ اُن چاروں فرشتوں کو جو فرات کی بڑی ندی پہ بند ہیں کھول دے ۱۵۔ پھر وے چاروں فرشتے چھوٹے جو ایک گھڑی اور ایک دن اور ایک مہینے اور ایک برس تک تیار تھے کہ آدمیوں میں سے تہائی کو مار ڈالیں ۱۶۔ اور فوجوں کے سوار شمار میں بیس کروڑ تھے اور میں نے ان کا شمار و بیان سنا ۱۷۔ اور وے گھوڑے اور اُن کے سوار دیکھنے میں مجھے یوں نظر آئے کہ اُنکے بکتر آگ کی مانند سُرخ اور دھوئیں کی مانند نیلے اور گندھک کی مانند پیلے تھے اور اُن کے گھوڑوں کے سر ببر کے سروں کی مانند تھے اور اُن کے منہوں سے آگ اور دھواں اور گندھک نکلتی تھی ۱۸۔ اور اس آگ اور دھوئیں اور گندھک سے جو اُنکے منہ سے نکلتی تھی یعنے ان تینوں آفتوں سے تہائی آدمی مارے گئے ۱۹۔ کہ اُن گھوڑوں کے مقدور اُن کے مونہہ میں اور اُنکی

قرآن مجید میں تو اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ ابتدائی روایتوں میں
تو معراج بغیر جسم کے تسلیم کی گئی ہے مگر بعد کی روایتوں سے پایا جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۱) دھوں میں ہیں کیونکہ اُن کی دمیں سانپوں کی مانند سر رکھتی تھیں اور
وے اُن سے ضرر پہنچاتے ہیں۔ ۲۰۔ اور باقی آدمیوں نے جو اُن آفتوں سے
مارے نہ گئے تھے اپنے ہاتھوں کے کاموں سے توبہ نہ کی کہ دیوؤں اور سونے
اور روپے اور پیتل اور پتھر اور لکڑی کی مورتوں کی جو نہ دیکھ اور نہ سُن اور نہ
چل سکتی ہیں پوجا نہ کریں۔ ۲۱۔ اور اُنہوں نے اپنے اُس خون اور جادوگریوں
اور زنا اور چوریوں سے جو وے کرتے تھے توبہ نہ کی۔

باب ۱۰۔ ۱۔ مکاشفات یوحنّا۔ پھر میں نے ایک اور زور آور فرشتے کو آسمان
سے اُترتے دیکھا جو ایک بدلی کو اوڑھے اور اُس کے سر پر دھنک تھا اور اسکا
چہرہ آفتاب سا اور اُس کے پاؤں آگ کے ستونوں کی مانند تھے ۲۔ اور اسکے
ہاتھ میں ایک چھوٹی سی کتاب کھلی ہوئی تھی اور اُس نے اپنا داہنا پاؤں سمندر
پر اور بایاں خشکی پر دھرا ۳۔ اور بڑی آواز سے جیسے ببر گرجتا ہے پکارا اور
جب اُس نے پکارا تب بادل نے گرجنے کی اپنی سات آوازیں دیں ۴۔ اور
جب بادل اپنے سات رعدوں کی آوازیں دے چکا تھا تو میں لکھنے پر تھا تب
میں نے آسمان سے ایک آواز سُنی جو مجھے فرماتی تھی کہ بادل کے اُن سات
رعدوں سے جو بات ہوئی اُس پر مُہر کر رکھ۔ ۵۔ تب اس فرشتے نے جسے
میں نے سمندر اور خشکی پر کھڑا دیکھا اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھایا ۶۔ اور اُسکی
جو ابد تک زندہ ہے جس نے آسمان کو اور جو کچھ اس میں ہے اور زمین کو اور
جو کچھ اُس میں ہے اور سمندر کو اور جو کچھ اُس میں ہے پیدا کیا قسم کھائی کہ پھر اور
مدت نہوگی ۷۔ بلکہ ساتویں فرشتے کی آواز کے دنوں میں جب وہ پھونکنے
پر ہو خدا کا پوشیدہ مطلب جیسا اُس نے اپنے خدمت گذار نبیوں کو خوشخبری

کہ معراج مع جسم کے ہوئی جمہور صحابہ باتفاق اسکے قایل ہیں کہ معراج مع بدن ہوئی تھی۔ چنانچہ معراج کے متعلق صحیح بخاری اور مسلم نے حسب ذیل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۲) دی پورا ہوگا ۸۔ اور اُس آواز نے جو میں نے سُنی۔ پھر مجھہ سے بات کی اور کہا جا وہ چھوٹی کھلی ہوئی کتاب جو اُس فرشتے کے جو دریا اور خشکی پر ہے ہاتھ میں ہے لے ۹۔ تب میں اس فرشتے کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہ وہ چھوٹی کتاب مجھکو دے اُس نے مجھے کہا لے اور اُسے کہا جا وہ تیرا پیٹ کڑوا کر دے گی پر تیرے مُنہہ میں شہد سے میٹھی لگے گی ۱۰۔ تب میں نے وہ چھوٹی کتاب اُس فرشتے کے ہاتھ سے لی اور اُسے کھا گیا اور وہ میرے مُنہہ میں شہد کی طرح میٹھی تھی۔ پر جب میں اُسے کھا گیا میرا پیٹ کڑوا ہو گیا ۱۱۔ اور اُس نے مجھے کہا ضرور ہے کہ تو بہت سے لوگوں اور قوموں اور اہل زبان اور بادشاہوں کی بابت پھر نبوت کرے۔

باب ۱۱۔ اور ایک سرکنڈا جریب کی مانند مجھے دیا گیا اور وہ فرشتہ کھڑا ہوکے کہتا تھا کہ اُٹھ اور خدا کی ہیکل اور قربانگاہ اور ان کو جو اس میں عبادت کرتے ہیں اندازہ کر ۲۔ مگر اس والان کو جو ہیکل کے باہر ہے چھوڑ دے اور اُسے مت ناپ کیونکہ وہ غیر قوموں کو دیا گیا ہے اور وے مقدس شہر کو بیالیس مہینوں تک پامال کریں گی ۳۔ اور میں اپنے دو گواہوں کو اختیار دونگا اور وے ٹاٹ پہن کرایک ہزار دو سو ساٹھ دن تک نبوت کریں گے ۴۔ یہ وے دو درخت زیتون کے اور دو چراغدان ہیں جو زمین کے خدا کے حضور کھڑے ہیں ۵۔ اور اگر کوئی چاہے کہ اُنہیں ضرر پہنچائے تو اُن کے مُنہہ سے آگ نکلتی اور اُن کے دشمنوں کو کھا جاتی ہے سو اگر کوئی چاہے کہ انہیں ضرر پہنچائے تو ضرور ہے کہ وہ اسیطرح مارا جائے ۶۔ ان کو اختیار ہے کہ آسمان کو بند کریں کہ اُن کی نبوت کے دنوں میں پانی نہ برسے اور پانیوں پر بھی اختیار رکھتے ہیں کہ انہیں لہو بنا ڈالیں۔ اور

بیان کیا ہے " آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک شب حرم کے اندر کچھ سوتا کچھ جاگتا تھا کہ جبریل علیہ السّلام سیر کے لئے براق لائے وہ گدھے سے کچھ اونچا اور خچر سے نیچا تھا ایک قدم اسکا اتنی دور جا پڑتا تھا کہ جہانتک نظر جا سکے میں اس پر سوار ہوا یہانتک کہ بیت المقدس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۳) جب چاہیں زمین پر ہر طرح کی آفت لادیں۔ ۷۔ اور وے جب اپنی گواہی دیچکیں گے تو وہ درندہ جانور جو اتھاہ کوئے سے نکلتا ہے اُن سے لڑے گا اور اُن پر غالب ہوگا اور اُنہیں مار ڈالے گا ۸ اور ان کی لاشیں اس بڑے شہر کے بازار میں جو تشبیہ کے طور پر روم اور مصر کہلاتا ہے جہاں ہمارا خداوند بھی صلیب پر کھینچا گیا پڑی رہیں گی۔ ۹۔ اور لوگوں اور فرقوں اور اہل زبان اور قوموں کے بعضے اُنکی لاشوں کو ساڑھے تین دن تک دیکھا کرینگے اور اُنکی لاشوں کو قبروں میں رکھنے نہ دیں گے۔ ۱۰۔ اور زمین کے رہنے والے اُن پر خوشی و خرمی کریں گے اور ایک دوسرے کو سوغاتیں بھیجیں گے کیونکہ ان دو نبیوں نے زمین کے رہنے والوں کو ستایا تھا۔ ۱۱۔ اور ساڑھے تین دن کے بعد زندگی کی روح خدا کی طرف سے اُن میں در آئی اور وے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔ تب جنہوں نے اُنہیں دیکھا انہیں بڑا خوف آیا۔ ۱۲۔ اور اُنہوں نے آسمان سے ایک بڑی آواز سُنی جو انہیں کہتی تھی کہ ادہر اُوپر آؤ۔ اور وے بادل میں آگے آسمان پر چلے گئے اور اُنکے دشمنوں نے اُن کو دیکھا۔ ۱۳۔ پھر اُسی گھڑی ایک بڑا بھونچال آیا اور اس شہر کا دسواں حصّہ گر گیا اس بھونچال میں سات ہزار آدمی جان سے مر گئے اور باقی جو تھے ہراساں ہو گئے۔ اور اُنہوں نے آسمان کے خدا کی بزرگی کی ۱۴۔ دوسرا افسوس گذر گیا۔ دیکھو تیسرا افسوس جلد آتا ہے۔ ۱۵۔ اور ساتویں فرشتے نے نرسنگا پھونکا اور آسمان پر بڑی آوازیں یہ کہتی ہوئی آئیں کہ دنیا کی

آیا پس میں نے براق اسجگہ باندھ دیا جہاں پیغمبر اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ پھر میں اسکے اندر گیا اور دو رکعت نماز میں نے وہاں پڑھی پھر میں وہاں سے نکلا تو جبریل علیہ السّلام میرے لئے ایک پیالہ شراب کا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۴) بادشاہتیں ہمارے خداوند اور اُسکے مسیح کی ہوگئیں اور وہ ابد تک بادشاہت کرے گا۔ ۱۶۔ اور چوبیسوں بزرگ جو اپنے اپنے تخت پر خدا کے حضور بیٹھے تھے مُنہ کے بل گرے اور خدا کو سجدہ کیا ۱۷۔ اور بولے کہ اے خداوند قادر مطلق جو ہے اور جو تھا اور جو آنے والا ہے ہم تیرا شکر کرتے ہیں کیونکہ تونے اپنی بڑی قدرت اختیار کر لی اور بادشاہت کی۔ ۱۸۔ اور قومیں غصّے ہوئیں اور تیرا قہر آیا اور مردوں کا وقت پہنچا کہ انکی عدالت کیجائے اور کہ تونے خدمت گذار نبیوں اور مقدس لوگوں کو اور اُن کو جو تیرے نام سے ڈرتے ہیں کیا چھوٹے کیا بڑے اجر بخشے اور ان کو جو زمین کو خراب کرتے ہیں خراب کرے۔ ۱۹۔ اور خدا کی ہیکل آسمان میں کھولی گئی اور اس کی ہیکل میں اُس کے عہد کا صندوق دیکھنے میں آیا۔ اور بجلیاں اور آوازیں اور گرجیں اور بھونچال آئے اور بڑے اولے پڑے۔ باب ۱۲۔ اور ایک بڑا نشان آسمان پر نظر آیا ایک عورت سورج کو اوڑھے ہوئے اور چاند اُس کے پاؤں تلے اور اُس کے سر پر بارہ ستاروں کا تاج تھا۔ ۲۔ اور وہ درد سے چلاتی اور جننے کو امیٹھتی تھی۔ ۳۔ پھر ایک اور نشان آسمان پر دکھائی دیا اور دیکھو ایک بڑا سُرخ اژدہا جس کے سات سر اور دس سینگ اور اُس کے سروں پر سات تاج تھے ظاہر ہوا ۴۔ اور اسکی دُم نے آسمان کی تہائی ستارے کھینچے اور انہیں زمین پر ڈالا اور وہ اژدہا اس عورت کے آگے جو جننے پر تھی جا کھڑا ہوا تا کہ جب وہ جنے تو اُس کے بچے کو نگل جاوے۔

ایک پیالہ دودھ کا لائے میں نے دودھ کا پیالہ لے لیا۔ شراب کا نہیں لیا
پھر آسمان پر گیا۔ پہلے آسمان پر آدمؑ دوسرے آسمان پر یحییٰؑ اور عیسٰےؑ کو
تیسرے آسمان پر یوسفؑ کو اور چوتھے آسمان پر ادریسؑ کو پانچویں آسمان پر
ہارونؑ کو چھٹے آسمان پر موسٰےؑ اور ساتویں آسمان پر ابراہیمؑ کو دیکھا
پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ گیا وہ ایک بیری کا درخت ہے پتے اس کے ایسے
ہیں جیسے ہاتھی کے کان اور پھل اُسکے مٹکوں کے برابر ہیں اس کے اوپر
عجیب عجیب روشنیاں تھیں۔ پھر اللہ نے مجھپر وحی کی جو کچھ کی اور میری
اُمت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی۔ جب میں لوٹا اور موسٰےؑ سے یہ حال
کہا تو اُنھوں نے کہا کہ آپ کی اُمت سے اتنی عبادت نہو سکے گی۔ غرضکہ میں
کئی بار حق سبحانہ کے پاس آیا گیا۔ اخیر میں پانچ وقت کی نماز رہ گئی انتہیٰ
مختصراً۔ اور روایتوں میں ہے کہ حضرت نے فرمایا میں نے معراج میں اپنے
پروردگار کو دیکھا۔ جنت دوزخ کے حالات کا معائنہ کیا۔ کسی نے کیا اچھا
کہا ہے ؎

خواجہ ذراں پردہ بدید آنچہ دید ۔ وآنچہ نباید بزباں ہم شنید

یہ معراج آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باتفاق جمہور صحابہ مع بدن
کے ہوئی اور روحانی معراج تو بار بار ہوئی۔ جسکا ذکر احادیث میں بار بار آتا
ہے۔ اسرا رات کے چلنے کو کہتے ہیں لیلاً کا لفظ اسکے بعد صرف اس لئے
لایا گیا کہ پوری رات اس سیر میں نہ صرف ہوئی تھی۔ بلکہ بہت ہی قلیل حصہ
رات کا تھا باقی مباحث اس مقام کے مثلاً اتنی جلد اتنی بڑی مسافت حضرت
نے کیونکر طے کی اور آسمان کے اوپر کس طرح گئے اور اس کے علاوہ
جو حکما کی طرف سے شبہات وارد ہوئے سب کا جواب امام فخرالدین
رازی وغیرہ نے اپنی تفسیر میں بسط سے لکھا ہے۔ صبح کو جب حضرت نے
لوگوں سے معراج کی کیفیت بیان کی تو کافروں نے امتحاناً آپ سے

بیت المقدس کے راستہ کے حالات پوچھنے شروع کئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ وہ مجھے اچھی طرح یاد نہ رہے تھے تو مجھے سخت تشویش ہوئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے میری نظر سے حجاب اُٹھا دیا۔ اور جو جو بات اُنہوں نے پوچھی میں نے فوراً بتا دی۔

یہ بات دیکھنے اور سمجھنے کی ہے کہ نہ تو قرآن مجید میں اور نہ صحیح احادیث میں ایسا کوئی جملہ ملا جس سے یہ پایا جاتا ہو کہ حضور انور نے اپنی معراج کے بارے میں یہ فرمایا ہو کہ خاکی جسم کے ساتھ میں آسمان پر گیا۔ حضرت عایشہ صدیقہ کی تو صاف یہ روایت موجود ہے جس کا ذکر ہم پہلے بھی کر آئے ہیں کہ آپ کا جسم حجرہ سے غائب نہیں ہوا تھا آپ اپنی روح کے ساتھ آسمان پر گئے تھے حضرت معاویہ کی بھی ایک روایت کا پتہ لگتا ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اپنے بیٹے کی قربانی کرنے کا خیال آیا تھا۔ اسی طرح یہ معراج بھی ہوئی۔ کاتب الواقدی اور ہشامی بھی روحانی معراج کی طرف گئے ہیں۔

ہشامی اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۳ میں لکھتا ہے کہ جب آپ آسمان سے واپس آئے تو آپ نے اپنے خادم زید سے یہ فرمایا میں نے جنت میں اپنی چھوٹی بچی کو (جو فوت ہو چکی تھی) اتنا خوش اور خوبصورت دیکھا۔ جھگڑا صرف یہ ہے کہ آیا یہ معراج وہی معراج ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور جس کا بیان ہم اوپر کر چکے ہیں یا یہ معراج دوسری معراج ہے۔ بہت مصنف تو اس پر متفق ہیں کہ یہ معراج وہی معراج ہے جسکا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ یعنے خداوند تعالےٰ اپنے بندہ کو پہلے مکّہ معظمہ سے بیت المقدس لے گیا اور پھر بیت المقدس سے آسمان کی طرف لے گیا مگر کاتب الواقدی اس سے اختلاف کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے اوّل

معراج سترہ رمضان المبارک کو ہوئی۔ اور اُس کے چھ مہینے کے بعد دوسری معراج ربیع الثانی کو وقوع میں آئی۔ (کاتب الواقدی صفحہ ۴۰)

حضورِ انور کی معراج پر خواہ جسمانی ہو یا روحانی۔ عیسائی یا یہودی تو قیامت تک اعتراض نہیں کر سکتے کیونکہ جب انکے مذہب میں بہت سی ناممکن باتیں جزوِ ایمان بنائی گئی ہیں پھر معراج جیسی معمولی بات پر کہ جو ایک سچّے عارف اور محبوب خدا کو دن رات میں صدہا بار ہوتی رہتی ہے کیونکر نکتہ چینی ہوسکتی ہے ساری توریت کو جانے دو۔ صرف حضرت موسےٰ علیہ السّلام کے پہاڑ پر آگ لینے کے لئے جانے اور وہاں خدا سے باتیں کرنے کو دیکھو

لہ یہی باتیں خداوند نے پہاڑ پر آگ کے اور بدلی کے اور بے نہایت تاریکی کے درمیان سے تمہاری ساری جماعت کو بلند آواز سے کہیں اور اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا۔ اور اُس نے اُن پتھر کی دو لوحوں پر لکھا اور اُنہیں میرے سپرد کیا۔ اور ایسا ہوا کہ جب تم نے اندھیرے میں سے یہ آواز سنی۔ کیونکہ پہاڑ آگ سے جل رہا تھا۔ تم یعنے تمہارے فرقوں کے سرگروہ اور بزرگ میرے نزدیک آئے اور تم نے کہا کہ دیکھ خداوند ہمارے خدا نے اپنی شوکت اور اپنی بزرگی دکھائی ہے اور ہم نے اسکی آواز آگ میں سے سُنی ہم نے آج کے دن دیکھا کہ خداوند آدمی سے باتیں کرتا ہے اور آدمی جیتا بچتا ہے۔ سو اب ہم کس لئے ہلاک ہو ویں کہ یہ ایسی بڑی آگ ہم کو بھسم کرے گی۔ اگر ہم خداوند اپنے خدا کی آواز اب کے پھر سنیں گے تو ہم مر ہی جائیں گے۔ کیونکہ سارے بشر میں کون ہے جس نے آگ کے بیچ سے زندہ خدا کے بولنے کی آواز سُنی ہے ہم نے سنی ہے اور جیتا رہا تو آپ ہی کے نزدیک جا اور سب جو کچھ خداوند ہمارا خدا فرمائے سُن اور جو کچھ خداوند ہمارا خدا تجھ کو کہے تو ہم اُسے سنیں گے اور اسی پر عمل کریں گے۔ اور جس وقت تم نے مجھ سے یہ کہیں خداوند نے تمہاری آواز سُنی۔ تب خداوند نے مجھے فرمایا میں نے اُن لوگوں کی

اگر یہ وحشیانہ قصے ہیں تو وہ بھی وحشی فسانے ہو سکتے ہیں ایک واقعہ ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۸) آواز اور باتیں جو اُنہوں نے تجھہ سے کہیں سنیں جو کچھ اُنہوں نے کہا اچھا کہا۔ اے کاش کہ اُن کے ایسے دل ہوں کہ وے مجھہ سے ڈریں اور ہمیشہ میرے سب حکموں کی محافظت کریں تاکہ اُنکے لئے اور اُنکی اولاد کے لئے ابد تک بہتر ہو وے جا اُنہیں کہہ کہ اپنے خیموں کو پھر جاؤ۔ پر تو یہاں پر کھڑا رہ اور میں ساری شرعیں اور احکام اور حقوق تجھہ سے بیان کروں گا جو کہ چاہیئے کہ تو انہیں سکھائے تاکہ وے اُس زمین میں جسکا وارث میں نے اُنہیں کیا ہے اُن پر عمل کریں۔ پس تم خبردار رہو کہ جس طرح خداوند تیرے خدا نے فرمایا اسی طرح عمل کرو اور دہنے بائیں ہاتھ کو نہ مڑو تم ان سب راہوں پر جن کی بابت خداوند تمہارے خدا نے تمہیں فرمایا ہے چلو۔ تم زندہ رہو اور تمہارا بھلا ہو اور اس زمین پر جس کے تم وارث ہو گے تمہاری عمر کے دن بہت ہو جاویں۔ پھر چند آیتوں کے بعد یہ لکھا ہے اُس وقت خدا نے مجھے فرمایا کہ اپنے لئے پتھر کی دو تختیاں پہلیوں کی مانند تراش کے بنا اور پہاڑ پر مجھہ پاس چڑھ آ اور ایک چوبی صندوق بنا۔ اور میں اُن تختیوں پر وہی باتیں لکھونگا جو پہلی تختیوں پر جنہیں تو نے توڑ ڈالا لکھی تھیں بعد اسکے تم اُنکو صندوق میں رکھو۔ تب میں نے شیشم کی لکڑی کا صندوق بنایا اور پتھر کی دو تختیاں پہلیوں کی مانند تراشیں اور اُن دونوں تختیوں کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے پہاڑ پر چڑھا اور اُس نے اُن تختیوں پر لکھنے کے موافق وہی دس احکام جو خداوند نے پہاڑ پر آگ کے بیچ سے مجمع کے دن تمہیں فرمائے تھے لکھے اور خداوند نے مجھے دے دیں تب میں پھرا اور پہاڑ پر سے اترا اور اُن تختیوں کو اس صندوق میں جو میں نے بنایا تھا دھرا۔ چنانچہ وہ ہنوز اُس میں جیسا کہ خداوند نے مجھے حکم کیا ہیں۔

اس کے بعد ملاقات خداوندی کا کتاب خروج باب ۱۹ میں یہ تذکرہ ہوا ہے۔ اور یوں ہوا کہ تیسرے دن صبح کو بادل گرجے اور بجلیاں چمکیں اور پہاڑ پر

دو صورتوں سے بیان ہوا ہے۔ انصاف شہادت نہیں دیتا کہ ایک صورت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۹) کالی گھٹا اُمڈی اور قرنائی کی آواز بہت بلند ہوئی۔ چنانچہ سارے لوگ ڈیروں میں کانپ گئے۔ اور موسےٰ لوگوں کو خیمہ گاہ سے باہر لایا کہ خدا سے ملادے اور وے پہاڑ کے نیچے آ کھڑے ہوئے۔ اور سب کوہ سینا پر زیروبالا دھواں تھا کیونکہ خداوند شعلے میں ہو کے اُسپر اُترا اور تنور کا سا دھواں اُس پر سے اُٹھا اور پہاڑ سراسر ہل گیا اور جب قرنائی کی صدا بہت بڑھائی گئی اور بلند سے بلند ہوتی جاتی تھی۔ موسےٰ نے کلام کیا اور خدا نے اُسے ایک آواز سے جواب دیا اور خداوند کوہ سینا پہاڑ کی چوٹی پر نازل ہوا۔ اور خداوند نے پہاڑ کی چوٹی پر موسےٰ کو بلایا اور موسےٰ چڑھ گیا اور خداوند نے موسےٰ سے کہا کہ اُتر جا اور لوگوں کو تقید کرتا ایسا نہ ہووے کہ حدوں کو توڑ کے خداوند کے پاس دیکھنے کو آویں اور بہتیرے ان میں ہلاک ہو جاویں اور کاہنوں کو بھی جو خداوند کے نزدیک آئے ہیں کہہ کہ اپنے کو پاک کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ خداوند اُن میں رخنہ ڈال دے۔ تب موسےٰ نے خداوند سے کہا کہ لوگ کوہ سینا پر آ نہیں سکتے کیونکہ تو نے ہمیں تاکید کر کے کہا ہے کہ پہاڑ کے لئے حدیں مقرر کر رکھو اور اسکو پاک کرو۔ خداوند نے اُسے کہا کہ چل نیچے جا اور تجھ کو پھر اُوپر آنا ہوگا تو اور ہارون تیرے ساتھ پر کاہن اور لوگ حدیں توڑ کے خداوند کے پاس اوپر نہ آویں۔ ایسا نہ ہووے کہ وہ اُن میں رخنہ ڈالدے۔ چنانچہ موسے لوگوں کے پاس تلے اُترا اور اُن سے کلام کیا۔

پھر خدا یہ سب باتیں بولا اور کہا کہ خداوند تیرا خدا جو تجھے زمین مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں۔ میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا تو اُن کے آگے اپنے تئیں مت جھکا

کو قبول کرلیں اور ایک صورت کو غلط ٹھیراویں۔ جو باتیں مسلمانوں کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۰) اور نہ انکی عبادت کر۔ کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں اور باپ دادا کی بدکاریاں اور انکی اولاد پر جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں تیسری اور چوتھی پشت تک پہنچاتا ہوں پر اُنمیں سے ہزاروں پر جو مجھے پیار کرتے اور میرے حکموں کو حفظ کرتے ہیں رحم کرتا ہوں۔ تو بندہ اپنے خدا کا نام بے فایدہ مت لے کیونکہ جو اُسکا نام بے فایدہ لیتا ہی خدا اُسے بیگناہ نٹھہراویگا۔ تو سبت کا دن پاک رکھنے کے لیئے یاد کر۔ چھ دن تک تو محنت کرکے اپنے سارے کام کاج کر لیکن ساتواں دن تیرے خدا کا سبت ہے اس میں کچھ کام نہ کر تو نہ تیرا بیٹا نہ تیری بیٹی نہ تیرا غلام نہ تیری لونڈی نہ تیری مواشی اور نہ تیرا مسافر جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہو۔ کیونکہ خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین دریا اور سب کچھ جو اُن میں ہے بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ اسلیئے خداوند نے سبت کے دن کو برکت دی اور اُسے مقدس ٹھیرایا۔

تو اپنے ماباپ کو عزت دے تاکہ تیری عمر اُس زمین پر جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہی دراز ہووے تو خون مت کر۔ تو زنا مت کر۔ تو چوری مت کر تو اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی مت دے تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر تو اپنے پڑوسی کی جورو اور اُسکے غلام اور اُسکی لونڈی اور اُسکے بیل اور اُسکے گدہا اور کسی چیز کا جو تیرے پڑوسی کی ہے لالچ مت کر۔

اور سب لوگوں نے دیکھا کہ بادل گرجے بجلیاں چمکیں قرنائی کی آواز ہوئی پہاڑ سے دہواں اُٹھا اور سب لوگوں نے جب یہ دیکھا تو اُٹھے اور دور جاکر کھڑے رہے تب اُنہوں نے موسے سے کہا کہ توہی ہم سے بول اور ہم سنیں۔ لیکن خدا ہم سے نہ بولے کہیں ہم مر نہ جاویں موسے نے لوگوں کو کہا کہ تم مت ڈرو اسلیئے کہ خدا آیا ہی کہ تمہیں امتحان کرے اور تاکہ اُسکا خوف تمہارے سامنے ظاہر ہو کہ تم گناہ نہ کرو۔ تب وے لوگ دور ہی کھڑے رہے اور موسے کالی بدلی کے جسمیں خدا تھا نزدیک گیا۔

اور خداوند نے موسے سے کہا کہ تو بنی اسرائیل سے کہہ کہ تم نے دیکھا میں نے آسمان پر سے تمہارے ساتھ باتیں کیں۔ تم میرے مقابل روپے کے معبود مت بنائیو اور نہ اپنے

مستند روایتوں میں معراج کے لئے بیان ہوئی ہیں اور جو باتیں حضرت موسےٰ کے خداوند تعالےٰ سے گفتگو کرنے کے متعلق توریت میں بیان ہوئی ہیں اُن میں کچھ زیادہ فرق نہیں معلوم ہوتا مگر تعجب یہ ہے کہ مسیحی مورخوں نے حضرت موسےٰ کی ان باتوں سے قطع نظر کرکے صرف حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی معراج پر دریدہ دہنی سے حملہ کیا ہے جس سے مغربی نکتہ چینی کی انصاف پسندی معلوم ہوتی ہے ہم نے حاشیہ میں جو کچھ توریت کتاب استثنار سے نقل کیا ہے اُسے دیکھ کے انصاف پسند طبیعت خود کہہ اٹھے گی کہ بیشک مغربی مصنفوں کی زیادتی ہے کہ وہ حضور انور کی معراج پر خواہ مخواہ حملے کرکے اسے وحشی فسانہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان باتوں کے علاوہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے واقعات کو اچھی طرح چھانا جائیگا تو معلوم ہوگا کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جن پر مغربی زمین کا مصنف تو کجا ایک مشرقی بچّہ بھی مسکرا سکتا ہے جیسا کہ خداوند تعالےٰ کا حضرت موسےٰ کے خیمہ[1] میں آنا اور اُن سے باتیں کرنا مذکور ہے۔ خداوند تعالےٰ نے خیمہ میں آکے حضرت

---

[1] یہ خداوند نے موسےٰ کو فرمایا کہ دیکھ تیرے دن آپہنچے کہ جن میں تجھے مرنا ہے سو یشوع کو بُلا اور تم جماعت کے خیمہ میں آپ کو حاضر کرو تا کہ میں اُسے تاکید کروں چنانچہ موسےٰ اور یشوع روانہ ہوئے اور انہوں نے اپنے تئیں جماعت کے خیمے میں حاضر کیا اور خداوند بدلی کے ستون میں ہو کے خیمہ میں نمود ہوا اور بدلی کا ستون خیمہ کے دروازے پر آکے قایم ہوا۔ تب خداوند نے موسےٰ علیہ السّلام کو فرمایا دیکھ تو اپنے باپ داداؤں کے ساتھ سو رہے گا۔ اور اُس قوم کے لوگ اُٹھیں گے اور اس سرزمین پر جہاں نئے بستے جاتے ہیں اسکے اجنبی معبودوں کی پیروی کرنے سے زناکار ہو جائینگے اور مجھکو چھوڑ دیں گے اور اُس عہد کو جو میں نے اُن کے ساتھ باندھا ہے توڑیں گے اور اُس دن میرا قہر اُن پر

موسےٰ سے کیا مزے مزے کی باتیں کیں۔ اور گنہگاروں کو ڈرایا اور ایسے قہرناک الفاظ استعمال کئے جن سے دل کانپتا ہے مع جسم کے آسمان پر جانا اور خداوند تعالےٰ کا دیدار نصیب ہونا اس سے زیادہ مشکل نہیں ہے کہ خداوند تعالےٰ دنیا میں آئے اور حضرت موسےٰ کے ڈیرے میں گھسے اور اُن سے باتیں کرے اس کے علاوہ توریت اور انجیل میں اور بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ جو معراج سے زیادہ تعجب انگیز ہیں۔ ہم اُنہیں دوہرانا نہیں چاہتے جس قدر ہم نے توریت اور انجیل میں سے نقل کیا ہے۔ ہم اُسی کو کافی سمجھتے ہیں۔

اب ہم صرف معراج کے متعلق اپنی رائے دیتے ہیں۔ ہماری ذاتی رائے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۲) بھڑکے گا۔ اور میں اُنہیں چھوڑ دونگا اور میں اُن سے منہہ چھپاؤنگا اور وے نگلے جائینگے اور بہت سی مصیبتیں اور آفتیں انپر پڑیں گی چنانچہ وے اُس دن کہینگے کیا مجھ پر یہ بلائیں اسلئے نہیں پڑیں کہ میرا خدا میرے درمیان نہیں اور اُن سب بدیوں کے سبب سے جو انھوں نے کی ہونگی اور اسلئے کہ اجنبی معبودوں کی طرف پھرے ہونگے میں اُس روز اپنا منہہ چھپاؤں گا سو تم یہ گیت اپنے لئے لکھو اور اُسے بنی اسرائیل کو سکھاؤ اور اُسے اُن کے منہہ میں رکھو تاکہ یہ گیت بنی اسرائیل پر میرا گواہ ہے اس لئے کہ جب میں اُنہیں اس سرزمین میں پہنچاؤں جسکی بابت میں نے اُنکے باپ دادوں سے قسم کی جسمیں دودھ و شہد بہتا ہے اور وے کھائیں گے اور سیر ہونگے اور موٹے ہو جائینگے تب وے غیر معبودوں کیطرف پھر جائینگے اور اُنکی عبادت کرینگے اور مجھے غصہ دلاوینگے اور میرے عہد کو توڑ ڈالینگے اور یوں ہوگا کہ جب بہت سی مصیبتیں اور آفتیں اُنپر پڑینگی تو یہ گیت اُنکے برخلاف گواہ کیطرح گواہی دیگا کہ اُسکا اُن کی نسل کے مونہ سے بھلایا نجائیگا کیونکہ میں اُنکے خیالوں کو جو وے اُسوقت کرتے ہیں اس سے پیشتر کہ میں اس سرزمین

تو یہ ہے کہ معراج جسم سے ہوئی اور اُس کی دلیل یہ ہے کہ انسان اگر خواب میں بھی اپنی ذاتی حالت پر غور کرتا ہے تو اپنے کو مع جسم کے پاتا ہے یہ مثال اگرچہ حضور انور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معراج پر چسپاں نہیں ہوتی مگر ظاہر بینوں اور دہریوں کے سمجھنے کے لئے اس سے بہتر ہم اور کوئی دلیل نہیں رکھتے۔ آسمان کو طے کرنا یا ایک غیر محدود بلندی تک جانا اور خداوند تعالےٰ سے باتیں کرنا اور بنی اسرائیل کے پیغمبروں سے ملنا یہ مذہب اسلام کے خاص راز ہیں جنکا تعلق معرفت الہیہ سے ہے۔ چونکہ اسلام کے ظاہری اصول سے اُسے کچھ تعلق نہیں ہے اور نہ عامہ مسلمین کو سمجھنے کے لئے تکلیف دی گئی ہے اس لئے اُسکی بابت بحث کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اندھوں کے آگے کافوری شمع کا جلانا۔ دنیا میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں آپ دہقانیوں یا جاہلوں کو جمع کرکے ابن رشد بو علی سینا یا مل اور ڈارون کے اصولِ موضوعہ پر بحث نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ یہ سمجھیں گے کہ ایک دیوانہ ایسی بولی بول رہا ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ خدا کی معرفت سمجھنے کے لئے خدا کی محبت اور اپنی راستبازی کی ضرورت ہے اور یہ گویا معرفت کے مکتب کی الف بے تے ہے اگر انسان اپنی پوری قوت اور حواس کے ساتھ معرفت کے مکتب میں پڑھے اور باقاعدہ تعلیم حاصل کرے تو اسکی آنکھوں سے کل پردے جو خداوند تعالےٰ کے رازوں کے آگے پڑے ہوئے ہیں بتدریج اٹھتے چلے جائیں اور وہ ساری باتیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں آپ خود خیال کر سکتے ہیں کہ اگر آپ مجھ سے یہ خواہش کریں کہ میں آپ کو اقلیدس کے مقالہ کی کوئی شکل سمجھا دوں حالانکہ آپ اقلیدس کے اصول موضوعہ اور علوم متعارفہ سے محض نابلد ہیں تو میں کیونکر آپ کے ارشاد کی تعمیل کر سکتا ہوں ایسے موقعہ پر آپ کا مجھپر یہ طعن کرنا کہ تم ہمیں

نہ سمجھا سکے آپ کی پوری جہالت پر دلالت کرتا ہے۔
قدر ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی

جو لوگ اسلام کے فروعات پر اعتراض کرتے ہیں ان کی بڑی بھاری غلطی ہے انہیں چاہیئے کہ اصول اسلام پر اعتراض کریں اور جب مطمئن ہو جائیں تو پھر فروعات کا سمجھ لینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

ہم معراج کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں لکھنے کے جو کچھ ہم لکھ چکے ہیں ہمارے خیال میں وہی کافی ہے خداوند تعالےٰ ہمارے گناہوں اور خطاکاریوں سے چشم پوشی کرے اور ہم میں حق اور باطل کے تمیز کرنے کی قوت دے آمین۔

# تیسرا باب

## ہجرت

### (مشورہ قتل اور غار ثور)

اُس حالت میں کہ مشرکوں کے مظالم روز بروز زیادہ ہوتے جاتے تھے اور بہت سے صحابہ ہجرت کر کے یثرب چلے گئے تھے اور آخیر یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ حضور انور کے پاس سوائے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی کے کوئی نہ رہا تھا۔ حضور انور نے اسی اثناء میں خواب میں یہ مشاہدہ کیا کہ آپ کو اس سرزمین سے ہجرت کرنے کا حکم ہوا ہے اور ایک غیبی آواز مقام ہجرت کو بتا رہی ہے کہ دو سنگستان کے درمیان نخلستان میں آپ کی جائے قیام تجویز کی گئی ہے حضور انور نے خواب سے بیدار ہو کے اپنے اصحاب سے یہ کیفیت بیان کی۔ جب پانی سر سے گذر چکا اور اب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ کو بھی مکہ میں ٹھیرنا مناسب نہ معلوم ہوا تو آپ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے حکم دیں کہ میں بھی مثل اور صحابہ کے یثرب چلا جاؤں

حضور نے ارشاد فرمایا میرے صدیق تم ٹھہر جاؤ مجھے بھی ہجرت کا حکم ہو گیا ہے میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔ یہ سنتے ہی حضرت صدیق اکبر خوش ہو گئے اور آپ نے جاکے سفر کی تیاری شروع کی سب سے پہلے آپ نے دو اونٹ بہم پہنچائے ایک حضور انور کے لئے خریدا جسکی چار سو درہم قیمت دی اور ایک اپنے لئے مول لیا۔ یہاں یہ تیاری ہو رہی تھی اور وہاں کل قریشوں میں اس بات کی گفتگو ہو رہی تھی کہ اب وقت آگیا ہے کہ محمد عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر ڈالا جائے۔ چنانچہ کل قریش باہم مشورہ کرکے دارالندوہ میں جمع ہوئے یہ وہ مقام تھا جہاں بڑے بڑے مشکل کام اور عظیم قضیئے فیصل پاتے تھے۔ ایک دن جلسہ کے لئے مقرر کیا اور اس دن ہزارہا قریش حسب معمول آکے جمع ہو گئے جب سب آدمی جمع ہو گئے تو ایک بوڑھا شخص دروازہ پر آکے کھڑا ہوا اور قریشوں سے کہا مجھے بھی اندر آنے کی اجازت دو اُنہوں نے کہا تو کون ہے اس بوڑھے شخص نے جواب دیا کہ میں نجد کا رہنے والا ہوں۔ میں نے سُنا ہے کہ تم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کچھ مشورہ کرنے کو یہاں جمع ہوئے ہو اس لئے آیا ہوں شاید میں بھی تمہارے معاملے میں تمہیں کچھ رائے دوں۔ قریشوں نے مشورہ کیا کہ یہ شخص مکہ کا رہنے والا نہیں ہے تو اس کا ہمارے پاس بیٹھ جانا یا ہمارے جلسہ میں شریک ہونا کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔ غرض اس شخص کو اندر بلا کے بٹھا لیا اور بڑی آمادگی اور احتیاط کے ساتھ یہ گفتگو شروع ہوئی یعنے سب سے پہلے ہشام بن عمرو نے کھڑے ہو کے یہ کہا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اُنہیں کے گھر میں قید کر دینا چاہیے تاکہ وہ وہیں رہ جائیں اور ان کا وہیں خاتمہ ہو جائے۔ اس پر نجدی بوڑھے نے جو شیطان مجسم تھا یہ کہا کہ نہیں یہ رائے بالکل غلط ہے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پیرو بہت ہیں اور وہ ہر چہار طرف متفرق ہو گئے ہیں جب انہیں یہ حال معلوم

ہوگا وہ سب یہاں آ کے جمع ہو جائیں گے۔ پھر بنی ہاشم آپ کے ساتھ مل جائیں گے اور وہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو مکان سے نکال لیں گے اور تم میں اور اُن میں بہت بڑی جنگ ہوگی۔ اس پر ابو البختری نے کہا کہ اچھا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو نکال دینا چاہیئے۔ اس رائے کو بھی شیطان مجسم یعنے نجدی بوڑھے نے پسند نہیں کیا اور کہا کہ یہ رائے ضعیف ہے۔ اس لئے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میں حلاوت نطق اور لطف گفتار اس بلا کی ہے کہ وہ جہاں وعظ کہیں گے ہزاروں آدمیوں کو اپنے ساتھ کر سکتے ہیں اور اس صورت سے جب اُنکے پاس جمعیت ہو جائے گی تو وہ تم پر حملہ کرینگے اور تم پارہ پارہ ہو جاؤ گے۔ قریشیوں نے بوڑھے شیطان کی باتوں کی بہت تعریف کی اور کہا کہ بیشک یہ بہت اچھی رائے دیتا ہے اور اب جلسے میں اس کی تعظیم و تکریم ہونے لگی۔ جب تعظیم و تکریم کا طوفان کم ہوا تو ابوجہل بن ہشام نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ میں سے ایک نہایت جلد باز اور دلیر شخص انتخاب کیا جائے اور وہ سب مل کے محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی جائے قیام پر چلے جائیں اور اندر گھس کے آپ کو قتل کر ڈالیں۔ جب یہ خبر عام طور پر مشتہر ہو جائیگی تو بنو عبد مناف اپنا سر پٹکتے رہ جائیں گے اور اُن میں مقابلہ کی تاب نہ رہیگی اور ہم مظفر و منصور ہو جائیں گے اور پھر اس دغدغہ سے خلاصی ہو جائے گی نجدی شیطان نے مرحبا و صد مرحبا کا نعرہ بلند کیا اور کہا بیشک ابو الحکم کی یہ رائے درست اور ٹھیک ہے ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ آپ سب اس پر اتفاق کر لیں۔ غرض سب نے اس خونی رائے پر اتفاق کر لیا اور پھر جلسہ برخاست ہو گیا۔ تقدیر الٰہی ان کے اس مشورہ اور سبہ ہمی پر خندہ زن تھی۔ اِدھر یہ مشورہ ہو رہا تھا۔ اور اُدھر حضور انور کے قلب مبارک میں وحیوں کا چشمہ اُبل رہا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ روح القدس زتی رتی اس خونی جلسے کے حالات بیان کر رہی ہے۔ دل کے آئینہ میں سارے عکس پڑ رہے تھے اور وہ مجسم

آنکھوں کے آگے کھڑے ہوئے سب باتوں کی شہادت دے رہے تھے۔
اس نورانی وجد اور معرفت کی حالت میں خدا نے اپنے پیغام سے آپکو آگاہ کیا کہ آپ جس جگہہ آرام فرماتے ہیں۔ آجکی شب وہاں آرام نہ کریں۔ اور علی الصباح یثرب کی طرف روانہ ہو جائیں۔
جب رات ہو گئی تو باہمی قرارداد کے بموجب سب مشرکین مکہ رسول خدا (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مکان کے گرد جمع ہو گئے اور اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ حضور انور سو جائیں تو آپکو شہید کر دیں تاکہ بنی ہاشم کو معلوم ہو جائے کہ ہم سب نے مل کے یہ کام کیا ہے۔ حضور انور کو یہ ساری کیفیت معلوم ہو گئی حضور نے علی بن ابی طالب سے فرمایا کہ مشرک میرے قتل کا قصد کرتے ہیں تو میری چادر اوڑھ لے اور میرے بستر پر لیٹ جا اور کسی قسم کا خیال نہ کر تجھ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی علی بن ابی طالب نے حضور کے ارشاد کے بموجب عمل کیا۔ آپ حضور کی چادر اوڑھ کے حضور کے بستر پر لیٹ گئے۔ حضرت علی کا اس طرح حضور کے بستر پر لیٹ جانا اور اپنی جان فدا کرنے کا قصد کرنا پکار پکار کے یہ کہہ رہا تھا ؎

سریکہ داشتم اندا ختم بپائے توجیف ✤ کہ نیستم سر دیگر مرا بپائے دگر

سنا گیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب نے چند اشعار خاص اس منشار کے لئے موزوں فرمائے جن میں سے پہلا شعر یہ ہے ؎

وقیت بنفسی خیر من ولی الحصابر ✤ ومن طاف بالبیت العتیق و الحجر

غرض جب حضرت علی حضور انور کے بستر پر لیٹ گئے اور آپ کی چادر اوڑھ لی تو پیغمبر خدا (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) مکان کے دروازہ کے باہر نکلے اور مشرکوں کے قریب سے ہو کے گذرے تو کسی نے آپ کو نہ دیکھا۔ اتفاق سے ایک مشرک کی جو دوسرے راستہ سے آرہا تھا حضور پر نظر پڑی۔ مگر تنہا اُسے روکنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ مشرکوں کے پاس بھاگا ہوا آیا

اور اُس نے اُن لوگوں سے کہا کہ تم یہاں جمع کیوں ہو۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم محمد بن عبد اللہ (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ شخص ہنسا اور اُس نے کہا تم عجب احمق ہو محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) تو اس گھر سے کبھی کے نکل گئے۔ یہ لوگ بہت پریشان ہوئے اُس نے قسم کھا کے کہا کہ میں سچ کہتا ہوں وہ اس گھر میں نہیں ہیں۔ ان لوگوں نے پریشان ہو کے دیوار کے چھید میں سے جھانک کے دیکھا۔ اُنہیں معلوم ہوا کہ حضور انور کا بستر خالی نہیں ہے یہ دیکھتے ہی وہ خوش ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم موجود تو ہیں تو ہمیں خواہ مخواہ بہکاتا ہے۔ یہ کہہ کے وہ لوگ گھر میں گھس گئے۔ اور جب خواب گاہ کے پاس پہنچے تو اُن کے غل و شور سے حضرت علی چونکے ہوئے ہو کے اُٹھ بیٹھے۔ اُس وقت اُنہیں معلوم ہوا کہ ہمارا دوست سچ کہتا تھا۔ ان لوگوں نے نہایت تلخ لہجہ میں حضرت علی سے دریافت کیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) کہاں ہیں حضرت علی نے جواب دیا کیا تم نے مجھے انکی نگہبانی کے لئے مقرر کیا تھا جو میں تمہیں بتاؤں کہ وہ کہاں گئے۔ مشرک یہ جواب سُن کے سخت متحیر اور شرمندہ ہوئے اور کھسیانے ہو کے حضرت علی کو قید کر لیا اس پر ابو لہب نے کہا بے وقوفو علی سے مطلب کیا ہے جو اسے قید کرتے ہو اسے چھوڑ دو۔ اور اپنے کام میں لگو۔ چنانچہ مشرکوں نے حضرت علی کو چھوڑ دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک دن میں اپنے باپ کے گھر میں بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک شخص دوڑا ہوا آیا اور اس نے میرے باپ کو یہ خبر دی کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) مستور الراس پہنچ گئے اور اب یہاں تشریف لا رہے ہیں ہمیں امید نہ تھی کہ پیغمبر خدا ہمارے غریب خانہ پر تشریف لائیں گے۔ اتنے میں حضور انور آ گئے میرے باپ نے صورت دیکھتے ہی کہا میرے والدین آپ پر قربان ہوں کہ آپ نے یہاں قدم رنجہ فرما کے ہمیں اور ہمارے

غریب خانہ کو شرف بخشا پھر حضور نے ارشاد کیا کہ میں خاص ایک مصلحت سے تمہارے پاس آیا ہوں مجھے ہجرت کرنے کا حکم ہوا ہے۔ میرے باپ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی ہمرکابی کے لئے حاضر ہوں۔ حضور نے ارشاد کیا اچھا تمہارے گھر میں جو کوئی شخص ہو باہر نکل جائے میرے باپ نے عرض کیا کہ سوائے میری لڑکی عائشہ اور میری بہن کے اور کوئی نہیں ہے حضور نے ارشاد کیا بس تو پھر کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب چلنا چاہیئے۔ حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ یہ اونٹ حاضر ہے بعض روایتوں میں ہے حضور نے ارشاد کیا مجھ سے اس کی قیمت لے لو۔ اس پر حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ قیمت کی بابت آپ کیا فرماتے ہیں میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میرا کل مال ومتاع آپ پر تصدق ہے۔ یہ اونٹ میں نے نو سو درم میں حضور کے لئے پہلے ہی سے خرید لیا ہے حضور کا قبول فرمانا اسکی پوری قیمت کا وصول ہو جانا ہے۔

بعض نے اُس اونٹ کی قیمت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبانی چار سو درم بیان کی ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اور میری پھوپی نے جلدی جلدی سامان سفر اور توشہ سفر جسقدر ہو سکا مہیا اور تیار کرنا شروع کیا۔ اور چھپا کے سے اتنی جلدی تیار کر دیا کہ حضور انور اور میرے والد بہت خوش ہوئے غرض جب سب سامان تیار ہو چکا تو پیغمبر خدا اور میرے والد غار ثور میں چلے گئے۔

حضور انور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ راستہ نہایت سختی۔ محنت اور تکلیف سے پورا کیا۔ آپ نے اپنے مبارک پیروں سے جوتیاں اُتار ڈالی تھیں اور آپ برہنہ پا چلتے تھے کہ مشرک آپ کے قدموں کا نشان دیکھ کے آپ کا تعاقب نہ کریں۔ برہنہ پا چلنے میں آپ کے پیر مجروح ہو گئے اور تلووں سے خون بہنے لگا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

اپنے حقیقی نجات دہندہ کی یہ کیفیت دیکھی تو آپ سے رہا نہ گیا اور آپ نے فوراً شہنشاہِ عرب وعجم کو کندھوں پر چڑھا لیا اور اس طرح غار ثور کے درہ پر لیکے پہنچے۔ اور حضور انور کو باہر کھڑا کرکے پہلے آپ غار میں گئے اس کو اندر سے خوب صاف کیا اور اسکے کل سوراخوں کو اپنی چادر پھاڑ پھاڑ کے بند کیا۔ صرف ایک سوراخ رہگیا اس کے لئے جب کپڑا نہ پایا تو اپنا پیر اس سوراخ میں اڑا دیا۔ وہاں ایک زہریلے جانور نے آپ کے پیر میں کاٹ کھایا حالانکہ آپکو تکلیف بہت ہوئی لیکن آپ نے سوراخ سے پیر علیحدہ نہیں کیا۔ جب حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے اور آپ کی یہ کیفیت دیکھی تو سخت افسوس کیا اور اپنے خالق حقیقی کے حضور میں دعا کی کہ صدیق اکبر کے پیر کا درد جاتا رہے اللہ نے اپنے حبیب کی دعا قبول فرمائی اور حضرت صدیق بالکل اچھے ہو گئے اور آپ نے دعا کے ساتھ اپنا لعاب دہن بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیر پر لگایا تھا جس سے زہر کا اثر فوراً جاتا رہا ؎

تریاق در دہان رسول آفریدِ حق ٭ صدیق را چہ غم بود از زہر جاں گزا

تین دن اور تین رات حضور انور نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار میں قیام فرمایا۔ اس عرصہ میں مکڑی نے دروازہ پر جالا بنا لیا تھا اور کبوتر نے گھونسلے کے لئے تنکے جمع کرنے شروع کر دیئے تھے یہ بھی خداوند تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت تھی کہ اگر کوئی مشرک ادھر آنکلے تو اس بات کو نہ پہچان سکے کہ اس غار میں کوئی شخص رہتا ہوگا۔ اس وقت مشرکین قریش کی خبریں عبداللہ بن ابیّ کی معرفت حضور انور کو پہنچتی تھیں۔ عبداللہ بن ابیّ نہایت ہوشیار اور عقلمند نوجوان تھے۔ وہ دن بھر قریشیوں میں رہتے تھے اور شب کو ساری خبریں رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیتے تھے اور صبح ہونے سے پہلے پہلے مکہ میں اپنے مکان پر چلے آتے تھے قریش یہ سمجھتے تھے کہ یہ مکہ ہی میں رہتے ہیں اور عامر بن فہیرہ کا یہ کام تھا

کہ دن بھر بکریاں چرائیں اور شب کو بکریوں وغیرہ کا دودھ لے کے غار ثور میں حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوجایا کریں۔ آخر الذکر مسلمان تھے اور برابر حضور انور کی خدمت میں لگے ہوئے تھے اور بڑی ہوشیاری سے ہاتھ پاؤں بچا کے کام کرتے تھے۔

تیسرا شخص عبداللہ بن اریقط دیلمی تھا جسے حضرت صدیق اکبر نے اُجرت پر ٹھہرا رکھا تھا کہ فلاں روز فلاں وقت دو اونٹ لیکر غار ثور پر چپ چپاتا چلا آئے اسماء ذوالنطاقین (حضرت ابوبکر کی صاحبزادی) کا بیان ہے کہ جب حضور انور اور میرا باپ ابوبکر مکہ سے باہر گئے تو دوسرے دن بہت سے قریش ہمارے مکان پر آئے میں غل سن کے باہر نکلی انہوں نے دریافت کیا کہ تیرا باپ کہاں ہے میں نے جواب دیا کہ میں کیا جانوں وہ کہاں ہیں اور کہاں چلے گئے ابوجہل نے ایسا تھپڑ میرے کلہ پر مارا کہ میرے کان کی لو پھٹ گئی اور بندہ گر پڑا اور خون بہنے لگا۔ میں چیخ چیخ کر رونے لگی اتنے میں ابوقحافہ نے جو میرا دادا تھا (مگر نابینا ہوگیا تھا) یہ کہا کہ ابوبکر کل مال و متاع اپنے ساتھ لے گیا اور تمہارے لئے ایک پیسہ نہیں چھوڑا اصل بات یہ تھی کہ پانسو درم نقد جمع تھے جو میرے والد چلتے وقت اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ یہ سُن کے میں چپکی ہو رہی اور میں نے کچھ جواب نہ دیا جب سب قریش چلے گئے تو میں نے اپنے دادا سے کہا کہ فکر کی کوئی بات نہیں ہے ہمارے لئے ہمارے والد کافی روپیہ چھوڑ گئے ہیں جو فلاں جگہ موجود ہے چنانچہ میں اُنکی انگلی پکڑ کے لے گئی اور اُنہیں اپنے ہاتھ سے ٹٹول وادیا وہ دیکھ کے خوش ہوئے اور کہا کہ یہ مال ہمارے گذارہ کے لئے کافی ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب حضور انور غار ثور میں تشریف لیگئے تو دوسرے روز ابوجہل نے مکہ میں یہ ڈھنڈورا پٹوا دیا تھا کہ اگر کوئی

شخص خواہ اونٹنی ہو یا اعلیٰ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) یا ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو گرفتار کر کے لائیگا خواہ زندہ یا مُردہ اُسے میں سو اونٹ دوں گا۔ جب تمام اہلِ مکہ کو یہ خبر معلوم ہوئی۔ بہت سے طاقتور جوان مال کے لالچ میں تلواریں لے لیکے پہاڑوں اور جنگلوں میں حضور انور کو تلاش کرتے لگے اور اپنے ساتھ ایک شخص قائف نامی کو لیلیا جو کسی قدر اس بات سے واقف تھا اور قدموں کی شناخت میں اوّل درجہ کا مشہور تھا۔ چنانچہ وہ شخص نوجوان اور شمشیر بکف عربوں کو اپنے ساتھ لے گیا اور غار ثور کے قریب جا کے کھڑا کر دیا اور کہنے لگا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ابو بکر (رضی اللہ عنہ) اس جگہ سے آگے نہیں بڑھے ہیں وہ خواہ آسمان پر چلے گئے ہوں یا زمین میں چھپ گئے ہوں مگر اس مقام سے ایک انچ بھی آگے بڑھنا ناممکن ہے۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ قائف نے صاف طور پر بتا دیا تھا کہ حضور انور اس غار ثور میں ہیں مگر جب مشرکوں نے کبوتر کا گھونسلا اور مکڑی کا جالا غار کے دہانہ پر دیکھا تو انہوں نے کہا قائف تو احمق ہے جو یہاں آدمی کا پتہ بتاتا ہے۔ ایک اور روایت میں بھی آیا ہے کہ ایک شخص وہاں کھڑا ہوا تھا اُس نے کہا تم دیوانے ہو بھلا یہاں بھی کوئی آدمی ہو سکتا ہے کہ وہ کل آیا ہو آج کبوتر نے گھونسلا بنا لیا ہو اور مکڑی نے جالا تن لیا ہو۔ غرض یہ سُن کے وہ لوگ اِدھر اُدھر پراگندہ ہو گئے قائف اُنہیں آواز دیتا رہا کہ تم ناحق اِدھر اُدھر جاتے ہو تمہارا مطلوب اس مقام سے آگے نہیں بڑھا ہے جب یہ اصرار در اصرار کی آوازیں حضرت صدیق اکبر کے کان میں پہنچیں تو اپنے نبی کی تقاضائے محبت سے آپ رنجیدہ ہونے لگے اور اسی پریشانی میں آپ کی مبارک زبان سے یہ نکلا

یہ غار ثور کا واقعہ ہے جس سے سچا عشق اور سچی محبت تمام دنیا نے تسلیم کر لی ہے مگر یہ دیکھ کے تعجب ہوتا ہے کہ بعض شیعی مورخوں۔ محدثوں اور مفسروں نے اس

کہ یا رسول اللہ مشرکوں کی تعداد زیادہ ہے اور ہم صرف دو ہی ہیں۔ حضور
نے ارشاد کیا ڈرنے اور خوف کرنے کی کوئی بات نہیں ہے ہم دو نہیں ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۳) عشق پر بھی دھبہ لگانا چاہا ہے اور اپنے بیان میں ایسی ناپاک اور بودی منطق سے کام لیا ہے جس کی خوبی کو اُن ہی کا دل و دماغ خوب جانتا ہوگا چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری لکھتے ہیں کہ ابوبکر سخت بزدل تھے کہ غار میں نالہ و بکا کرنے لگے تھے۔ جب اُنہوں نے کفار مکہ کی آوازیں غار ثور کے باہر سنیں تو سخت خوف میں آکے رونے لگے۔ پھر دوسرا شیعی فاضل لکھتا ہے کہ ابوبکر کا غار میں ساتھ جانا اور جاکے رونا محض اس غرض سے تھا کہ کفار مکہ سنیں اور آکے گرفتار کریں جتنی روایتیں غار میں ساتھ جانے کی بابت لکھی گئی ہیں اُنکا خلاصہ یہ ہے۔ جو ہم نے درج کیا چنانچہ بڑے بڑے شیعی شعرا نے بھی غار کے قصہ کو نظم میں باندھا ہے اور وہ نظم اپنی فصاحت و بلاغت میں ضرور لاثانی ہے اس کی تو ہم داد دیتے ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ اصل واقعہ کا خون کیا ہے اور محض سلطنت یا اپنے گروہ کو خوش کرنے کے لئے صدیق کی سچی فدائیت اور منظر عشق کو دشمنی پر محمول کیا ہے با ایں ہمہ نظم کے عمدہ ہونے میں شک نہیں ہے اگرچہ واقعہ کی طرف خیال کر کے دیکھا جائے تو نظم پر ہنسی آتی ہے۔ لیکن محض ان روایتوں کی جدت اور نظم کو دیکھ کے بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر لکھتا ہے۔

بس کن حدیث غار کہ عارست نزد عقل * آں حزن و بیقراری شیخ معمرم

مگر بعض شیعی روایتوں میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جب ابوبکر ارشاد نبوی پر آپ کے ساتھ غار میں گئے تو رستہ میں کبھی آگے ہو جاتے تھے

۱؎ الثانی ان قولہ تعالیٰ ثانی اثنین بیان لحال الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالنسبۃ
دخولہ فی الغار ثانیاً ودخول ابی بکر اولاً کما نقل فی السیر۔ انتہی ۱۲

بلکہ تین ہیں ایک خداوند تعالےٰ بھی ہمارے ساتھ ہے۔ واقعی بہت ہی سخت اور نازک وقت تھا۔ مگر یہ بات دیکھنے کی ہے کہ صدیق اکبر کی یہ گھبراہٹ محض

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۴) اور کبھی پیچھے کبھی دائیں اور کبھی بائیں حضور انور نے دریافت کیا ابو بکر! میں نے تجھے کبھی اس طرح چلتے نہیں دیکھا۔ آج یہ کیا بات ہے جو تو یوں چل رہا ہے ابو بکر نے جواب دیا یارسول اللہ میں آگے پیچھے دائیں بائیں اس لئے چلتا ہوں کہ آپکی کفار مکہ سے نگہبانی کروں اور کوئی مخالف آپ پر اِدھر اُدھر سے نکل کر وار نکر دے اور راستہ میں یہ بھی ہوتا تھا کہ جب آنحضرت تھک جاتے تھے تو صدیق اکبر اپنے کندھے پر چڑھا لیتے تھے۔

دوسری حکمت علی کندھے پر چڑھانے کی یہ تھی کہ کفار مکہ قدموں کے نشان دیکھ کر اس طرف نہ آنکلیں غرض آپ اور حضور انور غار میں آپہنچے پہلے ابو بکر غار میں گھس گئے اور اُسکے تمام سوراخوں کو بند کیا اور جو سوراخ ابو بکر کے کپڑوں سے بند نہ ہو سکے اُن میں اپنے پیر رکھ دیئے پھر حضور انور کو بلا لیا۔ حضور انور تشریف لائے اور بآرام بیٹھ گئے تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ ایک بچھو نے آپکے پیر میں کاٹ کھایا۔ حالانکہ حد سے زیادہ تکلیف ہوئی۔ لیکن آپ نے ہوں تک نہ کی مبادا آنحضرت کی استراحت میں فرق پڑ جائے۔ اسی اثنار میں حضور انور کی نظر مبارک ابو بکر پر پڑی دیکھا کہ آپ برہنہ ہیں اور بچھو کے ڈنک کی تکلیف سے ایک رنگ آتا ہے اور ایک رنگ جاتا ہے ارشاد کیا "لا تحزن ان اللہ معنا" پھر آپ کے حق میں دعائے خیر کی اور کہا خدا کی رحمت تجھ پر ہو کہ تو نے میری تصدیق میں مبادرت کی ایسے وقت میں کہ اور لوگ مجھے جھوٹا سمجھتے تھے اور اس وقت جب چاروں طرف سے حملے ہونے لگے تو تو میرا سینہ سپر ہوا الحمد للہ کہ تیری مدد اور رفاقت سے میں نے کل آفتوں سے نجات پائی۔ بعض شیعی علمار بیان کرتے ہیں۔ کہ ابو بکر کے پیر میں بچھو نے صرف اس لئے کاٹا تھا کہ وہ آنحضرت کو غار میں

عشق رسول پر مبنی تھی اپنی جان کی کچھ پروا نہ تھی اور یہ خیال تھا کہ حضور پر انور کا بال بیکا نہ ہو۔ مگر شان نبوت یہ تھی کہ استقلال اور خداوند تعالےٰ پر بھروسہ اپنی پوری قوت پر آ گیا تھا اور اس کی حد یہاں تک ہوئی تھی کہ خداوند تعالےٰ آنکھ سے دکھائی دینے لگا تھا۔ مخالف برہنہ تلواریں لئے ہوئے در غار کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۵) پکڑوانا چاہتے تھے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ یہ حزن و ملال محض نامردی کی دلیل تھا۔ بعض شیعی علمار کا یہ خیال ہے کہ حزن و ملال مواعید آلہی کے عدم وثوق پر ہوا تھا اور بھی بہت سے اقوال ہیں جو ہم بسبب طول کے یہاں درج کرنا مناسب نہیں جانتے۔ اختلاف روایات کے جانچنے کے لئے شاید اس واقعہ کے متعلق یہی اقوال کافی ہوں گے۔

بحار میں فاضل مجلسی لکھتا ہے اور یہی روایت بصائر الدرجات میں بھی بیان ہوئی ہے کہ جب آنحضرت نے ہجرت کا تہیہ کر لیا اور یہ بھی ارادہ کر لیا کہ حضرت علی کو اپنی جگہ پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ تو آپ نے جا کے اپنا مافی الضمیر حضرت علی سے کہا کہ میں ہجرت کرنا چاہتا ہون اور میری مرضی ہے کہ تم میری جگہ لیٹ رہو۔ حضرت علی نے کہا آیا میری اس طرح لیٹنے سے آپ کی جان بچ جائے گی اور آپ کفار سے محفوظ ہو جائینگے۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ ضرور ہو جائے گا۔ غرض آنحضرت علی کو سُلا کے آپ غار ثور کی طرف چلے گئے۔ جب کفار کو معلوم ہوا کہ محمد نکل گئے تو سخت مایوس ہوئے اور غار کی طرف تلاش کرنے کے لئے روانہ ہوئے حضرت علی کو فکر اور پریشانی ہوئی۔ مبادا آنحضرت پر کوئی حملہ نہ ہو آپ فوراً اُٹھے اور غار ثور میں آنحضرت سے مل گئے۔

دوسرا فاضل شیعی اس بات سے انکار کرتا ہے کہ حضرت علی غار ثور میں گئے تھے بلکہ وہ یہ روایت بیان کرتا ہے کہ جب کفار مکہ مکان کے اندر گھس گئے اور انہوں نے حضرت علی کو پایا تو بہت برہم ہوئے اور دریافت کیا کہ محمد کہاں گئے

کھڑے ہوں اور موت کی آوازیں سرگوشیاں کر رہی ہوں پھر اطمینان کے ساتھ یہ آواز نکلے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے ایک زبردست بھروسہ کا نقشہ کھینچتا ہے۔ ایک حضرت مسیح تھے کہ مارے خوف کے جان نکلی جاتی تھی اور سولی کے وقت بھی پکار رہے تھے کہ گھڑی بھر تو یہ پیالہ مجھ سے الگ کر لیا جائے۔ ایک اُن کے صحابہ تھے جنہوں نے چند روپیوں میں اپنے نجات دہندہ کو فروخت کر ڈالا تھا۔

وزیرے چنیں شہر یارے چناں

مقابلہ کرنے سے ایک کامل نبی اور غیر کامل نبی کا فرق معلوم ہو سکتا ہے۔

یہ بات دیکھنے کی ہے کہ حضور انور اور حضرت صدیق اکبر کے مکہ سے چلے جانے کے بعد آپ کے اہل و عیال کی کیا حالت رہی اور قریشیوں نے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جہاں تک دیکھا جاتا ہے قریشیوں نے کسی قسم کی تکلیف آپ کے بال بچوں کو نہیں دی۔ پہلے پہل حضرت علی (رضی اللہ عنہ) پر خفیف سا جبر کیا تھا جسکا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن بعد ازاں کسی قسم کا برا برتاؤ نہیں کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶) حضرت علی نے اپنی لاعلمی بیان کی۔ کفار نے پکڑ کر حضرت علی کو خوب ٹالا۔

فاضل شوستری محمد بن جریر طبری کے حوالہ سے یہ روایت بیان کرتا ہے کہ آنحضرت علی سے تنہا مشورہ کر کے غار کی طرف روانہ ہوئے تھے تھوڑی دیر کے بعد ابوبکر آئے اور علی سے پوچھا کہ حضرت رسالتماب کہاں ہیں انہوں نے چپکے سے کہدیا کہ غار ثور کی طرف چلے گئے ہیں ابوبکر بھاگے ہوئے آپ کے پیچھے روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ سے چند قدم فاصلہ پر رہ گئے جب آنحضرت نے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنی تو آپ یہ سمجھے کہ مجھے کوئی مشرک پکڑنے آیا ہے اور بھی تیز بھاگے کہ رستہ میں ایک پتھر سے آپکو ٹھوکر لگی اور آپ کی جوتی کا کنا اکھڑ گیا انگلی میں ایسی ضرب آئی کہ آپ ٹھیر گئے ابوبکر نے اتنے میں جا لیا۔ آپ کی انگلی سے خون شرشر بہ رہا تھا۔

حضور انور کے چلے جانے کے بعد حضرت علی (رضی اللہ عنہ) تین روز تک مکہ میں رہے۔ آپ روزمرہ حرم میں آتے تھے۔ اور لوگوں کو جمع کر کے انکا مال و اسباب اُن کے حوالہ کر دیتے تھے یہ وہ مال و اسباب تھا جو لوگوں نے حضرت یا ابو طالب کے پاس امانتاً رکھا تھا۔ غرض تین دن میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے ایک ایک چیز لوگوں کو ان کی دیدی۔ بعد ازاں کسی قسم کی کوئی مخالفت یا کوئی مزاحمت حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے نہیں کی گئی۔ اور آپ باآرام اور بآزادی مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے۔

حضور انور کی صاحبزادی حضرت بی بی زینب (رضی اللہ عنہا) ایک عرصہ تک مکہ میں رہیں اور آپ کی دوسری صاحبزادی حضرت بی بی رقیہؓ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ اسی عرصہ میں مدینہ میں تشریف لے جا چکی تھیں۔ آپ کی اور دو صاحبزادیاں امّ کلثومؓ اور بی بی فاطمہؓ حضرت بی بی سودہ حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زوجہ محترمہ کے ساتھ کئی ہفتے تک مکہ میں رہیں اور حضور انور کی منگیتر حضرت بی بی عائشہؓ اپنی خاندانی مستورات کے ساتھ ایک عرصہ تک مکہ میں قیام پذیر رہیں (کاتب الواقدی صفحہ ۱۸۲، ہشامی صفحہ ۷۶ طبری صفحہ ۲۰۰)

حضور انور (صلے اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابو بکرؓ صدیق یہ جانتے تھے کہ قریش ہمارے بال بچوں کو محض ایک قومی اعزاز کی وجہ سے کسی قسم کی نہ تکلیف دیں گے اور نہ اُن کی کسی قسم کی ذلت گوارا کریں گے۔ یہاں سر ولیم میور نے ایک اعتراض کیا ہے وہ لکھتا ہے جب قریشوں کی یہ کیفیت تھی کہ اُنہوں نے حضور انور کے بال بچوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دی تو پھر جو مظالم قریشوں نے حضور انور کی نسبت بیان کئے جاتے ہیں ان میں مبالغہ ضرور ہے۔

سر ولیم میور جیسے مورخ کا یہ اعتراض بہت ہی ادنےٰ درجہ کا ہے۔ عربوں کا قاعدہ تھا کہ وہ عورت پر ہاتھ اُٹھانا اپنی شان نامردی کے خلاف سمجھتے تھے۔ انہیں حضور انور کے کنبہ سے کچھ بحث نہ تھی۔ خود حضور انور کی موجودگی میں

جب آپ مکہ میں تشریف رکھتے تھے آپ کے کُنبہ کے کسی شخص کو قریشیوں نے نہ حضور کی طرح سے ستایا اور نہ تکلیف دی۔

ابو طالب جنہوں نے حضور انور کو اپنے گھر میں رکھا اور ہر یوم آپ کی حفاظت کی۔ کس قریش نے آپ پر ہاتھ ڈالا اور آپ پر حملہ کیا قریش کو بذاتہ حضور انور سے دشمنی تھی اور وہ اگر آپ کے صحابہ کو تکلیف دیتے تھے تو محض آپ ہی کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روکتے تھے۔ قرآن مجید پڑھنے سے منع کرتے تھے۔ اور بے انتہا ستاتے تھے کہ یہ لوگ حضور انور کی پیروی چھوڑ دیں۔ بظاہر کوئی خاندانی عداوت نہ تھی۔ اسلام اور کفر نے انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا تھا اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ جب حضور انور ہی مکہ میں نہ رہے اور مدینہ میں ہجرت کر کے چلے گئے تو پھر اُن کی صاحبزادیوں سے کیا سروکار رکھا جاتا۔ یہ بات روزمرہ ہماری آنکھوں کے آگے ہوتی رہتی ہے کہ دو خاندانوں کے دو شخصوں میں باہم لڑائی ہے جب تک دونوں مقابلہ میں موجود ہوں تو یہ ضرور ہوگا کہ ایک شخص اپنے مخالف کی وجہ سے اُس کے احباب اور اُسکے اور رشتہ داروں کو بھی تکلیف دے۔ کیونکہ ہر حالت میں وہ اس کی تائید کرینگے۔ مگر جب وہ شخص مرجائے گا یا اپنا وطن چھوڑ کے چلا جائے گا تو اس کا مخالف اپنی دشمنی کا وہیں خاتمہ سمجھے گا اور کبھی نئی لڑائی اپنے مخالف کے احباب اور رشتہ داروں سے نہیں کرے گا تو سر ولیم میور کا یہ اعتراض کہ حضور انور کے چلے آنے کے بعد جب آپ کے بچوں کو تکلیف نہیں دی تو آپ کو بھی نہ ستایا ہوگا۔ ایک لاطائل استدلال اور لغو اجتہاد ہے۔

حضور انور نے مدینہ پہنچنے پر اپنے خادم زید کو اپنی صاحبزادیوں کے لانے کے لئے مکہ معظمہ روانہ کیا تھا۔ اور زید کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا صاحبزادہ عبداللہ بھی اپنی بہنوں اور پھپیوں کو لینے کے لئے مکہ روانہ ہوا تھا۔

## ایک دردناک منظر

مکّہ ایک عرصہ کے لئے خدا کے کلام کی صداؤں سے خالی ہو چکا ہے۔ وہ مقدس انفاس جو سالہا سال سے اسی پاک سرزمین میں رہتے تھے جنکی اب وجد کی ہڈیاں اسی مقدس زمین میں آمیز ہو چکی تھیں۔ جس شہر کی آب و ہوا نے ان کی پرورش کی تھی۔ جن کو صدیاں اس شہر میں رہتے ہوئے گذر گئی تھیں۔ آج وہ مقدس نفس اپنے اس عزیز اور مقدس وطن سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیئے گئے محض اس جرم سے کہ اُنہوں نے خدا کے پاک کلام کی منادی کی تھی۔ انسانی تبدل حالت سے ترقی کرا کے قدوسیوں سے انکا درجہ بڑہانا چاہا تھا۔ وہ اپنی غنودہ ذلیل بلکہ مردہ قوم کو اوج ترقی پر لانا چاہتے تھے۔ ایک ذلیل اور وحشی قوم کی نظروں میں اس سے زیادہ جُرم ان کا اور نہیں ہو سکتا تھا محض اس جرم میں کہ اُنہوں نے علی الاعلان پکار کے کہا تھا کہ درختوں۔ پتھر کے ڈھیروں اور شیطانوں کی پرستش کرنی خالق ارض و سما کے مقابلہ میں منافی عین انسانیت ہے۔ وہ دختر کشی کی رسم کو روکنا چاہتے تھے۔ غرض انہوں نے کل زمانۂ جاہلیت کی رسموں کو مٹانا چاہا تھا۔ مگر فی الحال ان کی بدنصیب اور وحشی قوم ان کی دلپسند اور خوش آیند نصیحتوں پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ اس نے اپنے ہدایت والوں کو تکلیف دی۔ انہیں بھوکا اور پیاسا مارا۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے کئی کئی بار وطن سے بے وطن ہونے کے لئے سفر کیا۔ اس وقت جب کل مظلوم مسلمان ہجرت کر چکے تو مکّہ کے بہت سے مکانات بالکل خالی ہو گئے ان کی افسردہ حالت اس بات کی شہادت دے رہی تھی کہ یہ مکان اپنے مکینوں کے لئے رو رہے ہیں۔ حالانکہ ان مکانوں میں نہ حس ہے نہ روح ہے بلکہ پتھر اینٹوں۔ اور چونے کا ایک تودہ ہیں۔ ان بے جانوں کو تو رونا آئے۔ مگر قریش کو جو جاندار بھی ہیں اور اشرف المخلوقات میں بھی داخل ہیں ذرا بھی

افسوس نہ ہو۔ دلوں کی سختی حد سے گذر گئی تھی انسانیت اور رحم جو لازم و ملزوم ہیں۔ ان ظاہر صورت انسانوں کی ذات سے کبھی کے نکل چکے تھے۔ مکّہ کے مقدس اور محترم حرم کے بُرے دن ابھی اور کچھ تھے اس لئے قضا و قدر فیصلہ کر چکی تھی۔ کہ ایک عرصہ تک اس حرم محترم میں خدا کے کلام کی آوازیں نہیں سنائی دینگی۔ خدا کو یہی منظور تھا کہ اس کا محبوب اس بے بسانہ حالت میں اپنی جان بچا کے غار ثور میں چُھپے تاکہ منکروں پر حجت پوری ہو اور پھر کوئی عذر باقی نہ رہے۔ وہ آناً فاناً میں تمام مشرکوں کو غارت بھی کر سکتا تھا اور ہدایت بھی دے سکتا تھا مگر ایسی باتیں اسکے قوانین کے خلاف تھیں۔ اُس نے ہر فعل کے صدور کے لئے اسباب مقرر کئے ہیں۔ جو ایسے اسباب ہیں کہ انسان کی ظاہر پرست آنکھ ان کا اچھی طرح کھوج لگا سکتی ہے اس خالق حقیقی کے ہر فعل میں اس کی مخلوق کے لئے انہیں اسباب کی بنا پر ہزاروں سبق پوشیدہ ہیں۔ جنہیں بالغ نظریں اچھی طرح دیکھ سکتی ہیں ہجرت سے تیرہ سال پہلے مکہ میں خدا کے کلام کی ایک آواز بھی نہیں آئی تھی اور ایک غیر معمولی سنسانی سارے شہر پر چھائی ہوئی تھی۔ لیکن اب مکہ کی حالت میں بہت بڑی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ کئی سو آدمیوں کا ایک گروہ بت پرستی سے تائب ہو چکا تھا اور علانیہ رسوم جاہلیت کی حقارت کر چکا تھا۔ اور اُس نے بتوں کے بجائے خدائے احد و مطلق کی پرستش اختیار کر لی تھی۔ اور اُنہوں نے نہایت صدق دلی سے حضور انور کے وحیوں کے سلسلہ پر اپنا یقین اور ایمان کر لیا تھا اور علانیہ اپنے گناہوں کے لئے ایک ان دیکھی ذات کے آگے استغفار کرنے لگے تھے جسے نہ اُنہوں نے دیکھا اور نہ محسوس کیا تھا۔ وہ نہایت سرگرمی سے اُس اَن دیکھی ذات کے آگے رکوع و سجود کرنے لگے تھے اُسی سے دعا مانگتے تھے اور اُسی سے طلب مدد کرتے تھے۔ اُسی کے نام پر خیرات دیتے تھے اور اسی کے نام پر دوستی و دشمنی کرتے تھے۔ یعنے محبت تھی تو اللہ کے لئے اور عداوت تھی تو اللہ کے لئے اور یہ ان کا ایمان ہو گیا تھا

نہ جس اَن دیکھی ذات پر ہم ایمان لائے ہیں۔ اس کا علم ایک بڑے سے بڑے کرۂ حت لگا کے ایک ذرہ تک محیط ہے اور اس سے ایک مچھر کا پر بھی نہیں چھپا ہوا ہے۔ فطرت کی تمام بخششوں میں زندگی کے کل تعلقات میں ذاتی اور عامۃ خلائق کے کل معاملات میں اُنہیں اَن دیکھے خالق کا ہاتھ کام کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا غرض نئی روحانی زندگی میں جس میں وہ سرخوش اور مصروف ہوئے تھے وہ اپنے نادیدہ خالق کی مرضی کو تمام دُنیا پر حاوی سمجھتے تھے۔ ان کے رگ رگ سے وحدت کے چشمے اُبل رہے تھے۔ پتھر سے۔ درخت سے۔ پانی سے آفتاب سے۔ اور چاند سے۔ ستاروں سے وہ خدا کا نور اور جلوہ آنکھ سے دیکھتے تھے اور اس میں سرمست ہو رہے تھے۔

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اُن کے سچے آقا تھے اور ان کی نئی امیدوں کے حقیقی سرچشمے تھے جن کی وہ سچے دل سے اطاعت کرتے تھے۔ اس عجیب وغریب جنبش سے بہت تھوڑے عرصہ میں دو گروہ پیدا ہو گئے۔ اگرچہ انہیں قبیلے اور خاندان کی وجہ سے باہم ایک زبردست اتحاد تھا مگر اب بڑی سخت دشمنی آ کے پڑ گئی۔ ایک گروہ کمزور اور ایک گروہ قوی تھا۔ کمزور گروہ یعنے مسلمان نہایت صبر اور عالی ظرفی سے اپنے ہموطنوں اور بھائیوں کے مظالم سہتے تھے اور اس صبر اور عالی ظرفی نے انہیں گمنامی کی تاریکی سے نکال کے دنیا کی نامور اور پرشان قوم بنا دیا۔ پہلے سو مردوں اور عورتوں نے دین خدا قبول کر کے اپنے گھر چھوڑ دیئے تھے اور حبش جا کے پناہ لی تھی کہ جب یہ طوفان جاتا رہیگا تو پھر اپنے وطن واپس چلے آئیں گے اور اب حضور انور کے ساتھ ایک بڑا گروہ اپنے عزیز اور مقدس مسکن سے مدینہ چلا گیا تھا۔ یہ وہ عزیز وطن تھا جس کی نسبت ان کا خیال یہ تھا کہ اس سے زیادہ بزرگ دنیا میں اور کوئی مقام نہیں ہے حضور انور کا ایک عجیب معجزہ تھا جن کی اطاعت میں انہوں نے سب باتیں گوارہ کر لی تھیں۔ اور وہ حضور انور پر اپنا خون بہانا اپنی اعلیٰ درجہ

کی عزت اور راحت سمجھتے تھے۔ مدینہ میں یہودیوں کی صداقت کا بہت بڑا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ اور ہر مقام پر ایک عام اثر انکا پایا جاتا تھا مگر جب دین خدا مثل دریا کے لہریں مارتا ہوا مدینہ پہنچا تو ایک عام شادابی اور تازگی مدینہ والوں کے دماغوں میں پیدا ہو گئی اور اس نئے دین کی معجزانگیز تعلیم نے انہیں یک لخت اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

ہمارے دوست سر ولیم میور کو اس زمانہ کے مسلمانوں پر یہودیوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں زیادہ اطمینان نہیں ہے آپ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کے یہودی اور عیسائی اخلاق اور عادات کے لحاظ سے مسلمانوں سے بدرجہا بہتر تھے۔ فاضل مورخ کا ایسا لکھنا تاریخ کے مضمون پر خاک ڈالنا ہے اس کا جواب ہم سوائے اس کے کچھ نہیں دے سکتے کہ اگر اُن کی عادتیں اور ان کے اخلاق اچھے ہوتے تو وہ ایک نئے دین سے کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے تھے۔ ایک چھوٹا سا بداخلاق گروہ کبھی ایک خوش اطوار اور خلیق جماعت پر فتحمندی حاصل نہیں کر سکتا یہ بات قانون قدرت کے بھی خلاف ہے۔ باقی اس ثبوت میں کہ اس زمانہ کے یہودیوں اور عیسائیوں کی کیا حالت تھی۔ کم سے کم مورخ اعظم گبن ہی کی تاریخ دیکھ لینی چاہیئے۔ میور صاحب مسلمانوں کی بداخلاقی کی ایک یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ وہ اپنی بیبیوں کو طلاق دینے میں بے انتہا آزاد تھے اور ہر ایک مسلمان کو اجازت تھی کہ علاوہ بیبیوں کے خواہ وہ کتنی ہی لونڈیاں رکھے۔ ایک قصہ عبد الرحمٰن کا سر ولیم میور صاحب نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ جب وہ مدینہ آئے تو انہوں نے دوست سعد کے ہاں قیام کیا اور جب کھانا کھانے بیٹھے تو اپنے دوست سے کہا کہ میرے پاس بہت دولت ہے میں اس دولت کا ایک حصہ تجھے دیدوں گا۔ اور میری دو بیویاں ہیں ان میں سے جونسی تجھے اچھی معلوم ہو اس سے تو شادی کر لے چنانچہ عبد الرحمٰن نے اپنی ایک بی بی کو طلاق دی اور سعد نے بغیر کسی مدت کے فوراً اس مطلقہ عورت سے نکاح کر لیا۔ یہ قصہ سر ولیم میور نے اس لئے نقل کیا ہے تاکہ مسلمانوں کی بداخلاقی اس سے

ثابت کریں ہم اسکا جواب مفصل طور پر تو انشاء اللہ کثرت ازدواج کی بحث میں دیں گے۔ مگر یہاں صرف سر ولیم میور صاحب سے اتنا عرض کرتے ہیں کہ عیسائیوں میں عام دستور تھا کہ سوتیلی ماں کو جورو بنا کے گھر میں ڈال لیا کرتے تھے اس صورت سے تو عیسائیوں کی بداخلاقی زیادہ ہوئی عدت وغیرہ کی نسبت جو انہوں نے اعتراض کیا ہے یہ بھی ان کی نری خام خیالی ہے اسلئے کہ اس وقت تک عدت کے متعلق کوئی حکم آسمان سے نہیں دیا گیا تھا۔

اس سے آگے اپنی دوسری جلد کے اختتام پر سر ولیم میور صاحب نے حضور انور اور حضرت مسیح علیہ السلام سے مقابلہ کیا ہے۔ مگر ہم اپنی دوسری جلد میں یہ ذکر کرنا نہیں چاہتے۔ ہم انشاء اللہ حضور انور کی سوانح عمری ختم ہونے کے بعد نہ صرف حضرت مسیح سے بلکہ تمام اولوالعزم پیغمبروں اور کل ادیان کے بانیوں سے مقابلہ کر کے دکھائینگے تاکہ معلوم ہو اور یہ بات ثابت ہو جائے کہ بیشک حضور انور اور سب نبیوں کے سردار تھے۔

میں سیرۃ الرسول کی دوسری جلد کو یہیں تمام کرتا ہوں۔ میں نے واقعات کے جمع کرنے میں اسقدر تحقیق اور کوشش سے کام لیا ہے کہ ایک چھوٹے واقعہ سے لیکر بڑا واقعہ تک نہیں چھوڑا جس کا تعلق حضور انور کی زندگی کے ساتھ ہو۔ میں فخر دوجہاں کے سوانح عمری کو ایسا کامل لکھنا چاہتا ہوں کہ زمانہ دراز تک بلکہ اس وقت تک جب تک اردو زندہ رہے پھر کسی کو جدید سوانح عمری لکھنے کی ضرورت نہ پڑے ممکن ہے کہ یہ سوانح عمری اگر زندگی نے وفا کی تو پانچ چھ جلدوں میں ختم ہو۔ کیونکہ میں علاوہ سوانح عمری لکھنے کے تمام ان اعتراضات اور نکتہ چینیوں کا جو حضور انور کی ذات اقدس و اطہر پر اور اسلام کی تعلیم پر ہو چکی ہیں جواب دوں گا۔ یورپ میں اعتراضوں کے متعلق جرمنی۔ فرانسیسی۔ اور انگریزی میں کتابیں شایع ہو چکی ہیں۔ اور جسقدر کتابیں عیسائیوں اور آریاؤں کی ہندوستان میں شایع ہوئی ہیں ان سب کے جواب دیئے جائیں گے۔ اگر روح القدس کے فیض سے اور خداوند کی توفیق سے یہ عظیم الشان کام مجھ سے بن پڑا اور میری زندگی میں پورا ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ میں نے اپنی زندگی کا بہت بڑا فرض ادا کیا۔ یہ کام حقیقت میں بہت بڑا ہے اور اس میں مجھے ان پاک دعاؤں کی مدد کی ضرورت ہے جو ایک سچا مسلمان صدق دلی سے اور نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ اپنے معبود برحق کی بارگاہ عالی میں صبح کی پو پھٹنے سے پہلے جبکہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں انسان کے غل و شور پر غالب رہتی ہیں مانگا کرتا ہے فقط۔

**سیرۃ الرسول کی دوسری جلد ختم ہو گئی**